الرَّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۴
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہ
ڈیزائننگ وکمپوزنگ
مجیب الرحمن قاسمی 7895786325
pasbanehaq

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۴

افادات

حضرت علّامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب......**الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج: ٤**

افادات.......حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

مرتب.......محمد فاروق غفرلہ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ.......مجیب الرحمٰن کلیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت.......۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

صفحات.......۴۹۵

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد چہارم

اجمالی فہرست

الرفيق الفصيح لمشكوة المصابيح

جلد چہارم

فہرست

الرفیق الفصیح لحل مشکاۃ المصابیح ٤

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۸۴	خاص فائدہ....................	۲۰۴
	(الفصل الثانی)	
۱۸۵	حدیث نمبر﴿۳۱۶﴾بیت الخلاء میں جاتے وقت انگوٹھی کو نکال دینا..........	۲۰۵
۱۸۶	فائدہ....................	۲۰۶
۱۸۷	تنبیہ....................	۲۰۶
۱۸۸	حدیث الباب کے بارے میں محدثین کا اختلاف رائے....................	۲۰۶
۱۸۹	حدیث نمبر﴿۳۱۷﴾جنگل میں بیت الخلاء کے لئے دور جانا..........	۲۰۷
۱۹۰	فضلات نبی صلی اللہ علیہ وسلم....................	۲۰۸
۱۹۱	حدیث نمبر﴿۳۱۸﴾پیشاب کے لئے جگہ تلاش کرنا..........	۲۰۸
۱۹۲	اشکال مع جوابات....................	۲۰۹
۱۹۳	حدیث نمبر﴿۳۱۹﴾قضاء حاجت کے وقت ستر کھولنا..........	۲۰۹
۱۹۴	معالج کے سامنے ستر کھولنا....................	۲۱۰
۱۹۵	تنہائی میں ستر کھولنا....................	۲۱۰
۱۹۶	حدیث نمبر﴿۳۲۰﴾استنجے کے چند آداب..........	۲۱۱
۱۹۷	فوائد حدیث....................	۲۱۲
۱۹۸	حدیث نمبر﴿۳۲۱﴾دائیں اور بائیں ہاتھ کے کام..........	۲۱۳
۱۹۹	تنبیہ....................	۲۱۴
۲۰۰	حدیث نمبر﴿۳۲۲﴾تثلیث احجار..........	۲۱۴
۲۰۱	حیثیت تثلیث وایتار احجار عند قضاء الحاجۃ..........	۲۱۵
۲۰۲	امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب....................	۲۱۶

نمبر شمار	مضمین	صفحہ نمبر
۳۹۵	حدیث نمبر ﴿۳۷۹﴾ ایک چلو سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنا............	۳۷۳
۳۹۶	مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت میں اختلاف	۳۷۳
۳۹۷	دلیل شوافع	۳۷۴
۳۹۸	دلائل احناف............	۳۷۴
۳۹۹	دلیل شوافع کے جوابات	۳۷۵
۴۰۰	حدیث نمبر ﴿۳۸۰﴾ سر اور کانوں کا مسح	۳۷۶
۴۰۱	حدیث نمبر ﴿۳۸۱﴾ صدغین کا مسح............	۳۷۷
۴۰۲	حدیث نمبر ﴿۳۸۲﴾ سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کا مسئلہ	۳۷۹
۴۰۳	حدیث نمبر ﴿۳۸۳﴾ دونوں کان سر میں داخل ہیں............	۳۸۰
۴۰۴	آنکھوں کے کونوں کا مسح	۳۸۱
۴۰۵	الاذنان من الرأس پر تفصیلی بحث............	۳۸۱
۴۰۶	دلیل شوافع	۳۸۲
۴۰۷	امام اعظم کی دلیل............	۳۸۲
۴۰۸	دلیل شوافع کا جواب............	۳۸۳
۴۰۹	شافعیہ کا اعتراض اور اس کا جواب	۳۸۳
۴۱۰	حدیث نمبر ﴿۳۸۴﴾ اعضاء کو تین سے زائد مرتبہ دھونے کی مذمت	۳۸۴
۴۱۱	فائدہ............	۳۸۵
۴۱۲	حدیث نمبر ﴿۳۸۵﴾ طہارت اور دعا میں غلو کی مذمت	۳۸۶
۴۱۳	اعتدال فی الدعاء............	۳۸۷
۴۱۴	اشکال وجواب	۳۸۸

نمبر شمار	مضمین	صفحہ نمبر

تمت وبالفضل عمت

x–xx–xx–xx–x

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

كتاب الطهارة

رقم الحديث:...... ۲۶۲ تا ۲۷۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الطھارۃ

طہارت کے معنی اور اقسام

طہارۃ مصدر ہے، طَهَرَ يَطْهُرُ کا نصر اور کرم سے۔

لغوی معنی: "النظافة و التنزه عن الاقذار و الادناس" [یعنی گندگی اور میل کچیل سے پاک وصاف ہونا)

شرعی معنی: شرعاً طہارت کہتے ہیں ازالۂ حدث یا خبث کے لئے قاعدہ شرعیہ کے مطابق احد المطہورین (ای الماء و التراب) کو استعمال کرنا۔

پس شرعاً طہارت کی دو قسمیں ہوئیں۔

(۱)......ازالۂ حدث

(۲)......ازالۂ خبث

پھر اول کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......طھارت عن الحدث الاصغر جس کو وضو کہتے ہیں۔

(۲)......طھارت عن الحدث الاکبر جس کو غسل کہتے ہیں۔

یہاں پر مصنف کا مقصود مطلق اور جنس طہارت مراد ہے، اس لئے کہ یہاں دونوں کو

بیان فرمایا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے طہارت شرعیہ کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱)......طهارة الجسم عن الاحداث و الاخباث.

(۲)......طهارة الاعضاء عن الجرائم و الآثام.

(۳)......طهارة القلب عن الاخلاق الذميمة.

(۴)......طهارة القلب عما سوى الله تعالىٰ.

یہاں طہارت کا پہلا مرتبہ مراد ہے۔

مصنفین کی عام عادت ہے کہ اپنی کتاب کو بعنوان کتاب وباب وفصل شروع کرتے ہیں۔ اوراس میں یہ فرق کرتے ہیں کہ اگر مختلف الاجناس متحد الانواع مسائل بیان کرنا چاہتے ہیں، وہاں کتاب کا عنوان رکھتے ہیں۔

اور جہاں مختلف الانواع متحد الاشخاص مسائل کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں لفظ باب سے عنوان رکھتے ہیں، اور جہاں متحد الاشخاص مسائل بیان کرنا مقصود ہوتا ہے وہاں لفظ فصل سے عنوان رکھتے ہیں۔

اب مصنف علام نے کتاب الایمان اور اس کے لواحق کے بعد کتاب الطہارۃ کو شروع کیا، کیونکہ قرآن وحدیث میں ایمان کے بعد صلوۃ کا درجہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے بعد نماز ہی کا حکم دیا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایمان کے بعد نماز ہی کا حکم دیتے تھے، اس لئے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں تمام عبادات کا مقصود علی وجہ الاتم پایا جاتا ہے، کیونکہ تمام عبادات کا اصل مقصود اظہار عبدیت ہے، اور نماز کا ہر ہر جز اس پر علی وجہ الاتم دال ہے۔ پھر نماز کے اندر تمام عبادات اجمالاً موجود ہیں، کیونکہ نماز کے اندر شہوات ثلثہ سے امساک پایا جاتا ہے۔ تو اس میں روزہ آ گیا۔ اس میں ستر عورت کے لئے

کپڑے کی ضرورت ہے اور اس میں مال خرچ ہوتا ہے تو زکوۃ آ گئی، پھر اس میں توجہ الی القبلہ ہے تو حج آ گیا، نیز دنیا میں جتنی چیزیں عبادت کرتی ہیں وہ سب نماز میں آ جاتی ہیں، مثلاً کوئی کھڑا ہو کر عبادت کرتا ہے، جیسا درخت وغیرہ، تو نماز میں قیام ہے، اور کوئی بیٹھ کر عبادت کرتا ہے جیسے پہاڑ وغیرہ، تو نماز میں قعود ہے۔ اور کوئی لیٹ کر عبادت کرتا ہے جیسے سانپ وغیرہ، تو نماز میں لیٹنا ہے بحالت سجود، اور بعض رکوع کی حالت میں عبادت کرتے ہیں جیسے چوپایہ جانور، تو نماز میں رکوع ہے۔ بناء بریں ایمان کے بعد صلوٰۃ کا درجہ رکھا گیا، اور نماز کا موقوف علیہ طہارت ہے، بناء بریں طہارت کی بحث شروع کی۔

﴿الفصل الاول﴾

پاکی ایمان کا جز ہے

﴿۲۶۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوۃُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّۃٌ لَكَ اَوْ عَلَیْكَ کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْ فَبَایِعٌ نَفْسَہٗ فَمُعْتِقُھَا اَوْ مُوْبِقُھَا۔ (رواہ مسلم) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تَمْلَاٰنِ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَمْ اَجِدْ ھٰذِہِ الرِّوَایَۃَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلَا فِی الْجَامِعِ وَلٰکِنْ ذَکَرَھَا الدَّارِمِیُّ بَدَلَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۱۸، باب فضل الوضوء، کتاب

الطهارة، حدیث نمبر:۲۲۳،سنن دارمی:۱۷۴/۱، باب ما جاء فی الطهور، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۶۵۳۔

حل لغات: الطَّهور ذریعہ پاکیزگی، پانی ہو یا دیگر شئی، طَهُرَ طُهُراً (ک) پاک ہونا، اَلشَّطْرُ نصف، آدھا، کسی چیز کا جز، ج اَشْطُرٌ وَشُطُورٌ، تَمْلَأُ (ف) مَلَأَ الشيءَ بھرنا، پر کرنا، سبحان الله کلمۂ تنزیہ، اللہ ہر عیب و برائی سے پاک ہے، برھان قاطع اور واضح دلیل، ثبوت، ج براھین، ضاء الشئ (ن) ضوءً و ضیاءً روشن ہونا، چاند وغیرہ کا چمکنا، حجة دلیل، برہان، ج حجج، یغدو فعل مضارع، غَدَا غُدُواً (ن) صبح کو جانا، چلا جانا، مُعْتِقٌ اسم فاعل، اَعْتَقَ اِعْتَاقاً از افعال، آزاد کرنا، موبق، مہلک اسم فاعل، اَوْبَقَ اِیْبَاقاً (افعال) ہلاک کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پاک رہنا آدھا ایمان ہے، الحمد لله ترازو کو بھر دیتا ہے، اور سبحان الله والحمد لله دونوں کو بھر دیتے ہیں، یا آپ نے فرمایا یہ اس کو بھر دیتے ہیں، جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے، نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر روشنی ہے، اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف دلیل ہے، ہر شخص صبح اٹھکر اپنی جان بیچتا ہے، پھر وہ اپنی جان آزاد کرالیتا ہے، یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے: "لا الہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" دونوں جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے اس کو بھر دیتے ہیں۔ میں نے اس روایت کو نہ تو بخاری و مسلم میں پایا اور نہ ہی یہ روایت کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں ملی، لیکن دارمی نے اس کو سبحان اللہ والحمد للہ سے بدل کر روایت کیا ہے۔

تشریح: اَلطُّهُورُ شَطْرُ الإِيْمَانِ: پاکی صفائی ستھرائی نصف ایمان ہے یا ایمان کا اہم جز ہے۔

طهور ضمہ کے ساتھ ہے، صحیح اور مختار قول یہی ہے اس کے علاوہ بھی بہت سے اقوال ہیں جو غیر مختار ہیں۔

اور شطر کے دو معنی آتے ہیں۔

(۱)......کسی چیز کا جزء۔

(۲)......کسی چیز کا نصف۔

اگر یہاں شطر کا پہلا معنی لیا جائے تو مطلب بالکل بے غبار ہے کہ طہارت ایمان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

اشکال مع جوابات

اشکال: اگر شطر کا دوسرا معنی لیا جائے تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایمان کا اجر اور اس کا مقام اتنا اونچا ہے کہ نماز کو بھی اس کا نصف نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ طہارت کو جس کا مقام بہر حال نماز سے کم ہے نصف ایمان قرار دیا جائے۔

جوابات: اس اشکال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔ چند جوابات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)......بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہاں شطر سے مراد نصف نہیں بلکہ مطلق جزء ہے، خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث کی بعض روایات میں شطر کی جگہ نصف کا لفظ وارد ہوا ہے، جیسا کہ اسی باب کی فصل ثالث میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے، اس سے تو نصف والے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نصف کا لفظ یہاں بطور روایت بالمعنی کے بول دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصل لفظ شطر ہی کے تھے، اس سے مراد جزء ہے۔

(۲)......بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ طہارت کو ایمان کا نصف کہنا اجر کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک اور اعتبار سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایمان لانے سے انسان کے

صغائر اور کبائر دونوں قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جبکہ وضوء سے صغائر معاف کرنے کا وعدہ ہے۔ ایمان سے دو قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور وضو سے ایک ہی قسم کے اس اعتبار سے طہارت ایمان کا نصف ہوئی۔

(۳)...... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے اس اشکال کا نہایت لطیف جواب دیا ہے وہ یہ کہ شریعت میں کسی چیز کے اجر کی دو قسمیں ہیں، ایک اجر اصلی اور ایک اجر فضلی۔ اجر اصلی تو وہ ہے جو شریعت کے ضابطہ کی رو سے کسی عمل پر مقرر کیا گیا ہے۔ اور اجر فضلی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات کسی بندہ کے عمل سے خوش ہو کر اضافہ فرما دیتے ہیں، اور اس کو اس اجر سے کہیں زیادہ عطا فرما دیتے ہیں جو اس کو ضابطہ کی رو سے ملنا ہوتا ہے۔ اجر فضلی کی کوئی حد مقرر نہیں، یہ سات سو گنا تک بھی ہو سکتا ہے۔ ایک کھجور صدقہ کرنے کا ثواب احد کے برابر بھی ہو سکتا ہے۔

علامہ عثمانی نے ایک مثال سے سمجھایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ترکی کی جنگ کے دنوں میں ہند کے مسلمان ان کے لئے چندہ کرتے تو بعض غریب مسلمان بکری کا بچہ دیتے پھر اس کی نیلامی کی جاتی تو اس کی قیمت بعض اوقات پانچ سو تک پہنچ جاتی، یہ قیمت اس بکری کی قیمت اصلیہ نہیں بلکہ قیمت فضلیہ ہے۔ اسی طرح مسجد و مدرسہ کے لئے کوئی غریب شخص مرغی یا بکری دیتا ہے تو اس کی نیلامی کرتے ہیں اور اس کی قیمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں طہارت کے اجر فضلی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی بندہ کے اخلاص کی وجہ سے بعض اوقات حق تعالیٰ وضو کا اجر اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ وہ ایمان کے اجر اصلی کے نصف تک پہنچ جاتا ہے۔ (اشرف التوضیح)

قوله الحمد لله تملأ الميزان: [الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے]

اشکال مع جواب

اشکال: اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ اگر الحمد للہ سے میزان بھر جائے گی تو دوسرے اعمال کہاں آئیں گے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ یہ شبہ نورانی اور لطیف چیزوں کو مادی اور کثیف چیزوں پر قیاس کرنے کی وجہ سے پیش آیا، اس لئے کہ کسی مادی شی کا کسی ظرف میں وجود تو دوسری کے وجود سے مانع ہوتا ہے، نورانی چیز کا وجود دوسری کے لئے مانع نہیں ہوتا بلکہ دونوں نورانی چیزیں ایک وقت میں ایک ہی ظرف میں سما سکتی ہیں۔ جیسے ایک بلب کی روشنی پورے کمرہ میں موجود ہوتی ہے، اگر دو بلب اسی کمرہ میں روشن کردئے جائیں تو اس کی روشنی بھی اسی کمرے میں سماجائے گی۔

قولہ و الصلوۃ نور: یعنی نماز روشنی ہوگی قبر اور قیامت کی اندھیری میں ایک قول کے مطابق، اس کو نور اس اعتبار سے کہا کہ وہ فحش کاموں سے روکتی ہے، اور صحیح راستے کی رہنمائی کرتی ہے جیسے روشنی کے اندر آدمی رہنمائی حاصل کرتا ہے، ایک قول کے مطابق نور سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے قیامت کے دن آدمی ہدایت پائے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: "**یسعیٰ نورھم بین ایدیھم**" نیز کہا گیا ہے نور وہ علامت ہے جو مصلی کے چہرہ پر ہے۔

قولہ الصدقۃ برھان: یعنی آدمی جیسے دلیل و برہان کے ذریعہ پناہ پکڑتا ہے ایسے ہی اس سے بھی پناہ پکڑتا ہے، چنانچہ قیامت کے دن جب بندہ سے اس کے مال کے مصرف سے متعلق سوال ہوگا تو اس کا صدقہ جواب میں دلیل ہوگا، یا اس اعتبار سے اس کو برہان کہا کہ صدقہ خود اپنے دینے والے کے ایمان پر حجت ہے، اس لئے کہ منافق تو اس سے باز رہتا ہے۔

قوله الصبر ضیاء: صبر کہتے ہیں نفس کو اس کی خواہشات ولذات اور معاصی سے روک کر رکھنا اور طاعات وعبادات پر اس کو جمائے رکھنا، نیز کہا گیا ہے اس سے مراد دنیا سے اور اس سے قریب کرنیوالی چیزوں سے رکے رہنا اور تکالیف شرعیہ اور آنے والی مصیبتوں پر ثابت قدم رہنا، تو یہ اس کے لئے روشنی ہوگی، اس لئے ان چیزوں پر اگر بندہ صبر کرنا چھوڑ دیگا تو یقیناً وہ معصیت کی تاریکی اور اندھیری میں داخل ہو جائے گا ایک قول کے مطابق صبر سے مراد روزہ ہے، اس لئے کہ نماز اور صدقہ یہاں مذکور ہیں جو اس بات کا قرینہ ہیں کہ صبر سے مراد یہاں روزہ ہے، جیسے کہ ارشادِ خداوندی ہے:"واستعینوا بالصبر والصلوة" یہاں صبر سے مراد روزہ ہے۔

قوله والقرآن حجة لک او علیک: یعنی قرآن کی تلاوت تیرے حق میں حجت اور دلیل بنے گی اگر تو اس پر عمل کرے گا اور اگر تو نے اس سے اعراض کیا یعنی اس کی تلاوت نہیں کی یا اس کے مطابق عمل نہیں کیا تو یہی قرآن تیرے خلاف دلیل اور حجت بن جائے گا۔(مرقاۃ:۱/۳۲۰)

قوله كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَايِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا: یعنی ہر آدمی صبح ہونے پر اپنی جسمانی اور ذہنی فکر کے مطابق اس کام میں لگ جاتا ہے جس کو اپنا مطلوب سمجھتا ہے، پس وہ اپنے آپ کو بیچنے والا ہوتا ہے، یعنی جس نے آخرت کو اپنی دنیا پر ترجیح دی تو گویا اس نے آخرت کے بدلہ میں اپنے آپ کو بیچ دیا اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے آزاد کر دیا اور جس نے دنیا کو اپنی آخرت پر ترجیح دی تو اس نے اپنے آپ کو دنیا کے بدلہ بیچ ڈالا پس اس نے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا، ایک قول کے مطابق معنی یہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ سے اپنے نفس کی بیع کرتا ہے تو وہ اس کو آزاد کرنے والا ہے، اور جو اس کی شیطان سے بیع کرتا ہے تو وہ اس کو ہلاک کرنے والا ہے۔(مرقاۃ:۱/۳۲۱)

اور ایک روایت میں ہے: لاالہ الا اللہ اور اللہ اکبر بھر دیتے ہیں آسمان اور زمین کے مابین کو، صاحب مشکوۃ کہتے ہیں اس روایت کو میں نے نہ تو بخاری اور مسلم میں پایا نہ حمیدی کی کتاب میں اور نہ کتاب جامع الاصول میں البتہ دارمی نے سبحان اللہ والحمدللہ کے بدلے اس روایت کو نقل کیا ہے، یعنی یہ روایت لاالہ الا اللہ واللہ اکبر تملآن دارمی شریف میں منقول ہے، نہ کہ بخاری شریف یا مسلم شریف میں۔

جنت میں درجات بلند کرنے والے اعمال

﴿۲۶۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوْ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطٰى اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ وَفِیْ حَدِيْثِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ وَرَدَّدَ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ مسلم) وَفِیْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِیِّ ثَلَاثًا۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۲۷، باب اسباغ الوضوء علی المکارہ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۵۱، ترمذی شریف: ۱/۱۸، باب ماجاء فی اسباغ الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۳۔

حل لغات: ادلکم صیغہ واحد متکلم، دَلَّ (ن) دلالةً علی شیءٍ کسی بات کی رہنمائی کرنا، بتانا، یمحو فعل مضارع، واحد مذکر غائب، محا (ن) الشیء، مَحْواً مٹانا، زائل کرنا، اسباغ مصدر باب افعال سے، الشیء، مکمل کرنا، الوضوءَ، ہر عضو کو اچھی طرح

دھونا،الخُطی الخطوۃ، ایک قدم،ڈگ، ج خطیً، الرباط رسی، پٹی، سرحد۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹادیں اور اس کے سبب سے تمہارے درجات بلند فرمادیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہاں اے اللہ کے رسول! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشقت کے وقت اچھی طرح سے وضو کرنا، مسجد کی طرف کثرت سے قدموں کا رکھنا، اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا، تو یہ رباط ہے، اور مالک بن انس کی روایت میں ہے کہ یہ رباط ہے یہ رباط ہے، دومرتبہ دہرایا۔(مسلم) اور ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔

تشریح: اَلاَ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یَمْحُوْ اللّٰہُ بِہٖ الْخَطَایَا: یہاں ہمزہ استفہامیہ ہے اور 'لا' نافیہ ہے یہ 'الا' تنبیہ کے لئے نہیں ہے، اس لئے کہ جواب میں لفظ بلی موجود ہے اور جواب میں لفظ 'بلی' موجود ہو تو وہاں 'الا' تنبیہ کے لئے نہیں آتا، علامہ طیبی فرماتے ہیں: یمحو الخطایا کنایہ ہے غلطیوں کو درگذر کرنے سے، کہ گناہوں کو معاف کردیا جاتا ہے، نیز اس بات کا بھی احتمال ہے کہ گناہ اعمال نامہ سے مٹادئے جائیں۔جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: "فاولٰئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات الأیۃ" [اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیگا۔] (آسان ترجمہ) اور سوال و جواب کا فائدہ یہ ہے کہ کلام اس کے ذریعہ سے دل میں اتر جاتا ہے۔(مرقاۃ: ۱/۳۲۱)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً ارشاد فرمایا: اَلاَ اَدُلُّکُمْ الخ کیا نہ بتاؤں تم کو، کیا نہ خبر دوں تم کو ایسے عمل کی جس سے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کردے اور تمہارے درجات بلند کردے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: "بلیٰ یا رسول اللہ!" کیوں نہیں یعنی ضرور ارشاد فرمایئے یارسول اللہ! اس کے

بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عمل ارشاد فرمایا۔

اس سوال وجواب کا مقصد یہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کمال درجہ شوق پیدا ہو جائے اور وہ پورے طور پر متوجہ ہو جائیں اس لئے کمال شوق اور کمال توجہ کے بعد جو چیز بیان کی جاتی ہے، وہ اچھی طرح دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

فائدہ: اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اساتذہ کو چاہئے کہ طلباء کو پورے طور پر متوجہ کرکے پھر سبق پڑھایا کریں، اسی طرح حضرات مشائخ کو چاہئے کہ اولاً طالبین کو پورے طور پر متوجہ کریں پھر کوئی بات ارشاد فرمایا کریں۔

قوله إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ الخ: اسباغ کے معنی اکمال کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة" اور کمال وضوء یہ ہے کہ وضو کو اس کے آداب ومستحبات کی رعایت کے ساتھ کیا جائے، صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسباغ کی تفسیر انقاء کے ساتھ مروی ہے، یعنی اعضاء کو اچھی طرح رگڑ رگڑ کر دھونا۔

اسباغ وضوء کی انواع ثلثہ اور اطالۃ الغرۃ والتحجیل کی تشریح وتحقیق

حضرت مولانا شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بعض حواشی میں منقول ہے کہ اسباغ وضوء کی تین قسمیں اور درجات ہیں، پہلا درجہ فرض، دوسرا سنت، تیسرا مستحب۔

(۱)...... جملہ اعضاءِ وضو کو ایک بار بالاستیعاب دھونا اسباغ بایں معنی فرض ہے۔

(۲)...... تثلیث غسل یعنی ہر عضو کو تین بار دھونا اور ایک مرتبہ پورے سر کا بالاستیعاب مسح کرنا، یہ سنت ہے۔

(۳)...... تثلیث غسل کے ساتھ اطالۃ الغرہ والتحجیل کرنا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کرتے تھے، اسباغ کی یہ نوع مستحب ہے۔

جاننا چاہئے کہ غرہ کہتے ہیں اس سفیدی کو جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے، اور یہاں پر اطالۃ غرہ سے مراد یہ ہے کہ چہرہ دھوتے وقت پیشانی کے ساتھ مقدم رأس کا کچھ حصہ بھی شامل کرلیا جائے، اور اطالۃ تحجیل کا مطلب یہ ہے کہ یدین اور رجلین کو دھوتے وقت حد مفروض یعنی مرفقین و کعبین سے تجاوز کیا جائے اور کچھ اوپر کا حصہ بھی دھویا جائے، دراصل یہ ماخوذ ہے فرس محجل سے، محجل اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک سفید ہوں، اور وضوء میں مقدار مفروض سے تجاوز کو اطالۃ الغرہ و التحجیل سے تعبیر کرنا بظاہر اس نکتہ کی بناء پر ہے کہ قیامت کے روز یہ اعضاءِ وضوء روشن اور چمکدار ہوں گے، غرہ اور تحجیل میں بھی روشنی کے معنی ہیں، نہایت حسین تعبیر ہے۔

جاننا چاہئے کہ اسباغ بالمعنی الثالث یعنی اطالۃ الغرہ و التحجیل مختلف فیہ ہے، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ تو اس کے استحباب کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ اور طحطاویؒ نے اس کو مندوبات وضوء میں شمار فرمایا ہے، اسی طرح امام نوویؒ نے شرح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "من استطاع منکم ان یطیل غرتہ فلیفعل" کے تحت اس اطالۃ کو مستحب لکھا ہے، اور حنابلہ کے یہاں اس کے استحباب کی تصریح نیل المارب میں موجود ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں یہ مستحب ہے، لیکن مالکیہ اس کے قائل نہیں وہ اس کو مکروہ کہتے ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ اطالۃ سے مراد ادامۃ اور تجدید وضوء ہے، یعنی ہمیشہ باوضوء رہنا اور تازہ وضوء کرنا۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شراح حدیث میں سے ابن بطال مالکیؒ اور قاضی عیاض مالکیؒ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فوق المرفق والکعب دھونا مستحب نہیں ہے، یہ دعویٰ ان کا باطل ہے، میں کہتا ہوں کہ اسی طرح طحاوی کی شرح امانی الاحبار میں علامہ مناویؒ سے نقل کیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی حنفیہ مالکیہ حنابلہ اطالۃ

الغـره والتحجيل کے استحباب کے قائل نہیں ہیں، علامہ مناویؒ کی یہ بات خلاف تحقیق ہے، اس لئے کہ ہم ابھی کتابوں کے حوالہ سے حنفیہ وحنابلہ اور اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اس کا استحباب نقل کر چکے ہیں۔

امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ وضوء میں اطالة الغـره والتحجيل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے ثابت ہے، لیکن ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زيادة على محل الفرض عملاً ثابت نہیں ہے؛ البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسا کیا کرتے تھے۔ (الدر المنضود)

مکارہ

مکارہ کی چند صورتیں ہیں۔

(۱)...... بہت زیادہ سردی ہے ٹھنڈا پانی ہے، ٹھنڈے پانی سے تکلیف ہوتی ہے۔

(۲)...... جسم میں زخم ہیں، پانی سے تکلیف ہوتی ہے۔

(۳)...... پانی موجود نہیں مگر اس قیمت پر پانی ملتا ہے، پانی خرید کر وضو کرنا۔

مگر ان سب صورتوں میں کامل اور مکمل وضو کرتا ہے۔

قوله وكثرة الخطى الى المساجد: یہ خطوة کی جمع ہے، قدموں کی کثرت یا تو مکان کے دور ہونے کی وجہ سے ہوگی یا مسجد میں بار بار آنے کی وجہ سے خواہ وہ آنا نماز کے واسطے ہو یا دوسری عبادت کے واسطے، بہر حال اس سے مراد مساجد میں بار بار آنا کثرت سے آنا جانا مراد ہے، اور اس میں ان حضرات کے لئے جن کے مکانات مسجد سے دور ہوں اور پھر نماز باجماعت کا اہتمام کرتے ہوں بڑی فضیلت اور تسلی کی بات ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۲۲)

قوله وانتظار الصلوة بعد الصلوة: یعنی جب آدمی جماعت سے یا

اکیلے نماز پڑھ لے پھر دوسری نماز کے انتظار میں لگ جائے اور اس کی فکر اسی کے ساتھ معلق ہو اس طور پر کہ وہ وہیں مسجد میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرے یا اپنے گھر میں بیٹھ کر اس کا منتظر رہے یا کسی کام میں مشغول ہو لیکن اس کا دل نماز کی فکر میں لگا ہوا ہو۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "**ورجل قلبه معلق في المساجد**" [وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہو] کہ ہر وقت یہ فکر رہے کہ کب اذان ہو اور میں مسجد میں جاؤں، ایسے شخص کی جماعت تو کیا تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہوگی، اور اس کی اس فکر کی وجہ سے جو جائز کام کرے گا وہ بھی عبادت بن جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس انتظار دل کا عمل ہے، اور دل جب ہی انتظار کرتا ہے جب اس کی محبت ہو جیسے محب اپنے محبوب کا انتظار کرتا ہے، اور اس کے لئے بے چین رہتا ہے، پس یہی شان ایک مومن کی ہوتی ہے، چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری ہے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے، جو اس کی زیارت کے قائم مقام ہے، پس اس کے لئے مومن بندہ بے چین اور بیقرار رہتا ہے، اسی کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**قرة عيني في الصلوٰة**" [میری آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی انتہائی سرور نماز میں ہے] نماز سے وہ سرور حاصل ہوتا ہے جو کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔

قوله فذلكم الرباط: یعنی یہی اعمال مرابطہ حقیقیہ ہیں اس لئے کہ یہ اعمال نفس کے لئے تمام شیطانی راستوں کو بند کر دیتے ہیں اور خواہشات کو مغلوب کر دیتے ہیں اور ان کو وسوسے قبول کرنے سے روک دیتے ہیں پھر ان اعمال کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا گروہ شیطان کے لشکر پر غالب آ جاتا ہے اور یہی جہاد اکبر ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۲۲)

یا اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباغ وضو کو رباط فرمایا ہے یا دوسری دو یعنی **کثرت خطی** اور **انتظار الصلوة** کو رباط فرمایا یا تینوں کے مجموعہ کو یہ تینوں قول ہو سکتے ہیں۔

ذٰلکم کامشارالیہ تینوں ہوں گے، یا فرداً فرداً تینوں رباط ہیں۔

رباط: جڑ جانا، تعلق رکھنا، اللہ سے تعلق کی یہ تین نشانیاں ہیں جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں تو اس کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے کچھ تعلق ہے۔

اسلامی ممالک کی سرحدوں کے محافظین دستوں کو بھی رباط کہا جاتا ہے جو سرحد پر رہ کر دشمنوں کو ملک میں داخل ہونے سے روکتا ہے، اور ملک کی حفاظت کرتا ہے۔ تو اس اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تینوں چیزیں کہ ایمانی مملکت کی حفاظتی فوج کے درجہ میں ہیں، نفسانی خواہشات اور شیطانی جنود سے جو اس پر یلغار کی فکر میں رہتے ہیں، ان کو یہ تین عمل روکتے ہیں، اور قلب کی ان تین دشمنوں سے حفاظت کرتے ہیں۔

یہ ایسے تین اعمال ہیں جن کے پاس یہ فوجی دستے نہیں اس کو اپنے اقلیم ایمانی کی خیر منانی چاہئے نہ معلوم کب شیطانی سپاہ وجنود یورش کر کے اس کی مملکت ایمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور ایمانی قلعہ کو مسمار کر دیں۔

اچھی طرح وضو کرنے سے گناہ زائل ہوتے ہیں

﴿۲۶۴﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ۔ (متفق عليه)

حواله: مسلم شريف: ۱۲۵/۱، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۴۵۔

نوٹ: ملا علی قاری ابہری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس روایت میں امام مسلمؒ

تنہا ہیں، اور اسی کے مثل حافظ ابن حجرؒ نے جامع الاصول میں نقل کیا ہے۔(مرقاۃ: ۳۲۳/ ۱)
لہٰذا یہاں متفق علیہ کے بجائے رواہ مسلم ہونا چاہئے۔

حل لغات: خطایا، خطیئة کی جمع ہے، گناہ، اظفارٌ، ظفر کی جمع ہے۔ناخون۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے، اور اچھی طرح وضو کرے، تو اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔

تشریح: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے وضو کیا اور وضو کو عمدہ کیا اس کی تمام خطائیں اس کے بدن سے نکل جاتی ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔

انسان کو تمام چیزوں میں اچھائی مطلوب ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ تیرا کھانا بھی اچھا ہو، پینا بھی اچھا ہو، لباس بھی اچھا ہو، بیوی بھی اچھی ہو، بچے بھی اچھے ہوں، اس لئے اس کو وضو بھی تو اچھا کرنا چاہئے، اگر ویسے ہی کر لیا تو وہ مفتاح الصلوۃ تو بن جائے گا مگر اس پر ثمرات مرتب نہیں ہوں گے اور اگر اچھا اور عمدہ وضو کیا تو اس پر ثمرات کا ترتب ہوتا ہے کہ اس کے جسم سے گناہ نکل جاتے ہیں اس کا تن گندگی و معصیت سے پاک ہو جاتا ہے، ناخن ہاتھ پیر کے اقصائے جسم میں پائے جاتے ہیں جب اس سے گناہ نکل جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اوسط بدن سے تو بدرجۂ اولیٰ نکل جائیں گے، اور وضو عمدہ ہوتا ہے فرائض وواجبات کے ساتھ سنن مستحبات اور آداب کی رعایت کرنے سے جس درجہ ان چیزوں کی رعایت ہوگی اسی درجہ وضو عمدہ اور حسین ہوگا۔

قوله مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ: علامہ طیبی فرماتے ہیں فاء ثم کے درجہ میں ہے، جو علی التراخی مرتبہ کو بیان کرنے کیلئے ہے اور اس بات پر دلالت

کرتا ہے کہ وضو میں سنت و مستحبات پر عمل کرنا محض واجبات پر اکتفا کرنے سے افضل ہے۔

قولہ خرجت خطایاہ من جسدہ: یہ بطور تمثیل اور بطور مبالغہ کے فرمایا کہ اس کے بدن سے سارے گناہ نکل جائیں گے لیکن اس سے مراد وہ صغائر ہیں جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں چونکہ کبائر کی معافی کے لئے توبہ ضروری ہے، اور حقوق العباد کی معافی کیلئے حقوق کا ادا کرنا یا صاحب حقوق سے معاف کرانا ضروری ہے۔(مرقاۃ:۳۲۲/۱)

اشکال مع جواب

اشکال: حدیث ہذا میں اشکال ہوتا ہے کہ گناہ اجسام میں سے نہیں ہے، بلکہ اعراض میں سے ہے، اور لفظ خروج صفت ہوتا ہے اجسام کی نہ کہ اعراض کی، تو یہاں گناہ کی صفت لفظ خروج کو کیسے قرار دیا گیا؟

جواب: تو علماء نے اس کے بہت سے جوابات دیئے ہیں، بعض حضرات نے یہ کہا کہ اس سے معاف ہونا مراد ہے، اور بعض نے کہا کہ مٹا دینے کو خروج سے تعبیر کیا، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ لفظ خروج اپنی حقیقت پر محمول ہے، لیکن عالم مثال کے اعتبار سے کہا گیا اور عالم اجسام میں جو اعراض ہیں عالم مثال میں وہ اجسام ہو جاتے ہیں، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات عالم مثال کے اعتبار سے احکام بیان فرماتے ہیں۔ **فلا اشکال فیه**

دوسری بحث یہ ہے کہ یہاں جو گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے، اس سے کس قسم کا گناہ مراد ہے؟

تو جمہور اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے صغائر مراد ہوتے ہیں اس لئے کہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے ہیں، چنانچہ بعض روایت میں **"مالم یؤت کبیرۃ"** کی قید آتی ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیت **"ان تجتنبوا**

کبائر ما تنھون الخ“ بھی اس پر دال ہے، باقی اکثر احادیث میں جو کبیرہ کی قید نہیں ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس سے کبیرہ صادر نہ ہوں، اگر کچھ گناہ ہو تو صغیرہ ہونے چاہئے اور وہ بغیر توبہ فضائل اعمال سے معاف ہو جائے گا۔

”العبد المسلم“ کے عنوان سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عبد مسلم کی شان ہی یہ ہے کہ وضو کے وقت اس کے ذمہ کوئی گناہ کبیرہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اول تو مسلم کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، اگر بتقاضائے بشریت کبیرہ سرزد ہو جائے تو اس کو جب تک توبہ نہ کرلے چین نہیں آتا، اگر بالفرض توبہ کرنے میں سستی بھی ہو جائے تو جب وہ وضو کرنے بیٹھے گا تو اس کا ضمیر اس کو ضرور ملامت کرے گا کہ جسم کو تو ظاہری حدث سے پاک کر رہا ہے، اور قلب کو گناہ کی آلودگیوں سے پاک کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ یہ احساس اور ندامت ہی روح ہے توبہ کی۔ تو عبد کے مسلم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کے وقت اس کے ذمہ کوئی کبیرہ گناہ باقی نہ رہے، جب اس کے ذمہ کوئی کبیرہ ہے ہی نہیں صرف صغائر ہی ہیں تو صغیرہ ہونے کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔

وضو سے ہر عضو کے گناہ کا زوال

﴿۲۶۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ

رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۲۵/۱، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۔

حل لغات: بطش (ض) سخت گیری کرنا، تشدد کرنا، مضبوطی سے پکڑنا، مشتھا (ض) مشیا چلنا، نقیا نقی الشیءُ (س) نقاءً صاف ہونا، نقی صیغہ صفت ج نقاء۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا بندہ مؤمن وضو کرتا ہے، اور اس میں اپنے منھ کو دھوتا ہے، تو پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس کے منھ سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے، تو ہاتھوں کے وہ تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو اس کے پیروں کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

تشریح: فَغَسَلَ وَجْهَهُ: میں فا تفصیلیہ ہے نظر الیھا ہے۔

اعتراض: اعتراض ہوتا ہے کہ گناہ تو از قبیل مرئیات نہیں پھر وہ کیسے نظر آتے ہیں، آنکھوں سے تو صرف ذی لون و ذی شکل اشیاء نظر آتی ہیں اور گناہ نہ تو ذی لون ہے، نہ ذی شکل تو پھر وہ کیسے نظر آتے ہیں۔

جواب: یہاں عبارت بحذف مضاف ہے نظر الیھا ای الی اسبابھا اور

اسباب گناہ نظر آتے ہیں، اس طرح کے محذوفات صاحب علم وعقل کے نزدیک مسلم ہوتے ہیں۔

بطشتها: یہاں حذف مضاف ہے۔

یہاں تین عضو کو ذکر کر دیا مگر مسح رأس کو ذکر نہیں کیا البتہ بعض جگہ اس کو بھی ذکر کیا ہے اس لئے اگر یہاں ذکر نہیں کیا تو اس میں بھی کوئی خرابی نہیں۔

قاعدہ کلیہ: اکثر کا ذکر کر دینا کل کا ذکر کر دینا ہے۔للاکثر حکم الکل.

یہاں صرف تین اعضاء مغسولہ کے ذکر پر اکتفا کر لیا، یا تو اس وجہ سے کہ چوتھے کو تم خود قیاس کر لو، یا اس وجہ سے کہ یہاں مغسولہ کو ذکر کر دیا اور ممسوحہ کو ترک، کہ اس کو انہیں پر قیاس کر لو۔

اثم رأس

سر پر انگریزی بال رکھنا سر کا گناہ ہے، جس طرح وہم وگمان بھی سر کا گناہ ہوتا ہے۔

قوله اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ: یعنی یہ راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم کا لفظ فرمایا یا مومن کا لفظ فرمایا ورنہ دونوں لفظ شریعت کے اندر مترادف ہیں، اور مومنہ مومن کے حکم میں داخل ہے۔

خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ: 'اذا' حرف شرط کا جواب ہے، كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا: یہاں بطور مبالغہ کے مسبب کا اطلاق سبب پر ہے، بِعَيْنَيْهِ: بقول علامہ طیبی کے یہ تاکید ہے ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ مبالغہ کے لئے ہے، ورنہ دیکھنا بغیر آنکھ کے نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ: ۱/۳۲۳)

قوله حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ: ابن الملک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ متوضی اس حال میں وضو سے فارغ ہوتا ہے کہ وہ ان گناہوں سے بالکل پاک

وصاف ہو جاتا ہے جن کو اس کے اعضاء مغسولہ نے کیا تھا، نیز حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے تمام اعضاء مغسولہ کی مغفرت ہو جاتی ہے نیز پہلی حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدن سے گناہ نکل جاتے ہیں اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضاء وضو سے تمام گناہ نکل جاتے ہیں تو ان دونوں حدیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ تمام بدن کی مغفرت 'بسم اللہ' کے ساتھ وضو کرنے میں ہے جیسا کہ احسان الوضوء سے اسی طرف اشارہ ہے اور صرف اعضاء وضو کی مغفرت اس صورت میں ہے جب تسمیہ کے بغیر وضو کرے نیز پہلی حدیث میں تمام گناہوں کے معاف ہونے پر نص نہیں ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد 'من جسدہ' یہ تمام بدن یا اعضاء وضو کا محتمل ہے، حتی تخرج من تحت اظفارہ سے اسی طرف اشارہ ہے۔

اشکال مع جوابات

اشکال: چہرہ تو ناک کان آنکھ تینوں پر مشتمل ہے تو پھر آنکھ ہی کو خصوصاً کیوں ذکر کیا ناک یا کان کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب(۱): اس لئے کہ آنکھ دل کی مخبر اور اس کا جاسوس ہے، پس جب اس کو ذکر کر دیا گیا تو اس نے دیگر تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا جیسا کہ آنے والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے، **فاذا غسل وجهه خرجت الخطايا من وجهه حتى تخرج من اشفار عينيه**.

جواب(۲): ممکن ہے کہ ناک اور زبان کے لئے مضمضہ اور استنشاق اور کانوں کے لئے مسح طہارت ہو لہذا آنکھ کا ذکر کرنا متعین ہو گیا۔

جواب(۳): آنکھ کو اس لئے خاص کیا تا کہ ان سے گناہوں کے نہ نکلنے کا وہم نہ ہو اس لئے کہ وضو میں آنکھ کے اندر کا حصہ نہیں دھویا جاتا۔

جواب(٤): منہ ناک اور کان میں سے ہر ایک کے لئے ایک طہارت مخصوصہ ہے جو چہرہ کی طہارت سے خارج ہے اور ان کے گناہوں کے نکلنے میں کفیل ہے برخلاف آنکھ کے اس کے لئے غسل وجہ کے علاوہ کوئی طہارت نہیں جو اس کے گناہ نکالنے میں اس کی کفیل بنے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۲۳)

اچھی طرح وضو کرنا گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ ہے

﴿۲٦٦﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْئَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذَالِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۲۱، باب فضل الوضو، کتاب الوضو، حدیث نمبر: ۲۳٦۔

حل لغات: خشوع، باب (ف) سے مصدر خشوعاً عاجزی دکھانا، انکساری کرنا۔

ترجمه: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے، اور نماز میں خشوع کرے اور رکوع کے ساتھ پڑھے، تو اس نے جو گناہ پہلے کر رکھے ہونگے، ان کے لئے یہ نماز کفارہ ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

تشریح: قوله ما من امرأ مسلم: میں مِن زائدہ ہے جو کلام غیر

موجب میں اکثر تاکید کے واسطے آتا ہے۔

قولہ فَیُحْسِنُ وُضُوْئَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُکُوْعَهَا: یعنی بندہ وضو کے فرائض وسنن بخوبی ادا کرے اور نماز کے ہر رکن کو اس طریقہ پر ادا کرے کہ وہ عاجزی وفروتنی سے پر ہو، دل کے اندر اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہو اور نگاہ سجدہ کی جگہ جمی ہوئی ہو اور ہمہ تن نماز میں متوجہ ہو اور نماز کے ماسوا چیزوں سے اعراض کرے، نیز خشوع کی علامات میں سے ہے کہ آدمی اپنے جسم اور کپڑوں سے نہ کھیلے اور خیال وتوجہ کو دوسری چیزوں میں نہ لگائے، جمائی لینے اور آنکھیں بند کرنے سے پرہیز کرے اور یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "قد افلح المومنون الذین ہم فی صلاتہم خاشعون" کی طرف یہ حالت آدمی کی ظاہر وباطن دونوں میں ہونی چاہئے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اپنی داڑھی یا کپڑے سے نماز میں کھیل رہا تھا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔ علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں یہاں صرف رکوع کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے اور سجدہ کا ذکر چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ دونوں ایک ہی جیسے رکن ہیں لہٰذا جب ایک پر ترغیب دیدی گئی تو دوسرا رکن بھی اسی حکم میں ہے، ایک قول کے مطابق رکوع کا ذکر خصوصاً اس لئے کیا گیا کہ رکوع سجدہ کے تابع ہے اس لئے کہ رکوع مستقل عبادت نہیں ہے جبکہ سجدہ مستقل عبادت ہے، جیسے سجدۂ تلاوت اور سجدہ شکر، نیز کہا گیا ہے کہ "ارکعی" کے معنی "انقادی صلی مع المصلین" کے ہیں یعنی میری تابعداری کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ یا رکوع کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ عامۃً رکوع کی ادائیگی ہی میں کوتاہی کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس وقت کوئی اشکال نہیں رہتا۔ (مرقاۃ: ۱/۳۲۴)

قولہ کَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً: امام نووی فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ کبائر کے علاوہ تمام گناہ معاف کردئے جائیں

گے کبائر توبہ سے معاف ہوں گے اور توبہ ہی ان کے لئے کفارہ بنے گی، یا پھر جس پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرما کر اپنے دربار رحمت سے اس کو معاف فرمادیں تو الگ بات ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جبتک آدمی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے تب تک صغائر معاف ہوتے رہتے ہیں اور جب کبیرہ گناہ کرلے تو صغائر میں سے بھی کوئی گناہ معاف نہیں ہوتا، علماء کرام فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صغائر آدمی کے ذمہ ہوتے ہیں تو یہ اعمال ان کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں اور اگر کبیرہ گناہ آدمی کے ذمہ ہو اور صغیرہ نہ ہوں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے توقع اور امید ہے کہ ان اعمال کے ذریعہ اس کے کبائر میں تخفیف ہوگی اور اگر آدمی کے ذمہ نہ کبیرہ ہوں اور نہ صغیرہ ہوں تو یہ اعمال اس کے لئے حسنات اور رفع درجات کا سبب بنتے ہیں۔(مرقاۃ:۳۲۵/۱، التعلیق الصبیح:۱/۱۷۵)

قوله وذلك الدهر كله: اور یہ فضیلت کسی ایک نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ پورے زمانہ پوری عمر میں جب بھی یہ نماز پڑھیگا، یہی ثواب ہوگا۔اور جس طرح نماز میں کفارہ بننے کی شان ہے ایسے ہی ذخیرہ بننے کی بھی شان ہے، اگر کسی کے ذمہ گناہ نہ ہوں تو اس کے درجات میں بلندی ہوگی۔ان شاء اللہ تعالیٰ

ہر عضو کو تین بار دھونا مسنون ہے

﴿۲۶۷﴾ وَعَنْهُ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ

قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّی رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَیْءٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیه) وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِیِّ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲۵۹/ ۱، باب السواک الرطب والیابس للصائم، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۱۹۳۴۔

حل لغات: تمضمض بالماء فی فیه منہ میں پانی ڈال کر گھمانا، کلی کرنا، استنثر ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا، صاف کرنا، یحسن مصدر احسان، باب افعال سے اچھا کرنا، اچھا کام کرنا و نیکی کرنا۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو کیا، چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک صاف کی، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ کو کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے داہنے پیر کو تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں پیر کو تین بار دھویا، پھر کہا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے جس طرح میں نے وضو کیا ہے، پھر فرمایا جو شخص اس وضو کے مانند وضو کرے، پھر دو رکعات نماز پڑھے، اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے، تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخشدئے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اس روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: انہ توضأ: اجمال ہے، اور فافرغ سے اس کی تفصیل ہے۔

تمضمض: تحریک الماء فی الفم.

استنثر: ناک سے پانی نکالنا اور نکالنا مستلزم ہے دخول کو، تمضمض اور استنثر دونوں ثلثا کی قید سے مقید ہیں۔ یعنی دونوں کو تین تین مرتبہ کیا۔

مسح برأسہ: کے بعد میں ثلثا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مسح

ایک دفع فرمایا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، برخلاف حضرت امام شافعیؒ کے کہ وہ تثلیث مسح کے قائل ہیں، اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ اور ائمہ ثلاثہ کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیلی بحث آگے آئیگی۔

لایحدث نفسہ فیھما بشئ: بغیر وساوس میں مشغول ہوئے ،دو رکعت پڑھے۔

قولہ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِیْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّی رَكْعَتَيْنِ: یعنی وضو کرنے میں فرائض وسنن کی پوری پوری رعایت کرے اور پھر دو رکعت پڑھے اس دوران اپنے دل میں کوئی دنیوی وسوسہ نہ لائے تو اس کے پچھلے صغیرہ گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔

تحیۃ الوضو کا استحباب

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وضو کے بعد دو رکعت پڑھنا مستحب ہے، اور اگر وہ فرض نماز پڑھے تب بھی اس کو وہ فضیلت حاصل ہوگی، جیسا کہ تحیۃ المسجد سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اس حدیث سے تحیۃ الوضو کو مستحب ہونا معلوم ہوگیا۔

قولہ لَايُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ: یعنی دنیوی وہم وخیال جو نماز یا آخرت سے متعلق نہ ہو اس کو اپنے دل میں نہ لائے اور اگر غیر اختیاری طور پر کوئی خیال ووسوسہ پیش آجائے اور وہ اس کو دفع کرے تو وہ اس سے معاف ہے، اور اس کو وہ فضیلت حاصل ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے وہ اوہام وخیالات جو دیرپا نہیں ہوتے معاف فرمادیئے ہیں، اب اس پر اشکال ہوتا ہے۔

اشکال مع جوابات

اشکال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "**اجھز جیشی وانا فی الصلوۃ**" لشکر کا تیار کرنا تو نماز سے متعلق چیز نہیں ہے؟

جواب(١): بشی من الدنیا: یعنی دنیوی امور سے متعلق کوئی خیال نہ آئے اب امور آخرت سے متعلق تفکر وخیال سے کوئی حرج لازم نہیں آتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لشکر تیار کرنا یہ امور آخرت کے قبیل سے ہے۔(مرقاۃ:۱/۳۲۶)

جواب(۲): شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہونے کی وجہ سے امیر الجہاد بھی تھے تو وہ بعض وجوہ سے اس مصلی کے درجہ میں تھے جو بحالت معائنہ دشمن صلوۃ الخوف پڑھ رہا ہو کہ جس پر بحسب الامکان دو واجب کی ادائیگی کا حکم ہوتا ہے، اول صلوۃ، دوم جہاد، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "**یایها الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون**" اور یہ ظاہر بات ہے کہ بحالت امن جس طرح طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے حالت جہاد میں وہ ہرگز نہیں ہوسکتی اب اگر جہاد کی بنا پر نماز میں کوئی نقص ہو تو وہ کمال ایمان اور کمال صلوۃ میں بٹہ لگانے والا نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ صلوۃ الخوف میں مقدار رکعت میں تخفیف کی گئی لیکن اس تخفیف وکمی سے کمال نماز میں کوئی نقص نہیں ہوگا اسی طرح تخفیف کیفی یعنی حضور قلبی کی کمی سے بھی کوئی حرج نہیں ہوگا۔

جواب(۳): لوگوں کے احوال متفاوت ہیں اگر اس کا ایمان قوی ہے تو وہ کسی ضروری امر میں تدبر کے باوجود بھی نماز کے اندر حاضر القلب رہ سکتا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو کہنا ہی کیا ہے ان کے متعلق تو یہ ہے "**وعمر قد ضرب الله الحق علی لسانه وقلبه وهو المحدث المکلم الملهم**" لہذا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو تدبیر جیش کے ساتھ ساتھ حضور قلبی بھی حاصل ہو اس پر ہر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔(**التعلیق الصبیح: ۱/۱۷۵**)

قوله غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ: اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ

مغفرت کا مرتب ہونا اس وضو پر ہے جس کے ساتھ نماز بھی ہو اور پہلی حدیث شریف میں مغفرت کا ترتب صرف وضو پر ہے ابن الملک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس حدیث شریف میں یہ بات ملحوظ ہے کہ نماز کو وضو پر ایک گنا فضیلت حاصل ہے، جیسا کہ ظاہر ہے چونکہ وہ شرط اور وسیلہ ہے نماز کے واسطے، اور یہ کہنا بھی ممکن ہوگا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مکفر ہے یعنی صرف وضو اعضاء وضو کے لئے کفارہ ہے اور نماز کے ساتھ تمام اعضاء کے گناہ کا کفارہ بنتا ہے، یا پھر وضو ظاہری گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور نماز کے ساتھ ظاہری و باطنی دونوں قسم کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔(مرقاۃ:۱/۳۲۵)

تنبیہ: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تین بار سے زیادہ دھونا مکروہ ہے اور زیادہ سے مراد یہ ہے کہ اگر عضو تین بار اس طرح دھویا گیا کہ ہر بار پورا عضو دھل چکا ہے تو اب اس سے زیادہ نہ دھویا جائے، اور اگر یہ صورت ہو کہ ایک چلو سے پہلے آدھا عضو دھویا اور پھر دوسرے چلو سے باقی آدھا عضو دھویا تو یہ دو بار نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ایک بار ہی دھونا سمجھا جائے گا۔(مرقاۃ:۱/۳۲۵)

ارشاد مسیح الامتؒ

حضرت جی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب قدس سرہ اوّلین صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے درس میں اس حدیث پر کسی طالب علم نے اشکال کیا کہ کیا دو رکعت اس طرح پڑھنا کہ ان میں کوئی دنیوی وسوسہ نہ آئے ممکن ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ پہلے کر کے دیکھا ہوتا پھر کہتے کہ کیا تھا ہوا نہیں۔ فقط

مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کوشش کرتا ہے تو وہ چیز اس کے لئے آسان ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد ہوتی ہے اور جب تک انسان کوشش نہیں کرتا اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھنے والے کے لئے جنت کا وعدہ

﴿۲۶۸﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۲۲، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۳۴۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان وضو کرے اور اچھا وضو کرے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ دل اور منہ سے متوجہ ہو، تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

تشریح: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نہیں ہے کوئی مسلمان بندہ جو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اسکے آداب وسنن کی خوب رعایت کرے پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اس طریقہ پر کہ ظاہری و باطنی یعنی دل لگا کر پوری توجہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے مگر اس کیلئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

مامن مسلم: میں ما مشابہ بلیس ہے اور من زائدہ ہے، جو استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔

قوله فيحسن وضوئه الخ: وضو عمدہ کرے، وضو کا عمدہ کرنا یہ ہے کہ وضو کے فرائض کے ساتھ سنن ومستحبات اور آداب کی پوری رعایت کرے، نیز مکروہات وضو سے اجتناب کرے۔

قوله مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ الخ: مطلب یہ ہے کہ ظاہرے

بھی متوجہ ہو اور باطن سے بھی متوجہ ہو۔

قولہ وجبت لہ الجنۃ الخ: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے لئے جنت کو واجب فرما دیتے ہیں۔

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب وضو کامل ہو گا تب ہی نماز بھی کامل ہو گی، اس لئے نماز کو کامل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وضو کو بھی کامل ومکمل کریں۔

وضو کے بعد پڑھی جانے والی دعاء

﴿۲۶۹﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ هٰكَذَا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَالْحُمَيْدِيُّ فِيْ اَفْرَادِ مُسْلِمٍ وَكَذَا ابْنُ الْاَثِيْرِ فِيْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَذَكَرَ الشَّيْخُ مُحْيِ الدِّيْنِ النَّوَوِيُّ فِيْ آخِرِ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ عَلٰى مَا رَوَيْنَاهُ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ، وَالْحَدِيْثُ الَّذِيْ رَوَاهُ مُحْيِ السُّنَّةِ فِي الصِّحَاحِ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ اِلٰى آخِرِهٖ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ جَامِعِهٖ بِعَيْنِهٖ اِلَّا كَلِمَةَ اَشْهَدُ قَبْلَ اَنَّ مُحَمَّدًا۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۲۲، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۳۴، جامع الاصول: ۱۰/۲۳۰، حدیث

نمبر:۱۰۰۷۔

حل لغات: یسبغ باب افعال سے،مصدر اسباغ، اسبغ الوضوء ہر عضو کو اچھی طرح دھلنا۔

ترجمہ: حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو شخص وضو کرے تو اسکو کامل کرے، یا آپ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرے، پھر کہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، ایسے شخص کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ (مسلم، جامع الاصول)

امام نوویؒ نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے، یہ ذکر کیا ہے کہ ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں، اے اللہ تو مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکی حاصل کرنے والوں میں شامل کر، اور وہ حدیث جس کو امام محی السنہ نے صحاح میں روایت کیا ہے، یعنی جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (آخر تک) اس کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہ اسی طرح نقل کیا ہے، مگر ''ان محمدا'' سے پہلے ''اشھد'' کا ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو وضو کو پورا کرے یا یہ فرمایا کہ وضو کو کامل کرے پھر یہ دعا پڑھے: ''**اشھد ان لاالہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ رسولہ**'' اور ایک روایت میں یہ ہے ''**اشھد ان لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ**

واشهد ان محمدا عبده ورسوله" مگراس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھولدئے جاتے ہیں جس سے چاہے داخل ہو جائے اور ترمذی کی روایت میں "**اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین**" کا بھی اضافہ ہے۔

مامنکم من احد: میں من زائدہ ہے جوکلام غیر موجب میں تاکید کا فائدہ دیتا ہے، **فیبلغ** فرمایا، **یافیسبغ، اشهد ان لااله الا الله وحده لاشریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله"** ایک تو **وحده لاشریک له** کی زیادتی ہے اوراس کی زیادتی سے پہلے 'اشھد' سے ذرا بعد ہو گیا ہے اس وجہ سے دوبار اشھد فرمایا۔

علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیحین کو جمع کیا ہے اور اپنی کتاب کا نام جامع الاصول رکھا ہے۔

شیخ محی الدین النووی شارح ہیں مسلم کے۔

سوال مع جواب

سوال: فتحت: بلفظ الماضی فرمایا گیا حالانکہ دروازے مستقبل میں کھلیں گے۔

جواب: جوامر مستقبل میں یقینی ہو اس کو ماضی سے تعبیر کردیتے ہیں، تاکہ اس کے یقینی ہونے پر یقین ہو جائے، کہ جس طرح امر گذشتہ پر یقین ہوتا ہے۔ یہ بھی اسی طرح یقینی ہے کسی قسم کا تردد اور شبہ نہیں۔

اعتراضات مع جوابات

اعتراض: آٹھ دروازوں کی کیا ضرورت ہے اس کو تو دخول کے لئے ایک ہی کافی ہے، یہ تو عبث معلوم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل عبث نہیں ہے۔

جواب (١): آٹھ دروازے داخلہ کے واسطے نہیں کھولے جائیں گے بلکہ اعزازاً کھولے

جائیں گے۔ جیسا کہ کوئی شخص کتنا ہی کم خور ہو مگر پھر بھی اس کے دستر خوان پر کھانے خوب اچھی مقدار میں لگائے جاتے ہیں حالانکہ وہ ان تمام کو نہیں کھاتا۔

اور اسی طرح بڑے حضرات کی آمد اور ان کی تشریف آوری پر بطور اعزاز کے کوٹھی کے تمام دروازے کھولے جاتے ہیں، حالانکہ وہ داخل تو ایک ہی دروازہ سے ہوگا، یہی معاملہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کے ساتھ ہوگا کہ ان کے اعزاز میں جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے۔ **اللهم اجعلنا منهم.**

جواب (۲): آٹھوں دروازے کھولے جائیں گے کہ جی چاہے جس سے داخل ہو جائے۔

اعتراض: اور ان آٹھوں دروازوں میں ایک دروازہ 'ریان' بھی ہے جس پر سبیل جاری ہوگی یعنی اس پر شربت پلایا جارہا ہوگا جو صائمین روزہ داروں کے واسطے مخصوص ہے، تو اگر یہ وضو کرنے اور بعد میں دعاء پڑھنے والے اس سے داخل ہونا چاہیں اور ہو جائیں تو پھر اس میں روزہ داروں کی خصوصیت باقی نہ رہی اور اگر داخل نہیں ہوتا اور منع کر دیا جاتا ہے تو اختیار کہاں باقی رہا؟

جواب: اس کے واسطے سب دروازے کھول دیے جائیں گے اور اسکے دل میں یہ خیال ہی نہ آئے گا کہ 'باب ریان' سے داخل ہوں چونکہ بنی آدم کے **قلوب بین اصبعی الرحمن** ہیں۔

اعتراض: وضو کے بعد **واجعلني من المتطهرين** کی دعا پڑھنا تحصیل حاصل ہے کیونکہ وہ پہلے ہی طاہر ہو چکا ہے اور یہ باطل ہے۔

جواب (۱): وضو سے طہارت ظاہری حاصل ہوتی ہے اور دعا سے باطنی طہارت مانگ رہا ہے۔

جواب (۲): وضو وغیرہ سے ہنگامی طور پر طہارت حاصل ہوتی ہے اور یہ دعا کر رہا ہے کہ

اللہ تعالیٰ مجھ کو دائمی طور پر طاہر بنادے۔

جواب(۳): یہ ہے کہ طہارت انفرادی طور پر حاصل ہوئی ہے، اور یہ دعاء ہے اجتماعی طور پر طہارت کی۔

قولہ ثم یقول اشھد ان لاالہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ: علامہ طیبی فرماتے ہیں وضو کے بعد شہادتین کا پڑھنا اشارہ ہوتا ہے کہ عمل کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کیا جائے اور جب اعضاء حدث ونجاست سے پاک ہو گئے تو دل کو بھی شرک وریا سے پاک کیا جائے۔امام نووی فرماتے ہیں وضو کے بعد شہادتین کا پڑھنا مستحب ہے، اور یہ مستحب ہونا متفق علیہ ہے اور مناسب ہے کہ شہادتین کے ساتھ **اللھم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطھرین** کو ملالیا جائے، نیز اس کے ساتھ اس دعا کو بھی ملالیا جائے جس کو امام نسائی نے کتاب **عمل الیوم و اللیلۃ** میں مرفوعاً روایت کیا ہے، **سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا اللہ الا انت استغفرک واتوب الیک**. امام نوویؒ فرماتے ہیں ان اذکار کا پڑھنا غسل کرنے والے کے لئے بھی مستحب ہے۔(مرقاۃ:۱/۳۲۶)

قولہ اللھم اجعلنی من التوابین: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح تو نے وضو کے ذریعہ جسم کی ظاہری حدث ونجاست سے طہارت عطا فرمائی، اسی طرح توبہ کی توفیق فرما کر گناہوں کی نجاست سے بھی طہارت نصیب فرما، اس کے بعد "**واجعلنی من المتطھرین**" الا کر اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ پاک جس طرح تو نے ظاہری طہارت نصیب فرمادی اسی طرح باطنی طہارت بھی نصیب فرمادے اور گناہوں سے بالکل پاک وصاف لوگوں میں سے بنادے، اور ظاہری وباطنی گندگیوں سے پاکی وصفائی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا کام ہے اس لئے اس کے بعد دعا فرمائی "**واجعلنی من عبادک**

الصالحین" کہ مجھ کو اپنے نیک بندوں میں سے بنادے، اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اولیاء اللہ ہیں، مطلب یہ ہوا کہ مجھ کو اولیاء اللہ میں سے بنادے، اور اولیاء اللہ کے بارے میں ارشاد ہے:"الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولاهم یحزنون اس لئے اس کے بعد دعامانگی گئی"واجعلنی من الذین لاخوف علیهم ولاهم یحزنون" کہ مجھ کو ان لوگوں میں سے بنادے جن پر نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے، یعنی قیامت میں اور یہ شان اولیاء اللہ کی ہوگی۔

مطلب یہ ہوا کہ مجھ کو اولیاء اللہ میں سے بنادے، اور یہ جب ہی ہوگا جب آدمی ظاہری باطنی گندگیوں سے پاکی کا اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

وضوء کی وجہ سے اعضاء کا روشن ہونا

﴿۲۷۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یُطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۲۵/۱، باب فضل الوضوء، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۱۳۶۔ مسلم شریف:۱۲۶/۱، باب استحباب اطالة الغرة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۴۶۔

حل لغات: غر (س) غراً وغرارةً، روشن چہرے یا روشن پیشانی والا ہونا، گھوڑے کا سفید پیشانی ہونا، محجلین حَجَّلَ، تَحْجِیْلاً گھوڑے کی پاؤں کی سفیدی۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز میری امت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضوء کے سبب ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی، اور اعضاء چمک رہے ہوں گے، لہذا تم میں سے جو شخص اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھانا چاہے وہ ایسا کر لے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کو قیامت میں آثار وضو کی وجہ سے **غرا محجلین** (روشن چہرے اور روشن ہاتھ پیر والے) پکارا جائیگا، پس تم میں جو شخص اپنے غرہ (روشنی) کو طویل کرنا چاہے طویل کر لے، یعنی اس درجہ وضو کو کامل ومکمل کرے اور وضو کامل ومکمل ہوتا ہے فرائض وواجبات کے ساتھ ساتھ سنن ومستحبات اور آداب کی رعایت کرنے سے۔

غرا: اغر کی جمع ہے، صاحب بیاض، سفید چہرے والا،

محجلین: جمع ہے **محجل** کی اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے چاروں پیر سفید ہوں اور پیشانی بھی سفید ہو، چونکہ سرخ یا سفید رنگ پر یہ سفید نشانات ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے اس کے زیورات پہن رکھے ہوں، یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔

قولہ إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ: یہاں امت سے مراد امت اجابت کے خواص یعنی عبادت گذار لوگ مراد ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میدان حشر میں ساری مخلوق کے سامنے ان کو پکارا جائے گا یا پھر جنت کی طرف بلایا جائے گا تو وہ اس صفت پر ہوں گے کہ ان کے چہرے اور ہاتھ پیر وضو کے اثر سے روشن اور چمکدار ہوں گے، یہ اس امت کی خاص پہچان اور نشانی ہوگی، جن سے یہ امت تمام مخلوق کے درمیان پہچانی جائے گی۔

پس تم میں جو شخص اس نور اور چمک کو جس قدر بڑھا سکتا ہے اس کو بڑھائے، یعنی فرائض وواجبات کے ساتھ ساتھ سنن ومستحبات اور آداب وضو کی پوری رعایت کیا کرے۔

(مرقاۃ:۱/۳۲۸)

اس حدیث میں دو باتیں قابل غور ہیں، پہلی بات یہ کہ جملہ "فمن استطاع الخ" مرفوع ہے، یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی مرفوع ہی ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ یہ جملہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے، اس لئے کہ یہ حدیث دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ان میں سے کسی کی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے کئی ہیں، نعیم مجمر کے علاوہ کوئی یہ جملہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل نہیں کرتا، پھر مسند امام احمد میں فلیح کی نعیم سے ایک روایت ہے جس کے آخر میں یہ لفظ ہیں "قال نعیم: لا ادری قوله من استطاع الخ من قول النبی صلی اللہ علیه وسلم او من قول ابوهریرة رضی اللہ عنه" (فتح الباری:۱/۲۳۶) ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ جملہ "موقوف علی ابی هریرہ رضی اللہ عنه" ہے۔

اطالة الغرة کا حکم

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اطالة الغرة کی ترغیب دی گئی ہے۔

اطالة الغرة کا حکم کیا ہے؟

اطالة الغرة سے مراد یہ ہے کہ وضو کرتے وقت اعضاء کو فرض مقدار سے زیادہ دھولیا جائے۔ اس میں اکثر حنفیہ اور شافعیہ کا میلان اطالة الغرة کے استحباب کی طرف ہے، اکثر مالکیہ کے نزدیک اطالة الغرة مستحب نہیں ہے۔

پھر جن کے نزدیک اطالة الغرة مستحب ہے ان کے نزدیک اس کی مقدار کیا ہے؟

اس میں شافعیہ کے تین قول ہیں۔

(۱)......فرض مقدار سے کچھ زیادہ دھولیا جائے بغیر کسی تحدید کے۔

(۲)...... ہاتھ نصف عضد تک اور پاؤں نصف ساق تک دھو لئے جائیں۔

(۳)...... پاؤں گھٹنوں تک اور ہاتھ بغلوں تک دھو لئے جائیں۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ احناف سے مقدار کے سلسلے میں کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ اس لئے شافعیہ کے مندرجہ بالا تین اقوال میں سے کسی پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ (اشرف التوضیح)

اعضاء کا چمکنا اس امت کی خصوصیت ہے

﴿۲۷۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۲۷، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۵۰۔

حل لغات: الحلية، زیور، سامان زینت، ج حلی.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا زیور اس جگہ تک پہنچے گا جہاں تک کہ وضوء کا پانی پہونچے گا۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا زیور وہاں تک پہونچے گا جہاں تک اس کا وضو پہونچتا ہے، مطلب یہ کہ مومن کو اعضائے وضو پر زیور پہنایا جائیگا۔

زیور وہاں تک پہونچے گا جہاں تک وضو پہونچے گا، زیور تو عورتوں کو مرغوب ہوتا ہے نہ کہ مردوں کو۔ جیسا مقام ہوتا ہے ویسی ہی رغبت ہوتی ہے، وہاں کا ماحول زیورات کے استعمال کا ہوگا، چنانچہ وہاں رغبت بھی سب کو ہوگی جس طرح یہاں عورتوں کو زیورات سے

دلچسپی ہوتی ہے اسی طرح وہاں مردوں کو بھی رغبت ہوگی وہاں کے زیورات بوجھل اور ثقیل نہیں ہوں گے، بلکہ لطیف اور ہلکے پھلکے ہوں گے۔

﴿الفصل الثانی﴾

وضوء کی پابندی مومن ہی کرتا ہے

﴿۲۷۲﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ وَلَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔ رواہ مالك واحمد وابن ماجۃ والدارمی۔

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۱، باب جامع الوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۳٦، مسند احمد: ۵/۲۸۰، ابن ماجۃ: ۲۴، باب المحافظۃ علی الوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۲۷۷، دارمی: ۱۷۴، مقدمہ، حدیث نمبر: ٦۵۵۔

حل لغات: لن تحصوا، احصی یحصی احصاءً گننا، مقدار جاننا، الکتاب، کتاب یاد کرنا، یحافظ حافظ علی الشيء محافظۃً و حفاظاً باب مفاعلۃ سے حفاظت کرنا، پابندی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سیدھے رہو اور اس کی تم ہرگز نہ طاقت پاسکو گے، جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہترین چیز نماز ہے، اور وضوء کی پابندی صرف مومن کرتا ہے۔

تشریح: اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا: استقیموا سیدھے رہو، عقائد بھی سیدھے معاشرت بھی سیدھی، چال چلن بھی سیدھا، اور اٹھنا بیٹھنا بھی سیدھا رکھو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جنت کے چالیس مردوں کی طاقت تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شیبتنی هود سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا بنا دیا مفسرین نے فرمایا کہ سورۂ ہود کی آیت فاستقم کما امرت مراد ہے، معلوم ہوا کہ استقامت بڑی مشکل چیز ہے۔

وَلَنْ تُحْصُوْا: تم ہرگز احصاء نہ کرسکو گے استقامت کا، یہ استقامت کے مشکل ہونے پر دلالت کرتا ہے البتہ حتی الوسع استقامت کی کوشش کرنی چاہئے۔

حدیث پاک سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱)......استقامت کی اہمیت۔

(۲)......افضل اعمال نماز ہے۔

(۳)......وضو کی محافظت کمال ایمان کی نشانی ہے، جس سے باوضو رہنے کی فضیلت معلوم ہوگئی۔

قوله اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا: قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں استقامت نام ہے حق کی پیروی اور انصاف پر قائم رہنے اور سیدھے راستے سے چمٹے رہنے کا اور نہایت اہم امر ہے جس کا احاطہ وہی کرسکتا ہے جس کا دل انوار قدسیہ سے روشن ہو اور انسانی تاریکیوں سے آزاد ہو اور تائید خداوندی اس کی شامل حال ہو، اور ایسے لوگ قلیل مقدار میں ہیں اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان "ولن تحصوا" سے دی یعنی تمہارے اندر اتنی طاقت وقوت ہی نہیں ہے کہ تم استقامت کا پورا حق ادا کرسکو اور اس کی انتہاء کو پہنچ سکو اس لئے تم استقامت سے غافل نہ ہو جاؤ۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں ولن تحصوا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ خبریہ معترضہ ہے جیسا کہ فرمانِ خداوندی: "فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار" میں شرط وجزا کے درمیان ولن تفعلوا جملہ معترضہ ہے گویا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استقامت کا حکم فرمانے کے بعد ولن تحصوا سے یہ بتادیا کہ استقامت نہایت دشوار کام ہے۔ لیکن جتنا کر سکتے ہو اتنا کرو اس سے غافل مت ہوجاؤ۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "واعلموا" کے ذریعہ سے متنبہ فرمادیا کہ جو تمہارے لئے آسان ہو دشوار نہ ہو اگر تم استقامت کو کما حقہ اختیار نہیں کرسکتے تو تمہارے اوپر واجب وضروری ہے کہ اس کے کسی پہلو کو لازم پکڑلو اور وہ پہلو نماز ہے جو ہر عبادت کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا تم اس کو لازم پکڑلو اور اس کی حدود کو قائم رکھو خصوصاً طہارت کو قائم رکھو جو کہ 'شطر الایمان' کا درجہ رکھتی ہے، اور اس کی حفاظت ایک متقی مومن ہی کرسکتا ہے مومن کے اندر تنوین تعظیم کی ہے اور مومن سے جنس مومن مراد ہے نیز نماز کا تذکرہ کرنا یہ باطن کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ نماز فواحش ومنکرات سے روکتی ہے اور وضو کا ذکر کرنے میں ظاہر کی پاکی کی طرف اشارہ ہے۔ (مرقاۃ: ۳۲۹/ ۱، التعلیق الصبیح: ۱۷۷/ ۱، الطیبی: ۱۸، ۱۹/ ۲)

وضو کرنے پر دس نیکیاں

﴿۲۷۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۹/ ۱، باب الوضوء لکل صلوٰۃ، کتاب

الطھارۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے وضو کے ہوتے ہوئے وضوء کیا، اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

تشریح: شرح السنہ میں ہے کہ جب پہلے وضو سے نماز پڑھ لی جائے تو پھر دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرنا مستحب ہے اور اگر پہلے وضو سے نماز نہ پڑھی ہو تو نیا وضو کرنا مستحب نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے، صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ طواف اور تلاوت نماز کے ہی حکم میں ہے یعنی اگر پہلے وضو سے طواف کرلیا یا تلاوت کرلی تو اب نماز کے لئے نیا وضو کرنا مستحب ہوگا۔ (مرقاۃ: ۱/۳۲۹)

﴿الفصل الثالث﴾

نماز جنت کی کنجی ہے

﴿۲۷۴﴾ **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ۔ (رواه احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۳/۳۴۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت کی کنجی نماز ہے، اور نماز کی کنجی وضو ہے۔

تشریح: مفتاح الجنۃ الصلوۃ ومفتاح الصلوۃ الطھور:

حد اوسط گرا کر نتیجہ نکالا مفتاح الجنة الطھور.

قولہ مفتاح الجنة الصلوۃ: یہاں درجات جنت کی مفتاح مراد ہے، مطلقاً دخول جنت کی مفتاح مراد نہیں ہے ورنہ تو ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جنت کی کنجی کلمۂ توحید ہے۔

قولہ مفتاح الصلوۃ الطھور: یعنی نماز کے جملہ شرائط میں سے سب بڑی شرط اور اس کی مفتاح اعظم طہارت ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں جس طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اسی طرح بغیر نماز کے دخول جنت حاصل نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ:۱/۳۲۹)

نماز میں تشابہ کا سبب

﴿۲۷۵﴾ وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ أَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ أُولٰئِكَ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۱۱۰، باب القراءۃ بالصبح بالروم، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۴۶۔

حل لغات: التبس، باب افتعال سے مصدر التباساً علیہ الامر کسی پر کوئی بات مشتبہ ہونا، مشکل ہونا، یُلَبِّسُ باب تفعیل سے، الامر علیہ کسی پر کوئی بات مشتبہ ہونا، گڈمڈ ہونا۔

ترجمہ: حضرت شبیب بن ابو روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ روم کی تلاوت فرمارہے تھے، کہ آپ کو تشابہ لگ گیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتے ہیں، ہم کو یہی لوگ قرآن میں تشابہ لگوادیتے ہیں۔

تشـــریـح: اسم صحابی کا ذکر نہ کرنا حدیث کی صحت کے منافی نہیں چونکہ تمام صحابہ **الصحابةؓ کلھم عدول** اور **اصحابی کالنجوم** ہیں۔

میرک شاہ نے لکھا ہے کہ یہ راوی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

فالتبس: تشابہ لگ گیا۔

وَ اِنَّمَا یُلَبِّسُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ اُوْلٰئِکَ: معلوم ہوا کہ پاکی میں کوتاہی کو تشابہ لگنے میں خاص دخل ہے، نیز مقتدیوں کا اثر امام پر اور شاگردوں کا اثر استاذ پر مریدوں کا اثر شیوخ پر ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

دمشق کے ایک استاذ کا واقعہ

حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے عالم اسلام کا سفر کیا، دمشق پہونچکر ایک استاذ کو دیکھا کہ منھ پر چلمن ڈال کر سبق پڑھاتے ہیں، اجازت طلب کی اور چلمن کا سبب پوچھا، فرمایا: یہ طالب علم بازاروں میں جاتے ہیں غافلوں کی ان پر نظر پڑ جاتی ہے، اور میری نظر ان پر پڑتی ہے تو میں اپنے اندر غفلت کو محسوس کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کا علم یا تو وحی کے ذریعہ ہوا یا فراست ایمانی کے ذریعہ۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بری صحبت سے بچنا ضروری ہے۔

حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بزرگوں کی خدمت میں حاضری کے وقت ظاہری و باطنی پاکی وصفائی کا پورا خیال کرنا چاہئے، چونکہ ان کے قلوب بہت زیادہ صاف اور

روشن ہوتے ہیں، معمولی معمولی چیزوں کا اثر بھی ان کو محسوس ہو جاتا ہے۔

قولہ مَابَالُ اَقْوَامٍ یُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا یُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ سنن وآداب واجبات کیلئے تکملہ وتتمہ کی حیثیت رکھتے ہیں اوران کا اچھا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے جیسا کہ انکے اندر کی کوتاہی کا وبال دوسروں تک متعدی ہوتا ہے، نیز اس حدیث شریف سے یہ عبرت بھی ملتی ہے کہ صحبت اپنا اثر دکھاتی ہے، چنانچہ غوروفکر کا مقام ہے کہ ایک ادنی امتی جس سے کسی سنت وادب میں کوتاہی ہوگئی تھی اسکی معیت وصحبت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ڈالا باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز میں مشغول تھے، پھر وہ لوگ کیونکر متاثر نہ ہونگے، جن کا رات دن اہل بدعت اوراہل ہوئی کے ساتھ رہنا سہنا اوراٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے۔(مرقاة: ۳۳۰/ ۱، التعلیق الصبیح: ۱۷۸/ ۱)

تسبیح، تحمید، تکبیر کا ثواب

﴿۲۷۶﴾ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِیْ سُلَیْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ یَدِیْ اَوْ فِیْ یَدِهٖ قَالَ التَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یَمْلَأُهٗ وَالتَّکْبِیْرُ یَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۹۱/ ۲، باب بدون عنوان، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۱۹۔

حل لغات: یملأه ملأ یملأ (باب فتح سے) بھرنا۔

ترجمہ: قبیلہ بنوسلیم کے ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان باتوں کو میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ کہنا آدھا ترازو بھر دیتا ہے، اور الحمد للہ کہنا پورے ترازو کو بھر دیتا ہے، اور اللہ اکبر کہنا آسمان اور زمین کے مابین جو کچھ ہے اسکو بھر دیتا ہے، روزہ آدھا صبر ہے، پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اور حسن کہا ہے۔

تشـــریح: ہر شیء کی میزان اسکی شایان شان ہوتی ہے، گنّوں کے واسطے میزان اور ہوتی ہے، سونے کے واسطے اور، اسی طرح اعمال کی میزان بھی اور ہے، سبحان اللہ کہنے سے آدھی ترازو بھر جاتی ہے، الحمد للہ کہنے سے پوری میزان بھر جاتی ہے اور اللہ اکبر کہنے سے پورے آسمان وزمین بھر جاتے ہیں، ظاہراً یہ کلمات بہت معمولی ہیں، مگر تاثیر کے اعتبار سے بہت بڑے ہیں۔ سنکھیا کی ذرا سی پڑیا ہوتی ہے مگر وہ کام کرتی ہے جو دوسری کسی شیء سے نہیں ہوتا، گالی دینے سے لاٹھیاں چل جاتی ہیں، اور گھر کے گھر تباہ ہو جاتے ہیں، تو یہ کلمات جو حق تعالیٰ شانہ کی عظمت پر دلالت کریں اتنی طاقت ہو کہ وہ آسمان وزمین کو بھر دیں تو تعجب کی کیا بات ہے۔

الصوم الامساک عن الاشیاء الثلثة: اختیاری امور کھانے پینے شہوت نفس وغیرہ میں بھی صبر ہوتا ہے اور غیر اختیاری امور مصائب پر بھی صبر ہوتا ہے، تو روزہ سے اختیاری امر پر صبر آ جاتا ہے، جو آدھا پلڑا بھر جاتا ہے، اور ایک مشق غیر اختیاری امور پر صبر ہے اس سے آدھا پلڑا بھر جاتا ہے۔

قوله عدهن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی یدی او فی یده: یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کی انگلیوں کو پکڑ کر ہتھیلی پر بند کیا اور آنے والی پانچوں چیزوں کو شمار کیا یا خود اپنے ہاتھ پر شمار کیا ہے، عدهن کی ضمیر مبہم ہے اور اس کا مفسر آنے والی پانچوں چیزیں ہیں، جیسے فسواهن سبع سموٰت کے اندر ضمیر مبہم ہے اور سبع سموٰت اس کے لئے مفسر ہے۔

قوله التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُهٗ: مطلب یہ ہے کہ الحمد للہ یا تو تنہا پوری ترازو کو بھر دیتا ہے، یا بقیہ دوسرے آدھے حصے کو بھر دیتا ہے، دونوں احتمال ہیں، پہلا قول زیادہ ظاہر ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں حمد کو تسبیح کے مقابلہ میں دوگنا قرار دیا گیا اس لئے کہ وہ ثبوتیہ اور سلبیہ تمام صفات کمال کو جامع ہے، اور تسبیح صرف صفات سلبیہ کو جامع ہے، اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے یعنی اس کا ثواب اس مقدار میں ہوگا کہ اگر اس کو مجسم کر دیا جائے تو اس پورے خلا کو پر کر دے گا۔

قوله الصوم نصف الصبر: یعنی روزے میں صبر طاعت پر ہوا اور باقی دوسرا نصف معصیت سے بچے رہنا یا پھر آفت ومصیبت پر صبر کرنا مراد ہے، یا پھر شرمگاہ پر صبر کرنا یہ آدھا صبر ہے، اور باقی نصف دوسرے تمام اعضاء پر صبر کرنا مراد ہے۔ (مرقاۃ: ۳۳۰/۱)

وضو سے گناہوں کا زوال

﴿۲۷۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ وَإِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ أَنْفِهِ فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ أُذُنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ إِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهٗ نَافِلَةً لَهٗ۔ (رواہ مالك والنسائي)

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۰، باب جامع الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۰، نسائی شریف: ۱۴، باب مسح الاذنین مع الراس ومایستدل به، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۰۳۔

حل لغات: اشفار شفیر کی جمع ہے، کنارہ، طرف، گوشہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مومن بندہ وضو کا ارادہ کرتا ہے، پھر وہ کلی کرتا ہے تو اس کے منہ سے گناہ باہر نکل جاتے ہیں، اور ناک صاف کرتا ہے تو اس کی ناک سے گناہ باہر نکل جاتے ہیں، اور جب اپنے چہرے کو دھوتا ہے تب اس کے چہرے سے گناہ جھڑتے ہیں، یہاں تک اس کی پلکوں کے نیچے سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھلتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے کے بھی گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے کانوں کے گناہ بھی زائل ہو جاتے ہیں، اور جب وہ اپنے پاؤں کو دھوتا ہے تو گناہ اس کے پیروں سے خارج ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے پیروں کے نیچے کے گناہ بھی زائل ہو جاتے ہیں، پھر مسجد کی طرف چلنا اور اس کا نماز پڑھنا یہ اس کے حق میں اضافہ ہے۔

تشریح: منہ کے گناہ بہت سے ہیں چغلی کرنا غیبت کرنا وغیرہ۔

اشفار: پلکیں

فاذا مسح برأسه الخ: یہ مضمون پہلی حدیث میں نہیں گذرا، معلوم ہوا کہ کان سر سے متعلق ہے، اور کانوں کے مسح کے لئے ماءِ جدید کی ضرورت نہیں یہی حنفیہ کا مسلک ہے، گناہ تو وضو سے صاف ہو گئے اس لئے اس کا مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا اس کے لئے

ذخیرہ بن جاتا ہے۔

قولہ و اذا استنثر : استنشاق کے بجائے یہاں استنثار لائے اس لئے کہ استنثار کہتے ہیں ناک کے آخیر سے پانی جھاڑنا اور نکالنا،تو جس طرح ناک کے اخیر حصہ سے پانی نکل گیا اسی طرح سے ناک کے اندر تک سے گناہ نکل گئے اس مناسبت کی وجہ سے یہاں استنثار کا لفظ لائے ہیں، یہ علامہ طیبیؒ کی رائے ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ تعبیر صحیح نہیں کیونکہ مضمضہ میں پانی کا نکالنا ضروری نہیں اگر مضمضہ میں پانی کو نگل لیا جائے تب بھی اس کو اصل سنت کا ثواب ملے گا، اور کفارہ بننے کا فائدہ دیگا اسی طرح استنشاق میں پانی اندر چلے جانے سے اس کو اصل سنت کا ثواب حاصل ہوگا اور وہ کفارہ بننے کی صلاحیت رکھے گا اور دوسری روایات میں مضمضہ وغیرہ لفظ آیا ہے۔ لہٰذا علامہ طیبیؒ کا یہ کہنا صحیح نہیں بلکہ استنثار کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ استنشاق کے مقابلہ میں زیادہ مطلوب ہے، اس لئے کہ استنثار کے اندر پانی ناک کے اندرونِ حصہ سے نکالا جاتا ہے اور یہ اس کی تمام گندگیوں کے نکالنے اور اس کی مزید نظافت وصفائی کو مستلزم ہے۔ (مرقاۃ:۱/۳۳۱)

قولہ فاذا مسح براسہ خرجت الخطایا من راسہ حتی تخرج من اذنیہ: اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل موجود ہے کہ کان سر کے تابع ہے، لہٰذا کانوں کا مسح سر سے بچی ہوئی تری سے کیا جائے گا نیا پانی لینا ضروری نہیں جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نیا پانی لینا ضروری ہے۔(مرقاۃ: ۱/۳۳۱، التعلیق الصبیح: ۱/۱۷۹)

غرہ وتحجیل اس امت کی خصوصیت

﴿۲۷۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَی الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُ اَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَ لَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلاً لَهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَیْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ قَالُوْا بَلٰی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَی الْحَوْضِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۲۶، باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۴۹۔

حل لغات: المقبرة قبرستان، قبر، ج مقابر، وددت وَدَّ يَوَدُّ وَدًّا باب سمع سے چاہنا، خواہش کرنا، دهم ج دُهْمٌ، دَهِمَ يَدْهَمُ دُهْمَةً سیاہ ہونا، الفرط آگے بڑھنے والا، فرط (ن) فروطاً جلدی کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے مومنین کی جماعت کے گھر! تم پر سلامتی ہو، (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر والوں کو سلام کیا) ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، اور میں اس بات کی خواہش رکھتا ہوں، کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میرے ساتھی ہو، اور میرے بھائی وہ ہیں جواب تک نہیں آئے ہیں، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی

امت میں سے جو لوگ ابھی نہیں آئے ان کو آپ کیسے پہچانیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ بتاؤ اگر ایک شخص سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے گھوڑے رکھتا ہو اور وہ گھوڑے نہایت سیاہ گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں تو کیا یہ شخص اپنے گھوڑوں کو نہ پہچان لیگا؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ اے اللہ کے رسول! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ لوگ (یعنی میری امت کے لوگ) وضو کے اثر سے چمک دار پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے اور میں حوض کوثر پر ان کو آگے ہی ملوں گا۔

تشریح: مَقْبُرہ: بفتح الباء وضمہا۔

دار قوم مؤمنین میں مضاف محذوف ہے اور حرف ندا بھی محذوف ہے، یا اھل دار قوم مؤمنین انا ان شاء اللہ بکم لاحقون میں ان شاء اللہ کالفظ یا تو تبرکاً ہے، یا مخصوص مقبرہ کی وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اسی مقبرہ میں آجائیں گے، ورنہ دوسرے مقبرہ میں جائیں گے۔

اصحاب اخوان بھی ہوتے ہیں، اگر چہ وصف صحبت اخوان سے بڑھا ہوا ہے، تو صحابی اور بڑے وصف کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے کہ تم تو بھائی ہونے کے ساتھ اصحاب بھی ہو، جیسے کوئی کہے کہ آپ مفتی صاحب حالانکہ وہ مولانا بھی ہے، مگر وصف مولانا کو چھوڑ دیا جاتا ہے بڑے وصف کے مقابلہ میں اور بڑے وصف کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔

دھم بھم: دھم ادھم کی جمع ہے یعنی سیاہ اور بھم ابھم کی جمع ہے بہت زیادہ سیاہ۔

وَ اَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ: اور میں حوض پر ان کا پیش رو ہونگا بطور مقدمۃ الجیش۔

قولہ اتی المقبرہ: یہاں مقبرہ سے قبرستان جنت البقیع مراد ہے اور السلام علیکم اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اہل قبر زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور

ان کے کلام وسلام کو سمجھتے ہیں اور دار قوم اخص فعل محذوف کی بنا پر منصوب ہے یا پھر حرف ندا محذوف کی بنا پر منصوب ہے، اس لئے کہ دار مضاف ہے دونوں صورتوں میں دار سے مراد جماعت اور اہل ہیں نیز پہلی صورت جب کہ فعل محذوف مانیں تو دار سے مراد منزل بھی ہو سکتی ہے۔

اشکال مع جوابات

قولہ و انا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون: یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد لحوق بالمیتین یقینی امر ہے، تو لفظ ان شاء اللہ کے ذریعہ سے استثناء کیسا، علماء کرام نے متعدد جواب دیئے ہیں۔

جواب نمبر: ۱۔ یہاں استثناء بطور تبرک کے ہے بطور شک کے نہیں ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کا قول ہے کہ ان شاء اللہ کہنا متکلم کی عادت ہے تا کہ کلام میں حسن پیدا ہو جائے۔

جواب نمبر: ۳۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ میں لحوق بالمیتین کا یقین نہیں تھا اس اعتبار سے ان شاء اللہ فرمادیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: "وما تدری نفس بای ارض تموت" [اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔] (بیان القرآن) (مرقاۃ: ۱/۳۳۲)

قولہ قال انتم اصحابی: یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اخوت کی نفی کرنا مراد نہیں بلکہ ان کے لئے اخوت سے بڑھ کر ایک خصوصی زائد مرتبہ کو ذکر کرنا ہے کہ تم اسلامی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ میرے صحابی اور رفیق خاص بھی ہو اور وہ لوگ جو تمہارے بعد آنے والے ہیں ان کو یہ درجہ حاصل نہیں وہ اسلامی بھائی چارہ کی بنا پر صرف میرے بھائی ہیں، صحابیت کا وصف ان کے اندر نہیں ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: "انما المؤمنون

اخوة" [کہ تمام ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔] (مرقاۃ:۱/۳۳۲)

اشکال مع جواب

قولہ و اخو اننا الذین لم یاتوا بعد: یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ اصحاب قبور کے ذکر کے ساتھ آئندہ آنے والے لوگوں کو دیکھنے کی چاہت کیسے ہوئی اس کا کیا جوڑ ہے؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سابقین کا تصور کیا تو لاحقین کا بھی تصور آ گیا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم ارواح کو کھول دیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ارواح کا مشاہدہ کیا جن میں سابقین کی بھی روحیں تھیں اور لاحقین کی بھی روحیں تھیں۔(مرقاۃ:۱/۳۳۲)

قولہ و انا فرطهم علی الحوض: فرط اصل میں اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو اپنی قوم سے پہلے کسی منزل پر پہنچ کر ان کیلئے پانی، ڈول، رسی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، حدیث شریف میں اس امت کی شرافت وعظمت کی طرف اشارہ ہے، نیز ان لوگوں کیلئے جن کیلئے آپ پیش رو بنیں گے، خوشخبری اور مبارکباد ہے، نیز اس سے بعد والوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بھی معلوم ہو گیا کہ انکو دیکھنے کی تمنا فرما رہے ہیں یہ کیا مرمٹنے کی چیز ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے کی تمنا فرمائیں لہٰذا بعد والوں کو اسکا کس طرح حق ادا کرنا چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات کی تمنا وشوق کس درجہ ہونا چاہئے۔(التعلیق الصبیح: ۱/۱۷۹)

اور اس کے لئے کس درجہ کوشش کرنا چاہئے۔

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

ایضاً

﴿۲۷۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُؤْذَنُ لَہٗ اَنْ یَرْفَعَ رَأْسَہٗ فَاَنْظُرُ اِلٰی مَابَیْنَ یَدَیَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِیْ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَعَنْ یَمِیْنِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ وَعَنْ شِمَالِیْ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ فِیْمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِکَ قَالَ ھُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَیْسَ اَحَدٌ کَذٰلِکَ غَیْرَھُمْ وَاَعْرِفُھُمْ اَنَّھُمْ یُؤْتَوْنَ کُتُبَھُمْ بِاَیْمَانِھِمْ وَاَعْرِفُھُمْ تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ذُرِّیَّتُھُمْ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۱۹۹.

حل لغات: اَذِنَ یَاْذَنُ اِذْناً باب سمع سے، اجازت دینا، تسعی یسعی، سعیاً (س) دوڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جس شخص کو سب سے پہلے سجدہ کی اجازت دی جائے گی وہ میں ہوں اور سب سے پہلے جس شخص کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی وہ بھی میں ہی ہوں، میں اپنے سامنے کی طرف دیکھوں گا، تو میں امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور اسی طرح میں اپنے پیچھے دیکھوں گا، اسی طرح میں اپنی دائیں جانب دیکھوں گا اور اسی طرح میں اپنی بائیں جانب دیکھوں گا، تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک اتنی امتوں کے درمیان آپ اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ وضو کے اثر سے چمک دار پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے اور یہ چیز ان کے علاوہ کسی میں نہیں ہوگی، اور اس

وجہ سے بھی میں انکو پہچان لوں گا کہ ان کے نامۂ اعمال انکے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، نیز انکو میں اس وجہ سے بھی پہچان لوں گا کہ انکی چھوٹی اولادیں انکے آگے دوڑ رہی ہوں گی۔

تشریح: وضو تو امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں۔ البتہ دیگر اثرات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

انهم يوتون كتبهم بايمانهم:

اشکال مع جواب

اشکال: یہاں اشکال ہوتا ہے کہ نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں دیا جانا نیکوکاروں اور غیر نیکوکاروں کے مابین فرق ہوگا اس میں امت محمدیہ کے ساتھ کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب: اول طور پر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے جائیں گے اور بعد میں دوسری امتوں کو، تو جب اول ملیں گے تو اس سے پہچان لئے جائیں گے یا کسی چیز کا دیا جانا بعض کے لئے عام طریقہ سے ہوتا ہے، بعض کو خاص طریقہ سے، پس نامہ اعمال امت محمدیہ کو خاص طریقہ سے دیئے جائیں گے اور اسی خاص طریقے سے پہچان لئے جائیں گے۔

اعطاء: کے اندر فرق ہوتا ہے شیخ کو پیسے اور طرح دیئے جاتے ہیں اور مزدور کو اور طرح۔

ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ ان کے بچے ان کے سامنے بھاگ رہے ہوں گے اور دوسری امتوں کے ایسے بچے نہ ہوں گے۔

قولہ انا اول الخ: اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ہی تمام مخلوق میں سب سے پہلے پیدا کیا گیا اس لئے قیامت میں بھی مخلوق کی شفاعت کے لئے بارگاہ رب العزت میں سب سے اول سجدہ کرنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہی ہوگی۔(مرقاۃ:۱/۳۳۳)

قولہ وعن یمینی الخ: اس میں نہ صرف امت محمدیہ کی کثرت کی جانب اشارہ ہے بلکہ ان کے درجات کے درمیان جو تفاوت اور فرق ہے اس کی جانب بھی اشارہ کرنا مقصود ہے۔

سوال مع جواب

قولہ کیف تعرف الخ: یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کا نام کیوں لیا؟ ان کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جواب: حضرت نوح علیہ السلام کی شہرت کی وجہ سے، جیسا کہ ان کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے یا ان کی امت کی کثرت کی وجہ سے، **لشهرته او لكثرة امته.** (مرقاۃ:۱/۳۳۳)

باب مایوجب الوضوء

رقم الحدیث:...... ۱۸۰/ تا ۳۰۷/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مایوجب الوضوء

اس میں اجمالی طور پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے موجب وضو ہونے میں جمہور صحابہ وتابعین وائمہ کرام کا اتفاق ہے، اور جن میں احادیث بھی مطابق ہیں، متعارض احادیث نہیں ہیں، جیسے پیشاب، پائخانہ، خروج مذی، اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق احادیث متعارض ہیں۔ بناء بریں ائمہ کرام کا بھی اختلاف ہے، جیسا کہ مس الذکر ومس المرأۃ ونجاست خارجہ من غیر السبیلین، اور بعض چیزیں ایسی ہیں جس میں لفظ حدیث کی وجہ سے کچھ شبہ واقع ہوگیا، لیکن صحابۂ کرام وتابعین کا اجماع ہوگیا اس کے عدم موجب وضو پر، جیسے وضو مامست النار۔

﴿الفصل الاول﴾

وضو کے بغیر نماز درست نہیں

﴿۲۸۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵، باب لاتقبل صلوة بغیر طهور، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۱۳۵،مسلم شریف: ۱/۱۱۹، باب الطهارة للصلوة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۲۵۔

حل لغات: تُقْبَلُ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع مجہول، قَبِلَ (س) الشیءَ قُبولاً قبول کرنا، یَتَوَضَّأ (تفعل سے) للعبادة وضو کرنا یعنی مخصوص اعضاء کو دھونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو حدث اصغر لاحق ہو (یعنی بے وضو ہو) تو جب تک وضو نہ کرلے، اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔

تشریح: من احدث: صاحب حدث ہوجائے یہ مجمل ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لاتقبل: قبول کے دو معنی ہیں: ایک تو ثواب وثمرات کا ترتب ہونا دوسرے اس کا صحیح ہونا یہاں **لاتقبل** قرائن داخلیہ اور خارجیہ کی وجہ سے لایصح کے معنی میں ہے۔ چونکہ نماز کے لئے وضو شرط ہے، جیسا کہ کتب احادیث، اجماع قیاس سے ثابت ہے۔ ؎

ہزار بار گر بشویم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں نام لینے کی اجازت دیدی۔

قوله حتى يتوضأ الخ: محدث کا یا تو حقیقۃ وضو کرنا مراد ہے یا حکماً یا پھر یتوضأ یتطهر کے معنی میں ہے تو اس صورت میں یتوضأ غسل وضو اور تیمم سب کو شامل ہوجائے گا۔

مسئلہ فاقد الطہورین

فاقد الطهورين اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایسے مقام پر ہو کہ وہاں نہ پانی ملتا ہے نہ مٹی۔ تو اس شخص کے حکم کے بارے میں بہت اقوال ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک لایصلی ولایقضی. امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے کہ یصلی ویقضی. امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لایصلی ویقضی. امام احمد کے نزدیک یصلی ویقضی. ہمارے صاحبین فرماتے ہیں یتشبه بالمصلین ثم یقضی. وعلیه الفتویٰ عند الاحناف. (مرقاۃ: ۱/۳۳۴)

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ ناظم مظاہر علوم سہارنپور نے اس کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ ؎

مالک بھی شافعی بھی ہیں احمد بھی اور ہم
لا لا، نعم نعم، ونعم لا، ولا نعم

اس شعر میں حرف اول کا تعلق ادا سے ہے، اور ثانی کا تعلق قضاء سے، اب لا لا کے معنی ہوئے لا اداء ولا قضاء اور نعم نعم کا مطلب ہوا علیه الاداء والقضاء.

حنفیه کی دلیل: اس مسئلہ میں حنفیہ کے قولِ مختار کے تین جزء ہیں۔

(۱)......اس وقت حقیقۃً نماز ادا نہ کرے۔

(۲)......اس وقت تشبہ بالمصلین کرے۔

(۳)......پانی یا مٹی ملنے کے بعد طہارت کر کے وجوباً قضاء کرے۔

دلیل جزء اول: اس حدیث میں حقیقۃً نماز پڑھنے کے لئے طہارت کو شرط قرار دیا گیا ہے، اور طہورین یعنی آب وتراب کے مفقود ہونے کی وجہ سے طہارت ممکن نہیں اس لئے اس حدیث کی روشنی میں اس وقت حقیقۃً نماز ادا کرنے کو ناجائز قرار دیا جائے گا۔

دلیل جزء ثانی: حنفیہ نے اس وقت **تشبہ بالمصلین** کا حکم لگایا ہے، یہ حکم دو اجماعی مسئلوں پر قیاس کر کے لگایا گیا ہے۔

پہلا اجماعی مسئلہ

حائضہ عورت نہار رمضان میں طاہر ہوگئی چونکہ ابتدائے نہار میں حائضہ تھی اس لئے اس دن کا روزہ حقیقۃ نہیں بن سکتا لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ بقیہ دن اس عورت کے لئے کھانے پینے سے امساک ضروری ہے، دوسرے روزہ داروں کی طرح۔ ظاہر ہے کہ اس کا کھانے پینے سے رکے رہنا حقیقۃً صوم نہیں ہے، اسے **تشبہ بالصائمین** ہی کہا جا سکتا ہے، اس صورت میں **تشبہ بالصائمین** کا حکم اجماع سے ثابت ہوا۔

اسی طرح جس حاجی محرم کے سر پر بال نہ ہوں وہ **تشبہ بالمحلقین** کرے، اسی طرح گونگا آدمی نماز میں قرأت نہیں کرسکتا وہ **تشبہ بالقارئین** کرتے ہوئے ہونٹ ہلاتا رہے۔

دوسرا اجماعی مسئلہ

اگر محرم وقوف عرفہ سے پہلے وطی کر بیٹھے تو اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے اس سال ادا نہیں ہو سکے گا آئندہ کسی سال قضاء کرنی پڑے گی۔ اس سال ادا نہ ہو سکنے کے باوجود سب فقہاء کا اجماع ہے کہ ایسا شخص حج کے تمام افعال دوسرے حاجیوں کی طرح کرتا رہے، ظاہر ہے کہ یہ ادائیگی افعالِ حج تو ہے نہیں، اسے **تشبہ بالحاجیین** ہی کہا جا سکتا ہے۔ **تشبہ بالحاجیین** کا مسئلہ اجماع سے ثابت ہو گیا۔

تقریر استدلال

ان دونوں اجماعی مسئلوں میں تشبہ کا حکم وقت صوم و وقت حج کا حق ادا کرنے کے لئے لگایا گیا ہے کہ اگر ان کے لئے حقیقی صوم و حقیقی حج ممکن نہیں تو ادائے حق وقت کے لئے کم از کم

روزہ داروں اور حاجیوں سے تشبہ ہی کر لے۔

وقت نماز کی اہمیت روزہ اور حج کے وقت سے بھی زیادہ ہے اس لئے ان دو اجماعی مسئلوں پر قیاس کر کے حنفیہ نے فرمایا: کہ "تقبل صلوٰۃ بغیر طھور" کی وجہ سے حقیقۃً نماز ادا کرنا ممکن نہیں، نماز کے وقت کا حق ادا کرنے کے لئے کم از کم نمازیوں سے تشبہ تو کر لے۔

فللّٰـــہ درھم

وما ادق نظرھم

دلیل جزء ثالث: نماز کا وقت آنے سے نماز ذمہ میں واجب ہوگئی ہے، وقت میں تو یہ حق واجب ادا نہ ہوسکا، اب ادائے حق کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو صاحب حق معافی کا اعلان کرے، یا اسے قضاء کیا جائے، بری الذمہ ہونے کی یہی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت واقع نہیں ہوئی صاحب حق نے کسی نص میں معافی کا اعلان نہیں کیا، لامحالہ دوسری صورت یعنی قضاء متعین ہوگئی۔ (اشرف التوضیح)

بغیر وضو کے نماز اور مال حرام سے صدقہ قبول نہیں

﴿۲۸۱﴾ **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۱۹، باب وجوب الطھارۃ للصلوۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۲۲۴۔

حل لغات: غُلول مصدر ہے غَلَّ (ن) غُلُوْلاً فُلَانٌ خیانت کرنا، چپکے سے کوئی چیز اپنے سامان میں ملا لینا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ وہ صدقہ قبول ہوتا ہے جو حرام مال سے کیا ہو۔

تشریح: لاتقبل صلوة: نکرہ پر لا داخل کر کے عموم کا فائدہ حاصل ہو گیا۔
جمہور کے نزدیک سجدۂ تلاوت بھی اسی عموم میں داخل ہے، اس وجہ سے بغیر طہارت کے وہ بھی نہیں ہوگا، چونکہ وہ بہت اہم ہے اس لئے اس کو نماز کہدیا جاتا ہے۔
اسی طرح طہور سے عام مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی طہارت کے بغیر حکمی حقیقی طہارت مکان وثیاب کی طہارت وغیرہ تمام طہارتیں ضروری ہیں۔

اقوال: امام شعبی اور محمد ابن جریر کے نزدیک نماز جنازہ بغیر طہارت کے جائز ہے، کیونکہ وہ اصل میں دعا ہے ایسے ہی سجدۂ تلاوت بھی امام شعبی و بخاریؒ کے نزدیک بغیر طہارت کے جائز ہے، جیسا کہ بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کی تخریج کی ہے۔
انه كان يسجد على غير وضوء لیکن ائمۂ اربعہ صحابہ و تابعین اور تمام امت کے نزدیک کوئی نماز فرض ہو یا نفل نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت بغیر طہارت کے جائز نہیں ہے۔ (فتح الملہم: ۱/۳۸۷)

و لا صدقة من غلول: یہ جملہ "طَرْداً لِلْبَابِ" ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بیک وقت ارشاد فرمایا تھا، اسی لئے اس کو یہاں ذکر کیا۔
غلول: مال غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر مال حرام کے لئے مستعار لیا گیا۔

مال حرام کا صدقہ صحیح نہیں ہوتا، زکوۃ صحیح نہیں ہوتی۔

اعتراض مع جواب

اعتــراض: فقہاء کے قول اور اس جملہ میں تضاد وتصادم معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر سود کا روپیہ جمع ہو اور جن سے وہ لیا ہو ان کو واپس کرنا ممکن نہ ہو تو اس کو صدقہ کر دیا جائے، مثلاً کسی کے یہاں چوری کر کے مال حاصل کیا اور وہ مالکین مر گئے تو اس صورت میں اس مال کا صاحب مال کو پہچاننا غیر ممکن ہو گیا اب اس کو چاہئے کہ اس مال کو صدقہ کر دے۔ اس قول اور حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اختیاراً حرام مال کا صدقہ نہ کرے، یہ جائز نہیں اور فقہاء نے خلاصی کی صورت بتلائی ہے کہ اس مال حرام کی وبا سے اس طرح بچا جا سکتا ہے کہ اگر چہ وہ صدقہ قبول نہ ہو گا اور نہ اس پر ثواب کی نیت کرے۔

معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں جملے غیر مربوط نہیں ہیں بلکہ دونوں میں گہرا اور کامل ربط ہے۔ قرآن شریف میں جہاں اقیموا الصلوۃ آیا ہے وہیں واتوا الزکوۃ بھی آیا ہے۔

اشکال مع جواب

قولہ ولا صدقۃ من غلول: غلول کے اصل معنی مال غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں، لیکن یہاں وہ مال مراد ہے جو بصورت حرام حاصل ہو اب یہاں اشکال ہوتا ہے کہ جب غلول سے معنی عام یعنی حرام مال مراد ہے تو پھر لفظ غلول کو کیوں خاص کیا جو کہ خیانت فی الغنیمۃ کے لئے بولا جاتا ہے۔؟

جـــواب: اس لئے کہ مال غنیمت میں تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے اور اس میں خود اس خائن کا بھی حق ہے لہذا جب وہ مال جس میں خود اس کا حق موجود ہے اس مال کا

صدقہ غیر مقبول ہے تو وہ مال جو صرف دوسروں کا حق ہے جس میں اس کا ذرہ برابر بھی حصہ نہیں اس کا صدقہ کرنا کیسے مقبول ہوگا۔

فائدہ: حدیث پاک سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔

(١)......نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔

(٢)......صدقہ قبول ہونے کے لئے اس کا حلال وپاکیزہ ہونا ضروری ہے۔فقط

خروج مذی ناقض وضو ہے

﴿٢٨٢﴾ **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: **بخاری شریف: ۴۱/۱، باب غسل المذی والوضوء منه، کتاب الغسل،** حدیث نمبر:۲۶۹،**مسلم شریف: ۱۴۳/۱، باب المذی، کتاب الحیض،** حدیث نمبر:۳۰۳۔

حل لغات: **مذاء** مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت مذی والا، **مذی الرجل (ض)** مَذْیاً، بوس وکنار یا ملاعبت کے باعث مرد کی مذی نکلنا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں بہت مذی نکلنے والا آدمی تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں، جس کی وجہ سے اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے مجھ کو شرم محسوس ہوتی تھی، چنانچہ میں نے مقداد کو مامور کیا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت

کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کہ وہ شخص اپنے ذکر کو دھوئے، اور وضو کرے۔

تشریح: قولہ کنت رجلا مذّاء: ذال کی تشدید اور مد کے ساتھ مذّاءً وہ شخص ہے جس کی مذی بکثرت خارج ہوتی ہو۔ (فتح الملہم: ۱/۴۶۲)

قولہ لمکان ابنتہ: چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اور نور نظر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور مذی کا خروج اکثر بیوی سے دل لگی اور بوس و کنار ہونے سے یا شہوت کی نظر سے دیکھنے سے ہوتا ہے تو اسلئے اس کی کثرت کے بارے میں سوال کرنا یہ گویا ایک طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی حالت کو پیش کرنا ہے جس کے اظہار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شرم و حیا مانع ہوئی اس لئے کہ عقلمند اور سنجیدہ قسم کے حضرات ایسی باتیں بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً اکابر کی موجودگی میں نیز لمکان ابنتہ کے ذریعہ اس کی علت بھی بیان کردی تاکہ یہ بات لازم نہ آئے کہ سوال کرنے اور سیکھنے سکھانے کے اندر حیا کرنا مذموم ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۳۵)

قولہ یغسل ذکرہ و یتوضأ: یعنی ذکر کے ناپاک ہوجانے کی وجہ سے اس کو دھو ڈالے اور وضو کرلے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مذی کا دھونا متعین ہوجاتا ہے، ڈھیلے پر اکتفاء کرنا جائز نہیں رہتا چونکہ مذی کا نکلنا نادر ہے یہ ظاہر حدیث ہے۔ اس میں مذی کے ناپاک ہونے پر بھی دلیل ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۳۵، التعلیق الصبیح: ۱/۱۸۱)

احکام مذی

مذی میں فصیح لغت یہ ہے کہ میم کے فتحہ اور ذال کے سکون کے ساتھ اور یاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ "اَلْمَذْیُ" بروزن "اَلْفَعْلُ" اس کو "غَنِیٌّ" کے وزن پر پڑھنا بھی جائز ہے۔ یعنی بفتح المیم وبکسر الذال وتشدید الیاء.

مـــذی: مذی اس سفید رقیق پانی کو کہتے ہیں جو زوجہ کے ساتھ ملاعبت کے وقت یا تذکرہ جماع کے وقت نکلے۔

منی اور مذی میں آسان پہچان یہ ہے کہ خروج منی کے بعد شہوت ختم ہو جاتی ہے، اور انکسار آلہ ہو جاتا ہے۔ بخلاف مذی کے کہ اس کے نکلنے سے شہوت اور تیز ہوتی ہے۔

ودی: اور ودی اس سفید پانی کو کہتے ہیں جو بول کے بعد ذکر سے نکلے، یا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے نکلے۔

مذی کے بعض احکام پر فقہاء کا اتفاق ہے، اور بعض میں اختلاف ہے۔

مذی کے اتفاقی احکام

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا، وضو واجب ہوتا ہے، اور اس بات پر بھی تقریباً اتفاق ہے کہ مذی نجس ہے، بخلاف منی کے اس کی نجاست اور طہارت میں اختلاف ائمہ ہے۔

مذی کے اختلافی احکام

مذی کے اختلافی مسائل میں سے اہم مسئلے تین ہیں۔

المسئلة الاولیٰ: مذی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ اس میں اقتصار علی الاحجار جائز ہے یا نہیں؟ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ مذی میں ڈھیلے کے استعمال پر اقتصار جائز نہیں، غسل متعین ہے، وہ اس کی دلیل یہ بیان فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے "**یغسل ذکرہ**" اس میں صرف غسل ذکر کا حکم ہے، معلوم ہوا کہ یہی متعین ہے۔ حنفیہ کا مذہب اور شافعیہ کے مذہب میں معروف یہ ہے کہ جیسے بول میں اکتفاء علی الحجر جائز ہے اسی طرح سے مذی میں بھی جائز ہے۔ لیکن افضل اور اولیٰ غسل

ہے۔"یغسل ذکرہ" فرمانا اس لئے نہیں کہ اکتفاء علی الحجر جائز نہیں بلکہ "یغسل ذکـــــرہ" یا تو اس لئے فرمایا کہ افضل طریق یہ ہے۔ بیان اولویت مقصود ہے، دوسرے طریق کے جواز کی نفی نہیں ہے۔ یا غسل ذکر کو اس لئے ذکر فرمایا کہ غالب اور معتاد طریق مذی کے بارے میں غسل ہے۔ اس لئے صرف اسی کو ذکر کیا، لیکن استعمال حجر کی نفی بھی نہیں، نیز غسل کی تخصیص اس لئے کی کہ دھونے سے معالجہ ہو جاتا ہے، مذی کے روکنے میں مدد ملتی ہے۔ (معارف السنن: ۱/۳۸۰)

المسئلة الثانية: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مذی نکلے تو اس کا دھونا واجب ہے، اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا صرف اتنی جگہ کا دھونا ضروری ہے جہاں نجاست لگی ہوئی ہے؟ یا پورے ذکر کا دھونا ضروری ہے؟ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ صرف موضع النجاسة کا دھونا واجب ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ پورے ذکر کا غسل ضروری ہے۔ امام احمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ پورے ذکر مع انثیین کو دھونا ضروری ہے۔ (معارف السنن: ۱/۳۷۹، اوجز المسالک: ۱/۲۶۵)

جن حضرات کے نزدیک پورے ذکر کا دھونا ضروری ہے وہ "اغسل ذکرک" کے لفظوں سے استدلال کرتے ہیں، جن کے نزدیک ذکـــر مـــع انثیـــن دھونا ضروری ہے، انکی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں انثیین کے دھونے کا امر وارد ہوا ہے۔ (کما ورد فی حدیث عبداللہ بن سعد الانصاریؓ عند ابی داؤد، سنن ابی داؤد: ۱/۲۸)

لیکن مختار مذہب جمہور کا ہی ہے، اس لئے کہ یہ دھونا نجاست کی وجہ سے ہے، اور نجاست کی وجہ سے صرف اتنی جگہ کا دھونا ضروری ہونا چاہئے جہاں نجاست لگی ہوئی

ہے۔رہا یہ کہ حدیث میں 'اغسل ذکرک' کے لفظ ہیں یا بعض روایات میں انثیین کا بھی ذکر ہے تو جمہور کی طرف سے اس کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں۔

جواب: (۱)......ذکر بول کر صرف محل نجاست مراد ہے، سارا ذکر مراد نہیں۔

(۲)......اگر مان لیا جائے کہ پورا ذکر ہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ امر وجوبی نہیں استحبابی ہے، اس لئے کہ کبھی نجاست پھیل جاتی ہے اور پتہ نہیں چلتا اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ پورا ذکر دھولیا جائے، لیکن احتیاط کی بنیاد پر جو امر ہوتا ہے وہ استحبابی ہوتا ہے وجوبی نہیں۔

(۳)...... پورے ذکر یا ذکر مع انثیین دھونے کا امر معالجہ کے لئے ہے، کیونکہ دھونے سے مذی بند ہو جاتی ہے۔

المسئلة الثالثة: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور جمہور کے نزدیک مذی ناپاک ہے، اور اگر کپڑے کو لگ جائے تو غسل ضروری ہے، چھینٹے مارنا کافی نہیں۔ امام احمدؒ سے اس مسئلہ میں کئی روایتیں ہیں، ایک یہ کہ مذی ناپاک نہیں ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ مذی ناپاک ہے، لیکن اگر کپڑے کو لگ جائے تو نضح کافی ہے۔ (حاشیة الکوکب الدری:۱/۶۸)

اس کا استدلال اس حدیث سے ہے جو 'باب فی المذی یصیب الثوب' میں امام ترمذی نے پیش کی ہے۔ اس میں چھینٹے مارنے کو کافی سمجھا گیا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ ذکر دھونے کا حکم صریح حدیثوں میں آیا ہے، اور دھونا ظاہر ہے کہ نجاست ہی کی وجہ سے ہے، اور نجاست کی وجہ سے جو دھونے کا حکم ہو اس میں بدن اور کپڑے کا فرق نہیں، اس لئے اسی حدیث کے مطابق اس کپڑے کو بھی دھونا ضروری ہوگا، جس کو مذی لگ جائے چھینٹے مارنے سے ازالۂ نجاست نہیں ہوتا۔ اس لئے حدیث میں

جونضح کالفظ آیا ہے جمہور کے نزدیک یہ غسل خفیف کے معنی میں ہے۔

روایات میں تعارض کا شبہ اور وجوہ تطبیق

اس روایت میں ہے: "فامرت المقداد" اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار کو مسئلہ پوچھنے کا امر کیا، اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

بظاہر یہ روایتیں متعارض ہیں، علماء نے تطبیق میں کئی وجوہ ذکر فرمائی ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقداد کو امر کیا، انہوں نے دیر کی پھر عمار کو کہا ان سے بھی تاخیر ہوئی پھر باجود حیا کے شدت احتیاج کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے براہ راست خود پوچھ لیا، اور دوسری مجالس میں ان دونوں حضرات نے بھی پوچھ لیا ہوگا۔

یا تطبیق میں یوں کہا جائے کہ پہلے ایک کو امر کیا پھر ان کی تاخیر کی وجہ سے دوسرے کو امر کیا، ان دونوں نے ایک مجلس میں یا مختلف مجالس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھ کر ان کو بتایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خودنہیں پوچھا، جن روایتوں میں سوال کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہے، وہ نسبۃ مجازی ہے، ان دونوں کا سوال کرنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امر سے تھا اس لئے آمر ہونے کی وجہ سے ان کی طرف نسبت کردی گئی، گوحقیقۃً سائل وہی دونوں ہیں، یاسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی کئے جائیں۔سألت بواسطۃ یعنی بالواسطہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یکے بعد دیگرے دونوں کو امر کیا ہو، ان دونوں نے کسی ایسی مجلس میں سوال کیا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوں، سب نے وہ جواب سن لیا، یہ دوحضرات توحقیقۃً سائل ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت آمر ہونے کی وجہ سے کردی گئی۔(اشرف التوضیح)

آگ سے پکی ہوئی چیز کا حکم

﴿۲۸۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔ (رواه مسلم) قَالَ الشَّیْخُ الْإِمَامُ الْاَجَلُّ مُحْیِی السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ (متفق علیه)

حواله: (حدیث ابوهریرة) مسلم شریف: ۱۵۷/ ۱، باب الوضوء مما مست النار، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۵۲۔ (حدیث ابن عباس) بخاری شریف: ۳۴/ ۱، باب من لم یتوضأ من لحم الشاة، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۰۷، مسلم شریف: ۱۵۷/ ۱، باب نسخ الوضوء مما مست النار، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۵۴۔

حل لغات: مسّت مَسَّ (ن) مَسًّا ہاتھ لگانا، چھونا، کتف کندھا، ج اکتاف.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرو۔'' (مسلم) حضرت شیخ الامام الاجل محی السنۃؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے منسوخ ہے۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا: پھر نماز پڑھی، اور وضو نہیں کیا۔'' (بخاری، ومسلم)

تشریح: توضؤ مما مست النار: سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جو آگ کے ذریعہ پکتی ہیں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ

کے بھی خلاف ہے اس وجہ سے ان کے مؤکل الامام محی السنہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے منسوخ ہوگئی ہے جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا بازو کھایا اور پھر بغیر وضو کئے ہوئے نماز پڑھی، حالانکہ وہ بازو یعنی گوشت پکا ہوا تھا معلوم ہوا کہ ما مست النار سے وضو نہیں ٹوٹتا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس حدیث سے ابو ہریرہ والی یہ حدیث منسوخ ہوگئی۔

مامست النار کے ناقض وضو نہ ہونے پر اجماع

ابتداً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا تھا کہ 'اکل مامست النار' موجب وضو ہے یا نہیں، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے موجب وضو قرار دیتے تھے، اور بعض موجب وضو قرار نہیں دیتے تھے۔ لیکن بعد میں اس بات پر اجماع ہوگیا کہ 'اکل مامست النار' موجب وضو نہیں۔ ائمہ اربعہ اور تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے، صرف لحوم ابل کے بارے میں اختلاف موجود ہے۔ بعض روایتوں میں 'مامست النار' سے وضو کا امر ہے، ایسی روایتوں کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں، چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)...... صاحب مصابیحؒ اور بہت سے حضرات اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں 'اکل مامست النار' سے وضو واجب تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، نسخ کی دلیل صریح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار" (سنن نسائی: ۱/۴۰) اور متأخر متقدم کے لئے ناسخ ہوتا ہے۔

(۲)...... بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ توضؤا مما مست النار' میں وضو شرعی مراد نہیں، وضو لغوی مراد ہے۔ لغت میں وضو کا اطلاق غسل یدین اور غسل فم پر بھی آتا ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر ہاتھ دھولیا کرو اور کلی کرلیا

کرو، بعض حدیثوں میں بھی صرف ہاتھ دھونے پر وضو کا اطلاق آیا ہے، مثلاً ترمذی شریف کی حدیث ہے: ''برکة الطعام الوضوء قبله وبعده'' (جامع الترمذی: ٦/٢، باب الوضوء قبل الطعام وبعده) کھانے کی برکت اس میں ہے کہ پہلے بھی ہاتھ دھوئے جائیں اور بعد میں بھی۔

(۳)...... اس حدیث میں وضو سے مراد وضو شرعی ہے، لیکن امر وجوب کے لئے نہیں، استحباب کے لئے ہے، یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضوء شرعی کر لینا مستحب ہے، اور یہ استحباب اب تزکیہ نفس اور تشبہ بالملائکہ کے لئے ہے، منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں، نسخ کی ضرورت تب ہے جب کہ امر کو یہاں وجوب کے لئے مانا جائے، اور وضو سے وضوء شرعی مراد لیا جائے۔ (اشرف التوضیح)

ابن قیم رحمه الله کا ارشاد: حافظ ابن قیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ممامست النار کے کھانے کے بعد وضو کا حکم اس لئے نہیں ہے کہ وہ ناقض وضو ہے بلکہ وضو کا حکم اس لئے دیا کہ وہ کھانا اس آگ سے پکایا گیا اور اس کھانے کا اس آگ سے اتصال ہوا جو شیطان کا مادہ ہے اور آگ پانی کے ذریعہ بجھ جاتی ہے اس لئے وضو کا حکم دیا گیا جیسا کہ غضب جو قوتِ ناریہ و شیطانیہ میں سے ہے اور غضب کے وقت وضو کا حکم ہے جیسا کہ فرمانِ رسالت ہے: ''ان الغضب من الشيطٰن فاذا غضب احدكم فليتوضأ'' [کہ غصہ شیطانی کام ہے پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کر لے] امام شعرانی فرماتے ہیں کہ آگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصہ کا مظہر ہے جس کے ذریعہ نافرمانوں اور کفار کو عذاب دیا جاتا ہے لہذا اس مظہر غضب الٰہی یعنی آگ سے متصل شدہ چیز کو کھا کر پاک ہوئے بغیر دربار خداوندی میں حاضر نہیں ہونا چاہئے اس لئے وضو کرنے کا حکم ہے، نہ اس

لئے کہ وہ کھانا ناقضِ وضو ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی ؒ کا ارشاد: شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ ما مست النار سے جہنم کی آگ یاد آ جاتی ہے چنانچہ اسی لئے بغیر ضرورت کے داغ لگانے سے منع کیا گیا ہے اس لئے ما مست النار کے بعد وضو کا حکم ہوا تا کہ آگ کے ساتھ قلب مشغول نہ ہونے پائے۔ امام مہلب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں زمانہ جاہلیت میں لوگ قلت نظافت کے عادی تھے، اس لئے اس کے ازالہ کے واسطے وضو کا حکم دیا، نقضِ وضو کی وجہ سے یہ حکم نہیں ہے۔ (فتح الملہم: ۱/۴۸۸،۸۷)

اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

﴿۲۸۴﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ قَالَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ اُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اُصَلِّيْ فِيْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لَا۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۵۸، باب الوضوء من لحوم الابل، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۶۰۔

حل لغات: لُحُوْمٌ جمع ہے، واحد لَحْمٌ گوشت، غَنَمٌ بکری، ج اغنام، الابل اونٹ اور اونٹنیاں، یہ لفظ مؤنث ہے، اور جمع کے لئے ہے، واحد کے لئے نہیں ہے، ج

آبال، مرابض، واحد مربض، بکری کا باڑہ، مبارک مبرک کی جمع ہے، اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ بکری کا گوشت کھانے سے ہم وضو کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمہارا جی چاہے کرلو، اور اگر جی نہ کرنے کا چاہے تو نہ کرو'' اس شخص نے سوال کیا کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کیا کرو۔ اس شخص نے پوچھا کیا میں بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں پڑھ سکتے ہو۔ اس نے کہا میں اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔

تشریح: اہل ظواہر کا مسلک اس باب میں یہی ہے کہ **مامست النار** سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی تھا۔

ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ **مامست النار** سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور **مامست النار** والی حدیث یا تو منسوخ ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یا مؤول ہے کہ اس میں امر وجوب کے واسطے نہیں استحباب کے واسطے ہے۔ کہ ایسی چیزیں کھا کر جو آگ سے پکی ہوں وضو مستحب ہے۔

یا یہاں وضو کے لغوی معنی مراد ہیں، کہ وضو کا ہاتھ منہ دھونے کلی کرنے پر اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہاتھ منہ دھونے اور کلی کرنے کے واسطے وضو کا لفظ استعمال کیا ہے۔

تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ **مامست النار** سے ہاتھ منہ دھولیا کرو کلی کرلیا کرو۔

اوراس حدیث کامنسوخ ہونا بھی نص سے ثابت ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے آخر میں ماامست النار سے وضو کرنا چھوڑ دیا تھا، اوراول قول وفعل آخری قول وفعل سے منسوخ ہوجاتا ہے اس لئے یہ حدیث ما مست النار والی منسوخ ہے۔ اوراول زمانہ میں مامست النار سے جووضوضروری تھااوراب مستحب ہے اسکی حکمتیں بتلائی جاتی ہیں۔

(الف)...... جوکھانا آگ سے پکتا ہے اس کے کھانے سے انسان میں غفلت پیدا ہوجاتی ہے اس غفلت کودور کرنے کے واسطے وضو کا حکم تھا تا کہ وہ غفلت دور ہوجائے۔

(ب)...... کھانا جس وقت پکایا جاتا ہے تو اس میں آگ کا اثر بھی آجاتا ہے اورآگ کا مرکز جہنم ہے اور یہ آگ وہیں سے آئی ہے اور جہنم جگہ ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی تو جب آگ کھائی گئی تو کچھ نہ کچھ وہ ناراضگی بھی ساتھ آئی تو اس ناراضگی کو دور کرنے کے واسطے وضو کا حکم دیا کہ حدت حرارت ختم ہوجائے۔

(ت)...... مصلحت یہ ہے کہ جوچیز آگ سے پکتی ہے اکثر اس میں بہت دیر لگ جاتی ہے اور بڑا وقت اس میں ضائع ہوجاتا ہے اوراس وقت انسان غافل ہوجاتا ہے اس غفلت کو دور کرنے کے واسطے بطور استحباب وضو کا حکم دیدیا۔

اب رہا بکری اوراونٹ کا فرق تو اہل ظواہر کے نزدیک تو ہر کسی جانور کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے مگر ائمہ اربعہ کے نزدیک بکری کے گوشت سے وضونہیں ٹوٹتا، البتہ اونٹ کے گوشت سے وضوٹوٹ جانے میں امام احمدؒ امام اسحٰق ابن راہویہ اس کے قائل ہیں۔

مبارک ابل اورمرابض غنم میں نماز کاحکم

اہل ظواہر کہتے ہیں کہ مبارک ابل میں نماز پڑھنا مطلقاً منع ہے۔ گرچہ پاک بھی ہو۔ مگر جمہور کہتے ہیں کہ نہیں اگر مبارک پاک صاف ہوں تو اس میں نماز پڑھنا جائز

ہے۔اور اگر مرابض غنم پاک نہ ہوں تو وہاں بھی نماز جائز نہیں اور مبارک ابل سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اونٹ لات لوت مار سکتا ہے، یا سر پکڑ سکتا ہے اونٹ اگر بدک جائے تو نمازی نماز توڑنے پر مجبور ہو جائے گا، اور کم از کم دل جمعی ختم ہو جائے گی، نمازی کا سکون خشوع وخضوع تو ختم ہو ہی جائے گا۔

برخلاف مرابض غنم کے کہ وہاں سکون واطمینان ہوتا ہے اس لئے کہ بکری کمزور ونحیف جانور ہے اس سے کوئی اندیشہ اور خدشہ نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ مبارک ابل کی ناپاکی کا ظن غالب ہے اس وجہ سے کہ اونٹ بہت بلندی سے پیشاب کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی چھینٹیں بہت دور تک جا کر زمین کو ناپاک کر دیتی ہیں، گمان غالب ہے کہ جس حصہ کو ہم پاک سمجھ رہے ہیں وہ بھی ناپاک ہی ہوگا، اس وجہ سے ممانعت فرما دی۔

لحم ابل سے وضو کے حکم کی وجہ

اور لحم ابل سے وضو کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ اس جانور میں قساوۃ ہوتی ہے اس لئے کھانے کے واسطے سے اس کا اثر انسان کے اندر آ جاتا ہے اس کو دور کرنے کے واسطے وضو کا حکم دیا۔

صحبت ابل سے بھی انسان میں قساوۃ وصلابت کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اونٹ کے پیچھے رہنے والے گنوار اور شور کرنے والے ہو جاتے ہیں، اور بکری کے چرواہے سکون واطمینان کے حامل اور تواضع وانکساری کے خوگر ہو جاتے ہیں۔

اس وجہ سے بھی حکم دیا کہ لحم ابل سے وضو ضروری ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ اس سے وضو واجب ہو جاتا مگر اس کو مستحب ہی رکھا۔

چونکہ اونٹ کے گوشت میں مکروہ ناپسندیدہ بو آتی ہے برخلاف لحوم غنم کے۔ اور اس کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے۔ (بذل المجہود: ۱/۱۱۲)

حافظ ابن القیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر اونٹ پر ایک شیطان ہوتا ہے اور وہ شیطان جنات کی مخلوق سے ہے اور اس میں قوتِ شیطانیہ ہوتی ہے پس جو لحوم ابل سے غذا کھائے گا اور اس کے اندر قوتِ شیطانیہ ہے تو وہ قوت شیطانیہ اس غذا حاصل کرنے والے کے اندر بھی آئے گی اور چونکہ شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے۔ اس لئے وضو کرنے کا حکم فرمایا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ توریت کے اندر اس کی حرمت تھی اور بنی اسرئیل کے جمہور انبیاء اس حرمت پر متفق تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے لئے مباح فرمایا تو اس کے کھانے کے بعد دو وجہ سے وضو مشروع ہوا۔ اول یہ کہ وضو کرنا اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ادا کرنے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کو مباح وحلال قرار دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وضو کا حکم بطور علاج کے ہے۔ ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور دیگر احکام کی طرح یہاں بھی تدریجی طور پر حکم دیا گیا۔

اول **مامست النار** سے وضو کا حکم ہوا پھر یہ حکم صرف لحوم ابل میں باقی رہ گیا پھر یہ حکم بھی منسوخ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری معمول **مامست النار** سے ترکِ وضو ہوگیا۔ (فتح الملہم: ۱/۴۹۰)

محض شک کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے

﴿۲۸۵﴾ **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهِ شَيْئاً فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتاً أَوْ يَجِدَ رِيْحاً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۱۵۸/۱، باب الدلیل علی ان من تیقن الخ، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۶۲۔

حل لغات: بَطْنٌ ج بُطُوْنٌ پیٹ، اندرونی چیز، اشکل مشکل ودشوار ہونا، باب افعال سے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ پائے، اور اس پر یہ بات مشتبہ ہو جائے کہ کوئی چیز اس سے خارج ہوئی ہے، یا نہیں؟ تو وہ اس وقت تک مسجد سے باہر نہ آئے، جب تک کہ آواز کو نہ سنے یا بو نہ پائے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو جائے تب تک مسجد سے وضو کے لئے باہر نہ نکلے اس لئے کہ اس کے وضو کا ہونا یقینی ہے اور وضو ٹوٹنے میں شک ہو گیا تو یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہوتی۔ "**الیقین لا یزول الا بیقین مثلہ**"

اور آواز سننے اور بدبو پانے کو اس لئے خاص کیا کہ ان دونوں سے وضو ٹوٹنے کا یقین ہو جاتا ہے، اصل مقصود وضو ٹوٹنے کا یقین ہونا ہے۔

جب یہ اشتباہ ہو جائے کہ ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں؟ تو صرف اس شبہ سے وضو نہ کرے "**حتی یسمع صوتا او ریحا**" یہاں تک کہ وہ اس کی آواز سنے یا بو محسوس کرے۔

یہاں یہ دو چیزیں بیان کیں کیونکہ اکثر ان ہی دو سے ہوا کا خروج متحقق ہوتا ہے۔ اگر ان کے علاوہ کسی دوسری چیز سے متحقق ہو جائے مثلاً طبیعت گواہی دیدے کہ ہوا خارج ہو گئی تو

بھی یہی حکم ہے، پہلوئے احتیاط تو یہی تھا کہ وضو کرلیں شبہ سے، مگر پھر یقینیات کی کچھ حقیقت باقی نہ رہتی، ذرا شبہ ہوا اور یقین ختم ہو تو اس صورت میں انسان سوفسطائی ہو جاتا۔

تو یہ گرچہ پہلوئے احتیاط کے خلاف ہے مگر اس سے یقینیات کی دنیا سنور گئی، اور اسی سے قاعدہ تیار ہو گیا کہ "الیقین لا یزول بالشک" چنانچہ صرف شک وشبہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اور یہ نص قرآن سے ثابت ہے "ان الظن لایغنی من الحق شیئاً" [حق کے مقابلہ میں ظن کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا] اور حق تو جانب راجح کو کہتے ہیں۔ اور شک میں دونوں جانب برابر ہوتے ہیں تو شک بدرجہ اولیٰ یقین کے مقابلہ میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیگا۔

دودھ پینے کے بعد کلی کرنا مسنون ہے

﴿۲۸۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَناً فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسَماً۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۵، باب هل یمضمض من اللبن، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۱۱، مسلم شریف: ۱/۱۵۷، باب نسخ الوضوء، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۵۸۔

حل لغات: مضمض الماء فی فمه، منہ میں پانی ڈال کر پھرانا، کلی کرنا، دَسَماً چربی، چکناہٹ، دَسِمَ (س) دَسَماً چکنا ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا، پھر کلی فرمائی، اور ارشاد فرمایا دراصل دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

تشریح: شرب لبنا فمضمض: معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے دودھ نوش فرمایا ہے پس دودھ کا پینا سنت ہوا، اور دودھ کے بعد میں کلی کرنا بھی سنت ہوا۔ دودھ سے بدن فربہ ہوتا ہے اور اگر سنت کی نیت سے کلی کی جائے گی تو اس سے روح فربہ ہوتی ہے۔ اسی لئے تو مولوی صاحبان زیادہ فربہ ہوتے ہیں، چونکہ یہ حضرات اتباع سنت کا اہتمام کرتے ہیں، اتباع سنت سے بھی روح فربہ ہوتی ہے۔

وقال ان له دسما: اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک اس میں کچھ چکناہٹ ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمانے کی علت بھی بیان فرمادی کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے اگر کلی نہ کی جائے تو منہ میں بو پیدا ہوجائیگی جو نظافت کے خلاف ہے۔

فائدہ: حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر استاد یا شیخ اپنے طلباء یا اپنے مریدین وطالبین کے سامنے ان کی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے کسی کام کی علت اور حکمت بیان کردے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ بہتر ہے۔

ایک وضو سے چند نمازیں پڑھنا

﴿۲۸۷﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلٰوتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: **مسلم شریف: ۱/۱۳۵، باب الصلوۃ کلھا بوضوء واحد، کتاب الطھارۃ**، حدیث نمبر: ۲۷۷۔

حل لغات: **صَنَعْتَ صَنَعَ (ف) صُنْعًا وَصَنَاعَةً**، پیدا کرنا، بنانا، کرنا۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں ادا فرمائیں، اور موزوں پر مسح فرمایا، اس پر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج وہ بات کی ہے، جس کو آپ نے اس سے پہلے نہیں کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! میں نے بالقصد ایسا کیا ہے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یا تو اس بارے میں سوال کیا کہ آپ نے وضوءِ واحد سے چند نمازیں پڑھی ہیں اس سے پہلے آپ نے کبھی وضوءِ واحد سے چند نمازیں نہیں پڑھی تھیں، یا اس وجہ سے کہ آپ پر ہر نماز کے واسطے وضو فرض تھا اور اب یہ حکم ساقط ہو گیا۔ اور ہر نماز کیلئے وضو کے بجائے مسواک کرنے کا حکم ہو گیا تھا۔ یا یہ کہ آپ بغیر فرض ہی ہر نماز کے واسطے استحباباً وضو فرمایا کرتے تھے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: فتح الملہم: ۱/۴۳۹۔)

مگر اب جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مختلف امور کی ذمہ داریاں عائد ہو گئیں تھیں، وفود کا آنا، ان کا روانہ کرنا، ہدایات اور دوسرے احکام نافذ کرنا اور دیگر انتظامات سنبھالنے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ترک فرمادیا اور چند نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔

یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے مسح خف کے بارے میں سوال کیا کہ اب سے پہلے ہم نے کبھی آپ کو موزہ پر مسح کرتے نہیں دیکھا، یا دونوں چیزوں کے مجموعے کے بارے میں سوال کیا اور مقصد یہ تھا کہ آیا آپ قانوناً اور عمداً ایسا فرمارہے ہیں یا نسیاناً؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عمدا صنعته" کہ میں دانستہ وقانوناً ہی ایسا کر رہا ہوں، بھولا نہیں ہوں، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری نہیں اور ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اپنے بڑوں کی کوئی بات خلاف معلوم ہو تو اسکی وجہ دریافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بڑوں کو بھی ناراض نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بڑوں کو بھی چاہئے کہ اس کی وجہ بیان فرمادیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ چھوٹے ادب واحترام کے ساتھ سوال کریں۔

کیا ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا واجب ہے؟

اس حدیث سے دو چیزوں کی اجازت معلوم ہوئی۔

(۱)......ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا۔

(۲)......مسح علی الخفین کرنا۔

دوسرے مسئلہ کی وضاحت آئندہ مستقل باب میں آئے گی، پہلے مسئلہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے، جب تک وضو نہ ٹوٹے نیا وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ البتہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا جمہور کے نزدیک بھی مستحب ہے۔ (معارف السنن: ۱/۲۱۳)

داؤد ظاہری کا مذہب: داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا اور مستقل وضو ضروری ہے۔ (اوجز المسالک: ۱/۴۵)

حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جن سے ایک ہی وضو سے کئی نمازوں کا جواز معلوم ہوتا ہے، جیسے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث اس کو صاحب مشکوۃ نے بحوالہ مسلم نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہر نماز کے لئے الگ وضو کے واجب نہ ہونے پر دلالت کرنے والی موجود ہیں، جن کو حافظ عینی نے کافی بسط سے بیان فرمادیا ہے۔ اس کے علاوہ صحابہ اور تابعین کا تعامل یہی رہا ہے کہ وہ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے۔

داؤد ظاہری کی دلیل: داؤد ظاہری قرآن کریم کی اس آیت کے ظاہر اور عموم

سے استدلال کرتے ہیں۔"یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ" اس آیت میں ہر قیام الی الصلوٰۃ کے لئے وضوء کا امر ہے، اور امر میں اصل وجوب ہی ہے۔

جواب: لیکن چونکہ بہت سی احادیث اور تعامل امت سے عدم وجوب معلوم ہوتا ہے اس لئے جمہور اس آیت میں تاویل کرنے پر مجبور ہیں، جمہور کی طرف سے اس آیت کی تاویلات اور جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱)......اس آیت میں خطاب عام نہیں بلکہ یہ خطاب صرف محدثین کو ہے:"ای اذا قمتم الی الصلوٰۃ و انتم محدثون" آیت صرف بے وضو کے لئے نیا وضو واجب کرتی ہے، غیر محدثین کے لئے نہیں۔ اور اس تقیید و تخصیص کا قرینہ خود قرآن کریم کی اسی آیت میں موجود ہے، اسی آیت کے آخر میں ہے:"مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم" اس سے معلوم ہوا کہ وضوء کے امر کا مقصد تطہیر ہے، اور تطہیر کے معنیٰ ہیں 'ازالۃ الحدث'. ظاہر ہے ازالۃ الحدث کی انہی لوگوں کو ضرورت ہے جو پہلے محدث ہوں طاہر نہ ہوں، معلوم ہوا یہ خطاب صرف محدثین یعنی بے وضو لوگوں کو ہے۔(عمدۃ القاری:۲/۲۳۰)

(۲)......بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کلام وغیرہ ہر کام کے لئے وضو ضروری ہے۔ ان کی اصلاح کے لئے فرمایا گیا کہ:صرف ارادۂ صلوٰۃ کی صورت میں وضوء ضروری ہے۔

(یدل علیہ مارواہ الطحاوی فی معانی الآثار عن ابن الفغواؓ انھم کانوا اذا احدثوا لم یتکلموا حتی یتوضأ فنزلت ھذہ الآیۃ. وعزاہ الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی الی ابن جریر و الطبرانی و الدار قطنی ایضاً. (امانی الاحبار: ۱/۲۳۴)

(۳)......بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ 'قمتم' میں قیام سے مراد 'قیام من النوم'

ہے۔یعنی جب نیند سے اٹھو اور نماز کا ارادہ ہوتو وضوء کرلیا کرو، اور نیند سے اٹھنے کی صورت میں سب کے نزدیک وضوواجب ہے۔(**کما رواہ مالک عن زید بن اسلم. مؤطا مع اوجز المسالک:۱/۴۵**)

(۴)......بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ قیام سے مراد تو مطلق قیام الی الصلوۃ ہی ہے، لیکن یہ امر وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے، **صرف عن الوجوب** کا قرینہ احادیث مذکورہ اور تعامل امت ہے۔(اشرف التوضیح)

ستو کھانا ناقض وضو نہیں

﴿۲۸۸﴾ **وَعَنْ** سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَى بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۴، باب من مضمض من السویق ولم یتوضأ، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۲۰۹۔

حل لغات: **الصهباء** ایک جگہ کا نام ہے، **ازواد**، **زاد** کی جمع ہے، توشہ، زادراہ، **السویق**، ستو، ج **اسوقة**.

ترجمہ: حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بھی خیبر کے سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، چنانچہ جب سب لوگ مقام صہباء پہنچے، جو کہ خیبر کے نشیب میں واقع ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر توشہ

طلب فرمایا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو گھولا گیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ہم سب نے وہی ستو کھایا، پھر جب مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم سب نے کلی کی اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ما مست النار سے وضو ضروری نہیں ہوتا کیونکہ ستو بھی آگ میں بھونا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ستو کھا کر صرف کلی کر کے نماز ادا کی وضو نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ ما مست النار سے وضو نہیں ٹوٹتا، ما مست النار والی حدیث منسوخ ہے، یا وضو لغوی پر محمول ہے، یا استحباب پر جیسا کہ پہلے گذرا۔

فائدہ: نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر نماز کیلئے تجدید وضو ضروری نہیں، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے، جس کی تفصیل اس سے پہلی حدیث کے ذیل میں گذر چکی۔

فائدہ (۲): نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف حضرات اپنا اپنا کھانا ایک جگہ جمع کر کے کھائیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ سنت ہے، اور اس میں ضرورتمندوں کا بھی فائدہ ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

شک کی وجہ سے وضو

﴿۲۸۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِیْحٍ۔ (رواہ احمد والترمذی)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۱۰، ۴۳۵/۲، ترمذی شریف: ۲۳/۱، باب الوضوء من الریح، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو کرنا یا تو آواز کی وجہ سے ہوتا ہے یا بو کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (یعنی یا تو آواز آجائے، یا بدبو محسوس ہو)

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی گذری ہوئی حدیث کے مطابق ہے اور مطلب یہی ہے کہ جب تک خروج ریح کا یقین نہ ہو جائے تو اس وقت تک محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا یہ خروج ریح کے بارے میں ہے ورنہ تو دوسری نواقض وضو اشیاء سے ٹوٹ جائے گا۔

صوت اور ریح یہاں دو چیزوں کو ذکر کرنا اس لئے ہے کہ ان دونوں سے وضو ٹوٹنے کا یقین ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ وضو ٹوٹنے کا یقین ہو جائے اگر ان دونوں چیزوں کے بغیر وضو ٹوٹنے کا یقین ہو گیا تو بھی وضو ضروری ہوگا، جب تک یقین نہ ہو وضو سمجھا جائے گا اور نماز درست ہوگی، چونکہ وضو ہونے کا یقین ہے اور ٹوٹنے کا شک ہوا اور قاعدہ ہے کہ "الیقین لایزول بالشک" اور "الیقین لایزول الا بیقین مثلہ" جیسا کہ اس سے قبل تفصیل گذر چکی۔

مذی سے وضو اور منی سے غسل کا وجوب

﴿۲۹۰﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِيِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۳۱، باب المنی والمذی، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۱۱۴۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مذی نکلنے سے وضو واجب ہے اور منی نکلنے سے غسل لازم ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور گذری ہوئی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نہیں بلکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ذریعہ معلوم کرایا، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے معلوم کرایا، ان تینوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت پہلے گذر چکی کہ ان دونوں حضرات سے فرداً فرداً بھی سوال کیلئے فرمایا پھر خود بھی اس وقت مجلس میں تشریف لے گئے ہوں، اور اولاً ایک نے سوال کیا پھر دوسرے نے کہ حضرت مجھ کو بھی یہ سوال کرنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمادیا اور وکیل کے فعل کو مؤکل کی طرف نسبت کرنا بھی صحیح ہوتا ہے، لہٰذا یہ کہنا بھی درست کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے سوال کیلئے کہا اور یہ کہنا بھی درست کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے سوال کیلئے کہا اور یہ بھی درست ہے کہ خود سوال کیا، تینوں روایتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ التعلیق الصبیح:۱/۱۸۳، فتح الملہم:۱/۴۶۱)

فائدہ: سوال تو صرف مذی کے متعلق تھا، منی کا حکم بتانا جواب علی اسلوب الحکیم کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ دونوں میں تشابہ کی وجہ سے اتحاد فی الحکم کا شبہ ہوسکتا تھا، اس لئے منی کا حکم بھی ساتھ ساتھ بیان فرمادیا۔ فقط

پاکی نماز کی کنجی ہے

﴿۲۹۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ (رواه ابوداؤد والترمذي والدارمي) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۹/ ۱، باب فرض الوضوء، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۱، ترمذی شريف: ۶/ ۱، باب مفتاح الصلوة الطهور، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳، دارمی: ۱۸۶/ ۱، باب مفتاح الصلوة الطهور، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۸۷۔

حل لغات: تحریم تفعیل کا مصدر ہے، حرام و نا جائز بنانا، ممنوع قرار دینا، تحلیل یہ بھی تفعیل کا مصدر ہے، جائز قرار دینا، حلال کرنا۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کی کنجی وضوء ہے، اور نماز کی تحریم تکبیر ہے، اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔

تشــریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نماز کی کنجی پاکی ہے، اور اس کا تحریمہ تکبیر اور اس کی تحلیل (یعنی نماز سے نکلنا) تسلیم ہے۔ یعنی سلام کے ذریعہ سے۔

مفتاح الصلوة الطهور: میں استعارہ ہے، طہور مشبہ ہے، اور مفتاح مشبہ بہ عبارت یہ ہوگی "الطهور كمفتاح الصلوة" کہ طہور نماز کے واسطے مثل کنجی کے ہے، نماز کو تشبیہ دی ہے ایک قلعہ اور ایک محل سے جو مقفل ہو اور پھر اس کے واسطے مفتاح کو ثابت کیا تو یہ استعارہ بالکنایہ ہے، وجہ شبہ ظاہر ہے کہ جس طرح قلعہ اور محل کے ذریعہ حفاظت ہوتی ہے

دشمنوں سے اسی طرح نماز کے ذریعہ حفاظت ہوتی ہے برائیوں سے جب کہ نماز کو اس کے قوانین وآداب اور خشوع خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔

تحریمھا التکبیر: اس میں تین بحثیں ہیں۔

پہلی بحث: کیا دخول فی الصلوٰۃ کے لئے صرف نیت کافی ہے؟

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ دخول فی الصلوٰۃ کے لئے صرف نیت کرلینا ہی کافی ہے، یا کوئی لفظ بولنا بھی ضروری ہے۔

ابن شہاب زہری کا مذہب: ابن شہاب زہری کا مذہب یہ ہے کہ دخول فی الصلوٰۃ کیلئے محض نیت ہی کافی ہے، کسی تلفظ کی ضرورت نہیں، تکبیر کہنا سنت ہے۔

(اوجز المسالک: ۱/۲۰۰، وفیہ وقیل سنة قال ابن المنذر: لم يقل به غير ابن شهاب ونقله ابن عبدالبر عن الاوزاعی وغيره ايضا كما قاله الزرقانی قال الحافظ وروى عن مالک ولم يثبت)

ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صرف نیت دخول فی الصلوٰۃ کے لئے کافی نہیں بلکہ تحریمہ کا کہنا بھی ضروری ہے۔ (ایضاً)

جمہور کی دلیل: جمہور کی دلیل یہی حدیث ہے، تحریمھا التکبیر میں مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب مسندین معرفہ ہوں تو کلام میں حصر پیدا ہو جاتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ حرمۃ الصلوٰۃ میں داخل کرنے والی چیز صرف تکبیر ہی ہے۔

دوسری بحث: تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے یارکن؟

جمہور اس بات پر تو متفق ہیں کہ نیت کے ساتھ دخول فی الصلوٰۃ کے لئے تکبیر کا تلفظ ضروری ہے، اس بات میں اختلاف ہوا کہ یہ تکبیر تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے یارکن؟

تکبیر جزءِ خارج ہے یا داخل؟ صلوۃ کے ساتھ اس کا تعلق شرط کا ہے یا مشروط کا؟

امام شافعی وائمہ ثلاثہ: اس بارے میں امام شافعی اور دوسرے ائمہ نے کہدیا کہ یہ جزءِ اول شرطِ صلوۃ ہے، اور علت ان کے نزدیک حرف باہمی رابطہ ہے کہ دونوں میں یعنی تکبیر اور صلوۃ میں اتصال حد درجہ ہے، درمیان میں کچھ بھی فصل نہیں ہوتا۔

امام اعظم کا قول: امام اعظم فرماتے ہیں: کہ نہیں یہ تو جزءِ خارج ہے، شطرِ صلوۃ نہیں شرطِ صلوۃ ہے، امام صاحب کی دلیل "وذکر اسم ربه فصلی" ہے کہ اس آیت میں ذکر اسم ربه اور صلی کے درمیان میں فا ہے جو تراخی اور تعقیب پر دلالت کرتا ہے اور مغایرت کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں نہ کہ ایک۔

اور خود کلمہ و تحریمها التکبیر میں بھی دلیل موجود ہے کہ تحریم مصدر اسم فاعل محرم کے معنی میں ہے اور پوری عبارت اس طرح ہے۔ "محرم مافی غیرها التکبیر" خارجِ صلوۃ میں جو چیزیں حلال ہوتی ہیں ان کو حرام کردینے والی شی تکبیر ہے تو تکبیر محمول ہے اور محرم موضوع ہے اور حمل کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دو متغایر فی المفہوم چیزوں کو وجود حسی کے اعتبار سے ایک کردیا جاتا ہے، جیسے زید عالم۔ زید اور عالم دونوں کا مفہوم متغایر ہے مگر وجود حسی کے اعتبار سے دونوں کو ایک کردیا کہ جو زید ہے وہی عالم ہے اور جو عالم ہے وہی زید ہے، اس طرح تکبیر کا حمل تحریم پر ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ مفہوم کے اعتبار سے متغایر ہیں۔ پس تکبیر تحریمہ شرطِ صلوۃ ہے، شطرِ صلوٰۃ اور رکن صلوۃ نہیں۔

تکبیر تحریمہ کے شرط صلوۃ یا رکن صلوۃ کا فرق

تکبیر کے جزءِ خارج یا جزءِ داخل ہونے کا فرق اس وقت ظاہر ہوگا جب تکبیر شروع

کی، درانحالیکہ اسکے دامن پر نجاست لگی ہوئی تھی، اس صورت میں جس وقت اس نے اکبر کی راء کو ادا کیا تو اس سے پہلے ہی قینچی وغیرہ سے اس کپڑے کو کاٹ لیا تو امام اعظم کے نزدیک اسکی نماز درست ہے، کیونکہ وہ راء کے فوراً بعد نماز میں داخل ہوا ہے، اس سے پہلے نہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت مذکور میں نماز درست نہیں ہوئی، کیونکہ تکبیر ان کے نزدیک فرض ورکن ہے، اس لئے گویا ایک فرض کی ادائیگی نجاست کی حالت میں ہوئی جس سے نماز نہیں ہوتی۔

تیسری بحث: افتتاح صلوٰۃ کے لئے لفظ اللہ اکبر کا حکم

اس میں یہ ہے کہ افتتاح صلوۃ کے لئے لفظ اللہ اکبر کہنا ہی ضروری ہے یا کوئی دوسرا لفظ بھی کفایت کر سکتا ہے۔

اس بارے میں امام مالکؒ کے نزدیک تو اللہ اکبر کہنا ہی ضروری ہے وجہ یہ ہے کہ **تحریمها التکبیر** کے الفاظ حدیث میں آئے ہیں اور تکبیر اللہ اکبر کہنے ہی کو کہا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کا قول: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ **اللہ اکبر** اور **اللہ الاکبر** تو صحیح ہیں، اس کے علاوہ صحیح نہیں، **اللہ اکبر** تو اس لئے کہ وہ منقول ہے اور **اللہ الاکبر** اس لئے صحیح ہے کہ یہ مقام ثنا میں واقع ہے اور مقام ثنا کے اعتبار سے زیادہ ابلغ ہے کیونکہ مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہوں اس وقت خبر کو معرف باللام بولنا یا لانا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

امام ابویوسفؒ کا قول: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ **اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر** چاروں لفظوں کے ذریعہ افتتاح صلوۃ صحیح ہے کیونکہ اکبر اسم تفضیل ہے۔ اور کبیر صفت ہے اور اسم تفضیل اور صفت دونوں میں مبالغہ ہوتا ہے اور

دونوں صفات اللہ میں برابر ہیں۔

امام اعظمؒ کا قول: امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ تکبیر کے معنی تعظیم کے آتے ہیں تمام تفاسیر اٹھا کر دیکھو سب میں تکبیر ای تعظیم لکھا ہوا ہے تو ہر اس تعظیم سے افتتاح صلوۃ جائز ہے جو عظمت خداوندی پر دلالت کرے اس میں کوئی دنیوی غرض یا اور کوئی دعاء نہ ہو جیسے اللھم اغفرلی وغیرہ کہ اس سے افتتاح صلوۃ جائز نہیں ہے۔ مثلاً اللہ رحمن، الرحمن اجل، الرحیم اعظم، الرحیم الکبیر وغیرہ۔

دلائل امام اعظم ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے: "وذکر اسم ربه فصلیٰ" الآية. تو یہاں اسم رب کا ذکر ہے خصوص لفظ تکبیر کا ذکر نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے جس سے بھی تحریمہ باندھ لیا جائے ادا ہو جائے گا، دوسری دلیل "وربک فکبر" یہاں جمیع مفسرین کہتے ہیں کہ "کبر" سے مراد لفظ اللہ اکبر نہیں بلکہ اس سے مراد "عظم" ہے۔ جیسے دوسری آیت میں ہے: قولہ تعالیٰ "ولما رأينه اكبرنه" الآية. یہاں کبرن سے عظمن مراد ہے۔ تیسری دلیل ابوبکر رازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں: قولہ تعالیٰ "ولله الاسماء الحسنیٰ فادعوه بها" الآية. "ایاما تدعوا فله الاسماء الحسنی" الآية. یہاں جو مطلق اسماء سے بلانے کا ذکر ہے اس میں افتتاح صلوۃ کے وقت بلانا بھی شامل ہے۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ "سئل ابو العالية بای شیء کانت الانبیاء یفتحون الصلوة قال بالتوحید والتسبیح والتهلیل". پانچویں دلیل شعبیؒ فرماتے ہیں: "بای شیء من اسماء الله تعالیٰ استفتحت الصلوة فقد اجزأتک." چھٹی دلیل امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ

اذا هـلـلـت او سبحت فقد اجزأتک" اخرجه بدرالدين العيني. ساتویں دلیل علامہ عینی نے بطور نظر وفقہ استدلال پیش کیا ہے کہ حدیث میں ہے: "**امـــرت ان اقـــاتـل الـنـاس حتـى يشهدوا ان لا اله الا الله الخ**" اب یہاں اگر کوئی بعینہ یہ الفاظ نہ کہہ کر ان کے مثل یا ہم معنی دوسرے الفاظ کہہ دے۔ مثلاً **لا الـه الا الـرحمن** تو بالاتفاق اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا، تو جب ایمان جو اساس دین ہے اس میں معنی کا اعتبار کیا گیا، مادہ کا اعتبار نہیں کیا گیا تو نماز جو فرع ہے اس میں بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ (مرقاۃ)

حدیث سے استدلال کا جواب

(۱)......تکبیر سے مراد صرف لفظ **الله اکبر** ہی نہیں جیسا کہ تفصیل سے اوپر گذر چکا۔

(۲)......اگر مان لیا جائے کہ اس حدیث میں تکبیر سے مراد لفظ **الله اکبر** کہنا ہی ہے، پھر بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس سے **الله اکبـــر** کہنے کی فرضیت اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوتا ہے، کیونکہ یہ خبر واحد ہے، ظنی الثبوت ہے، دلیل ظنی مفید فرضیت نہیں ہوتی، مفید وجوب ہو سکتی ہے، تو **تحريمها التكبير** کے خبر واحد ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ **الله اکبر** کہنے کا وجوب ثابت ہوگا اس میں نزاع نہیں اس کے تو ہم بھی قائل ہیں، ہمارا نزاع بالخصوص **الله اکبر** کہنے کی فرضیت میں ہے، اور وہ حدیث سے ثابت نہیں۔

حنفیہ نے افتتاح صلوۃ کے وقت مطلقاً ذکر کو فرض قرار دیا ہے، **لقوله تعالىٰ "وذكر اسم ربه فصلى"** اور خاص لفظ **الله اکبر** کہنے کو واجب قرار دیا ہے، اس حدیث کی وجہ سے ہر دلیل کو اپنے مرتبے پر رکھا ہے۔

حنفیہ نے وقت فہم سے فرض اور سنت کے درمیان وجوب کا مرتبہ ثابت کیا ہے، جو

دونوں کے علاوہ ایک مستقل مرتبہ ہے، دوسرے ائمہ بھی اگرچہ وجوب کا لفظ بولتے ہیں لیکن ان کے ہاں وجوب بمعنی فرضیت ہوتا ہے، کوئی الگ مرتبہ وحیثیت نہیں۔ حنفیہ کے ہاں وجوب کا مرتبہ فرض اور سنت سے الگ مرتبہ حیثیت نہیں، حنفیہ کے ہاں وجوب کا مرتبہ فرض اور سنت سے الگ ہے، اس کی وجہ دلائل کے مراتب میں فرق کرنا ہے، جس درجہ کی دلیل ہوتی ہے، حنفیہ اس کو اپنے مقام پر رکھتے ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ دلیل شرعی نقلی میں دو باتیں قابل لحاظ ہوتی ہیں، ایک ثبوت الدلیل من الشارع دوسرے دلالت الدلیل علی المطلوب یعنی مطلوب پر دلالت کس قسم کی ہے، ثبوت کبھی قطعی ہوتا ہے، کبھی ظنی جس بات کی نقل تواتر کی حد تک پہونچی ہوئی ہو اس کو قطعی الثبوت کہا جاتا ہے۔ اور جس کی نقل شارع سے ہم تک تواتر سے نہ ہو اس کو ظنی الثبوت کہا جاتا ہے، ایسے ہی دلیل شرعی جس معنی پر دلالت کرتی ہے، اس کی بھی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال ناشی عن دلیل نہ ہو، اور ایک یہ کہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے، پہلی حالت میں اس دلیل کو قطعی الدلالت کہا جاتا ہے، دوسری حالت میں ظنی الدلالت کہا جاتا ہے، اس طرح سے دلیل شرعی کی کل چار قسمیں بن گئیں۔

(۱)......قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ۔

(۲)......قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ۔

(۳)......ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ۔

(۴)......ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ۔

حنفیہ ان چاروں قسم کی دلیلوں کو اپنے اپنے مقام اور مرتبہ پر رکھتے ہیں، پہلی قسم کی دلیل اگر امر ہو تو اس سے فرضیت اور اگر نہی ہو تو اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں۔

دوسری اور تیسری قسم کی دلیل سے وجوب یا کراہت تحریمیہ ثابت کرتے ہیں، چوتھی قسم

کی دلیل سے سنیت اور استحباب یا کراہت تنزیہیہ ثابت کرتے ہیں، دوسری اور تیسری قسم کی دلیل سے کبھی وجوب ثابت ہوتا ہے، کبھی سنت مؤکدہ، ان دونوں میں سے ایک کی تعیین یہ اجتہادی کام ہے، مجتہد کبھی تاکید کے زیادہ قرائن دیکھ کر وجوب کا فیصلہ کرتا ہے، جب تاکید کے زیادہ قرائن نظر نہیں آتے تو سنت مؤکدہ کہہ دیتے ہیں، وجوب اور سنت مؤکدہ قریب قریب ہی ہیں۔

وتحليلها التسليم ای محلل ما فی الصلوة حرمها التكبير التسليم: کہ نماز میں جو چیزیں تکبیر سے حرام ہوگئی تھیں سلام ان کو حلال کردیتا ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سلام فرض ہے اسی حدیث کی وجہ سے کہ جس طرح تحریمها التكبير میں تکبیر اور مفتاح الصلوة الطهور میں طہور فرض ہے اسی طرح اس میں تسلیم فرض ہوگا۔ مگر امام اعظمؒ کے نزدیک تسلیم واجب ہے۔ فرض نہیں۔

امام شافعی کے قول کا جواب: امام اعظمؒ امام شافعیؒ کو جواب دیتے ہیں کہ بادشاہ کے ساتھ وزیر بھی بیٹھ جاتے ہیں اور سردار کے ساتھ چپراسی بھی ساتھ ہو لیتا ہے ضروری نہیں کہ بادشاہ کے ساتھ بادشاہ اور سردار کے ساتھ سردار ہی ہوں، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ فرض کے ساتھ فرض ہی کا بیان ہو بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرض کا ایک جملہ میں اور واجب کا دوسرے جملہ میں ذکر ہو۔

نیز فرضیت کے ثبوت کے لئے نص کا قطعی الدلالۃ، قطعی الثبوت ہونا ضروری ہے، اور اخبار آحاد یہ ظنی الثبوت ہیں قطعی الثبوت نہیں ہیں، اس حدیث سے وجوب ثابت ہوگا نہ فرض۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کی وجہ سے تکبیر تحریمہ کو فرض کیوں کہتے ہو۔

جواب: تکبیر تحریمہ کی فرضیت: "**وربک فکبر، وذکر اسم ربہ فصلی**" نص قطعی سے ثابت ہے نہ کہ حدیث مذکور سے۔ جیسا کہ اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

حنفیہ کی دلیل

حنفیہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی ہے، جس میں تشہد کو ذکر فرمانے کے بعد یہ جملہ ہے: "**اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوتک فان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد**"[1] اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب تو نے تشہد پڑھ لیا یا اتنی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی۔ اگر سلام فرض ہوتا تو اس کے بغیر نماز کیسے پوری ہو جاتی۔ یہ دلیل ہے سلام کے عدم فرضیت کی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوعاً بھی نقل کی گئی ہے، اور موقوفاً بھی، اگر اس کا رفع ہونا ثابت ہو جائے پھر تو اس مسئلہ کی دلیل ہے ہی، اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث موقوف ہے تب بھی یہ اس مسئلہ کی دلیل ہے، اس لئے کہ نماز کے فرائض اپنی رائے اور قیاس سے نہیں بتلائے جاتے، تو یہ حدیث "**غیر مدرک بالقیاس**" مسئلہ میں ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ غیر مدرک بالقیاس مسئلہ میں قول صحابی کو حکماً مرفوع سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث حکماً تو بہر حال مرفوع ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد: ١٣٩/١، ویزیدہ ماروی عن علی قال اذا جلس مقدار التشہد ثم احدث فقلتم صلاتہ رواہ البیہقی عن علی من طریق عاصم بن ضمرۃ عنہ وقد تابعہ علی ذلک الحارث عند ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ وروی عن عبداللہ بن عمرو ایضاً مرفوعا انہ علیہ الصلوۃ والسلام قال اذا احدث یعنی الرجل وقد جلس فی آخر صلوتہ قبل ان یسلم فقد جازت صلاتہ۔ اخرجہ الترمذی وابوداؤد والطحاوی۔ (اعلاء السنن: ١١٨/٣، ملخصاً)

دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے طحاوی شریف میں ہے: "اذا جلس احدکم مقدار التشهد ثم احدث فقد تمت صلوته" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقدار تشہد بیٹھنے سے نماز تام ہو جاتی ہے۔

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے: "اذا رفع المصلی رأسه من آخر صلواته وقضیٰ وتشهد ثم احدث فقد تمت صلواته" اخرجه الترمذی والطحاوی. اس کا حاصل بھی یہی ہے، پس احناف کے نزدیک سلام فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اور خروج بصنعہ فرض ہے۔ فقط

خروج ریح اور دبر میں صحبت کا حکم

﴿۲۹۲﴾ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِيْ اَعْجَازِهِنَّ۔

(رواه الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۷/ ۱، باب من يحدث فی الصلوة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۰۵، ترمذی شریف: ۲۲۰/ ۱، باب ماجاء فی كراهية اتيان النساء فی ادبارهن، كتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۶۴۔

حل لغات: فَسَا (ن) فَسْواً وَفُسَاءً بلا آواز ریح خارج کرنا، اعجاز جمع ہے، واحد عجز، ہر چیز کا پچھلا حصہ، سرین۔

ترجمہ: حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی بغیر آواز کے ریح خارج کرے تو وہ وضو کر لے، اور تم عورتوں سے ان کے پچھلے مقام میں جماع نہ کرو۔

تشریح: فسا اس ریح کو کہا جاتا ہے جس میں آواز نہ ہو۔

اذا فسا: جب کسی کی پھسکی نکل جائے تو اس کو وضو کرنا چاہئے۔

اعتراض: پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ریح کی آواز نہ سنی جائے یا اس کی بدبو نہ آئے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر آواز کی ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

جـــــواب: ریح کے نکلنے کا یقین ہونا ضروری ہے، اگر ذرا سی پھسکی نکلنے کا یقین ہو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

خروج ریح اور دبر میں صحبت میں ربط

ولا تاتوا النساء فی اعجازھن: یعنی تم عورتوں کے پچھلے حصے یعنی دبر میں وطی نہ کرو، یہاں ایک اشکال ہوتا ہے۔

اشکال: یہ ہے کہ حدیث شریف میں پہلے پھسکی کا تذکرہ ہے اور پھر دبر میں مجامعت کرنے سے منع کیا ہے، دو الگ الگ حکم ہیں دونوں میں کوئی ربط نہیں ہے، لہٰذا دونوں کو بغیر ربط کیوں ذکر کیا ہے؟

جواب: دونوں جملوں میں ربط اور اتصال موجود ہے اس طریقہ پر کہ دونوں کا تعلق دبر سے ہے، جب اللہ تعالیٰ نے اس ہیئت کو مومن بندہ کے لئے جائز نہیں قرار دیا اور اس کی وجہ سے اس کو اپنے قرب سے روک دیا تو دبر میں وطی کرنے سے بدرجہ اولیٰ بندہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے روک دیا جائے گا، چونکہ وہ تو بہت بڑا گناہ بہت سخت غلطی ہے اسی لئے "ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین" کو جملہ معترضہ قرار دیا گیا ہے۔ "نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم" اور "فأتوھن من حیث امرکم اللہ" مُفَسَّر اور مُفَسِّر کے

درمیان۔(التعلیق الصبیح: ۱/۱۸۴، الطیبی: ۲/۳۲)

نیز قاعدہ ہے: کہ "الشئی یذکر بالشئی" [ایک چیز دوسری چیز سے ذکر کی جاتی ہے۔] ایسے ہی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف بھی ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔ اول ادنیٰ ہے، ثانی اعلیٰ اس لئے اس کو ذکر کر دیا گیا۔

نوم ناقض وضو ہے یا نہیں؟

﴿۲۹۳﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ الْعَيْنُ اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ (رواه الدارمی)

حوالہ: دارمی: ۱۹۸/۱۹۹/۱، مقدمہ باب الوضوء من النوم، حدیث نمبر: ۷۲۲۔

حل لغات: **وکاء** ٹیک، یہاں بندھن مراد ہے، **استطلق البطن**، پیٹ چلنا، دست آنا۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آنکھیں سرین کا بندھن ہیں، جب آنکھ سو جاتی ہے، بندھن کھل جاتا ہے۔

تشریح: وکاء: تسمہ کو کہتے ہیں[1]۔

---

[1] **وکاء السہ:** الوکاء وہ ڈوری یا دھاگہ جس سے تھیلے وغیرہ کو باندھا جائے تا کہ اس کے اندر کی چیز نکلنے سے محفوظ ہو جائے، السہ کے معنی دبر کے ہیں اس کی اصل ستہ ہے اس کے بعد تاء کو حذف کر دیا اسی لئے اس کی جمع استاہ آتی ہے اور تصغیر ستیھۃ آتی ہے۔

السه: سرین کو کہتے ہیں۔

نوم ناقض وضو نہیں، بلکہ خروج ریح ناقض وضو ہے مگر چونکہ یہ سبب ہے اور حالت نوم میں خروج ریح کا مظنہ ہو ہی جاتا ہے۔

اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جب علت مخفی ہو تو سبب پر حکم لگادیا جاتا ہے جیسے سفر میں مشقت اصل ہے مگر چونکہ وہ امر مخفی ہے اس لئے سفر کو ہی اس کے قائم مقام کردیا گیا چاہے مشقت ہو یا نہ ہو، اس لئے مسافر شرعی پر نماز قصر کا حکم لگادیا جائے گا۔

ایسے ہی یہاں نوم کو خروج ریح کے قائم مقام کر کے اس پر حکم لگادیا جاتا ہے، جیسے خروج منی سبب ہے وجوب غسل کے لئے اور وہ امر مخفی ہے اور التقاء ختانین اس کے لئے سبب ہے اس لئے التقاء ختانین کو ہی سبب خروج منی کے قائم مقام قرار دیکر وجوب غسل کا حکم کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان جب بیدار رہتا ہے، خروج ریح کو روکے رکھتا ہے، اور جب غفلت کے ساتھ سو جاتا ہے، اور اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، اور خروج ریح کا مظنہ غالب ہوتا ہے، اسلئے نوم کو ناقض وضو قرار دیا گیا ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۴۰)

کون سی نیند ناقض وضوء ہے؟

﴿۲۹۴﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواه ابوداؤد) وَقَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِيُ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا فِيْ غَيْرِ الْقَاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّأُوْنَ۔ رواه ابوداؤد والترمذي إِلَّا أَنَّهُ ذَكَرَ

فِیْهِ یَنَامُوْنَ ثُمَّ یَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰی تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ۔

تنبیہ: حقیقتاً یہاں دو حدیثیں ہیں، لہٰذا دونوں کوالگ الگ نمبر وار ذکر کرنا چاہئے تھا، لیکن چوں کہ دوسری حدیث (حضرت انس رضی اللہ عنہ والی) درحقیقت حضرت شیخ محی السنہ نے اپنے قول پر استدلال کے طور پر پیش کی ہے۔اس لئے دونوں کوایک ساتھ نقل کیا گیا ہے، دیگر مقامات پر بھی ایسا ہوا ہے۔

حوالہ: (وعن علی) ابو داؤد:۲۷/۱، باب فی الوضوء من النوم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۰۳،(عن انس) ابو داؤد شریف:۲۶/۱، باب الوضوء من النوم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۰۰،ترمذی شریف:۲۴/۱، باب ماجاء فی الوضوء من النوم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۸۔

حل لغات: ینتظرون، انتظرہ انتظار کرنا، کسی چیز کے لئے رکنا،تخفق خفق (ن ض) خفقاً جھکنا، ہلنا،ینامون، نام فلان نوما (س) سونا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سرین کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں، جو شخص سو جائے تو اس کو وضو کرنا چاہئے۔ (ابو داؤد) شیخ امام محی السنہؒ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو بیٹھا ہوا نہ ہو، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عشاء کی نماز کا انتظار کیا کرتے تھے، یہاں تک ان کے سر جھک جاتے تھے، پھر وہ نماز پڑھتے تھے، اور وضو نہیں کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ابو داؤد وترمذی نے نقل کیا ہے، مگر ترمذی کی روایت میں "ینتظرون العشاء حتی تخفق رؤسهم" کے بجائے "ینامون" کے الفاظ ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سونا ناقض وضو نہیں تو اس

کو مستثنیٰ کر دیا جائے گا کہ نوم ناقض وضو ہے مگر بیٹھ کر نہیں، یہاں سے اور مذاہب نکلتے ہیں۔

اختلاف مذاہب

مسئلہ نوم میں علماء کے آٹھ مذہب ہیں:

(۱)...... پہلا مذہب یہ ہے کہ نوم کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں یہ ابوموسیٰ اشعری، سعید بن المسیب، ابومجلز، حمید الاعرج اور شعبہ کا مذہب ہے۔

(۲)...... دوسرا مذہب یہ ہے کہ نوم ہر حال میں ناقض وضو ہے، اس کے قائل حسن بصری امام مزنی اور ابوعبید القاسم بن سلام اور اسحٰق بن راہو یہ ہیں اور یہی امام شافعی کا بھی ایک غیر مشہور قول ہے۔

(۳)...... تیسرا مذہب یہ ہے کہ نوم کثیر ہر حال میں ناقض وضو ہے اور نوم قلیل کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں یہ مذہب امام زہری، ربیعہ اوزاعی، امام مالک کا ہے۔ اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

(۴)...... چوتھا مذہب یہ ہے کہ جب آدمی نماز کی کسی ہیئت پر سو جائے جیسے رکوع یا سجدہ کی حالت میں یا قعدہ و قیام کی حالت میں تو وہ نوم ناقض وضو نہیں خواہ وہ سونے والا داخل صلوۃ ہو یا خارج صلوۃ ہو اور اگر پہلو پر لیٹ کر سو گیا یا چت لیٹ کر سو گیا تو وہ نوم ناقض وضو ہے، یہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہؒ اور داؤد ظاہری کا ہے۔ اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

(۵)...... پانچواں مذہب یہ ہے کہ صرف رکوع اور سجدہ کی حالت میں جو نیند آئے وہ ناقض وضو ہے یہ روایت امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ کی ہے۔

(۶)...... اور چھٹا مذہب یہ ہے کہ صرف وہ نوم ناقض وضو ہے جو بحالت سجدہ ہو یہ روایت

بھی امام احمدؒ کی ہے۔

(۷)......ساتواں مذہب یہ ہے کہ وہ نوم جو داخل صلوۃ ہو کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں اور جو نوم خارج صلوۃ ہو وہ نوم ہر حال میں ناقض وضو ہے، یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا ضعیف قول ہے۔

(۸)......آٹھواں مذہب یہ ہے کہ جب آدمی بیٹھ کر سوئے اور مقعد زمین سے ٹکی رہے تو وہ نوم ناقض وضو نہیں اور اگر مقعد زمین سے الگ ہوگئی تو ہر حال میں وضو ٹوٹ جائے گا خواہ وہ نوم قلیل ہو یا کثیر داخل صلوۃ ہو یا خارج صلوۃ، نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عقل کا زوال جنون وغشی کے ذریعہ ہو یا شراب اور نیند کے نشہ سے ہو یا بھانگ اور دواء کے نشہ سے ہو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر متمکن المقعد ہو یا غیر متمکن المقعد وہ نوم ہر حال میں ناقض وضو ہے۔(بذل المجہود:۱/۱۲۶)

نیند کب ناقض وضو ہے؟

﴿۲۹۵﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعاً فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ۔ (رواه الترمذي وابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۲۷/ ۱، باب فی الوضوء من النوم، حدیث نمبر:۲۰۲، کتاب الطهارة، ترمذی شریف:۲۴/ ۱، باب الوضوء من النوم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۷۔

حل لغات: مضطجعاً اضطجع لیٹنا، پہلو پر لیٹنا، سونا، مفاصل، مفصل کی

جمع ہے، جوڑ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو اس شخص پر لازم ہے جو لیٹ کر سوجائے، اس وجہ سے کہ جس وقت آدمی لیٹتا ہے، تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نوم ناقض وضوء ہے، لیکن مطلق نوم ناقض وضوء نہیں، بلکہ نوم غالب ناقض وضو ہے، اور نوم غالب یہ ہے کہ اس میں استرخاء مفاصل ہوجائے، جب استرخاء مفاصل ہوجاتا ہے تو عام طور پر خروج ریح ہوتا ہے، اور جو چیز عادۃً ثابت ہوتی ہے اس کو متیقن سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اب استرخاء مفاصل کو خروج ریح کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، اور یہ استرخاء مفاصل اس صورت میں ہوتا ہے جب چت لیٹ کر یا کسی چیز کا سہارا لیکر سوجائے۔ (مرقاۃ: ۱/۳۴۱)

پس یہ حدیث احناف کی واضح دلیل ہے، اور اس کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "**لایجب الوضوء علی من نام جالساً او قائما او ساجدا حتی یضع جنبہ**" اور مسند احمد میں روایت ہے: "**عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ علیہ السلام قال لیس علی من نام ساجدا وضوء حتی یضطجع**"

مس ذکر سے وضو کا ٹوٹنا

﴿۲۹۶﴾ **وَعَنْ** بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ ابْنِ نَوْفَلٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُکُمْ ذَکَرَہٗ فَلْیَتَوَضَّأْ۔ (رواہ مالک واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۴، باب الوضوء من مس الفرج، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۸، مسند احمد: ۶/ ۴۰۷/ ۲، ابو داؤد شریف: ۲۴/ ۱، باب الوضوء من مس الذکر، ترمذی شریف: ۲۵/ ۱، باب الوضوء من مس الذکر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷۹، دارمی: ۱۹۹/ ۱، حدیث نمبر: ۷۲۴۔

ترجمہ: حضرت بسرہ بنت صفوان بن نوفل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے جو شخص اپنا ذکر چھوئے تو چاہئے کہ وضو کرے۔

تشریح: یہ حدیث امام مالک، احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی سے مروی ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے۔

ایضاً

﴿۲۹۷﴾ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بَضْعَةٌ مِنْهُ۔ (رواه ابوداؤد، والترمذي، والنسائي) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْ رَوَى اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهِ اِلٰى ذَكَرِهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ (رواه الشافعي والدار قطني) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ بُسْرَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۴/ ۱، باب الرخصة فی ذلک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۸۲، ترمذی شریف: ۲۵/ ۱، باب ترک الوضوء من مس الذکر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۸۲، نسائی شریف: ۲۰/ ۱، باب ترک

الوضوء من مس الذکر، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر:٦٥،ابن ماجه:٣٨، (روایت ابوھریرہ) الشافعی فی الام، باب الوضوء من مس الذکر، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر:٦۔

حل لغات: بضعة، ٹکڑا،مسَّ، (ن) مساً چھونا۔

ترجمه: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آدمی وضو کر لینے کے بعد اپنے عضو مخصوص کو چھوئے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عضو مخصوص بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی) اور ابن ماجہ نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے۔ شیخ امام محی السنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت طلق بن علی کے آنے کے بعد اسلام لائے ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص اگر اپنا ہاتھ اپنے عضو مخصوص پر لے جائے درانحالیکہ ہاتھ اور عضو کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس کو وضو کرنا چاہئے۔ (شافعی، دار قطنی) اور نسائی نے بسرہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں لیس بینه و بینها کے الفاظ مذکور نہیں ہیں۔

تشریح: شیخ محی السنہؒ فرماتے ہیں کہ طلق ابن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے اور طلق ابن علی رضی اللہ عنہ تو واپس چلے گئے تھے اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آئے اور مسلمان ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مؤخر ہے اور طلق ابن علی رضی اللہ عنہ کی مقدم، اور مؤخر مقدم کے لئے ناسخ ہوا کرتی ہے، اس لئے یہ حدیث بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے منسوخ ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو ہے ان کا مستدل حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں اوران کا مستدل طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن مسعودرضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے فرمایا: کہ میں ناک اور ذکر کے چھونے میں کوئی فرق نہیں کرتا کیونکہ ذکر بھی تو جسم ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔

اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار واقوال موجود ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ما ابالی ایاہ مسسته او انفی" ابن مسعودرضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"ما ابالی ذکری مسست فی الصلوۃ او اذنی او انفی" عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں"انما ھو بضعة منک مثل انفی او انفک" حضرت حذیفہؓ، علیؓ، عمران بن حصینؓ:"ورجل آخر کانوا لایرون فی مس الذکر الوضوء" اس لئے طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کوترجیح ہونا چاہئے۔

طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے منسوخ ہونے کی جو وجہ بیان کی وہ منسوخ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگر چہ اسلام بعد میں لائے ہیں مگر ہو سکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو کسی ایسے شخص سے روایت کرتے ہوں جو اسلام میں ان سے مقدم ہوں، جیسا کہ یہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذوالیدین والی حدیث کو اس طور سے بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ وہاں موجود تھے،"صلی بنا" حالانکہ وہ ان سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف بھی ہے چونکہ اس میں ایک راوی نوفلی ہے، وہ باتفاق محدثین ضعیف ہے، لہٰذا یہ حدیث ناسخ نہیں بن سکتی۔

منسوخ ہونے کا اصول

منسوخ ہونے کا ایک اصول یہ ہے کہ سخت حکم کو آسان حکم سے منسوخ کیا جاتا ہے الا ماشاء اللہ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "ماننسخ من آية او ننسهانات بخير منها او مثلها" یہاں خیر سے مراد سخت مسائل کو آسان مسائل سے منسوخ کرنا ہے، اس اصول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلق ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ناسخ مانا جائے اور بسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کو منسوخ چونکہ یہ حکم سخت ہے اور طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا حکم آسان ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ جو مسئلہ عورتوں سے متعلق ہوتا ہے اس میں عورتوں کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے اور جو مسئلہ مردوں سے متعلق ہوتا ہے اس میں مردوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی بسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقابلہ میں طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے۔

حدیث طلق پر نقد اور اس کا جواب

حدیث طلق میں ایک راوی قیس بن طلق ہے جس کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں "قد سألنا عن قيس بن طلق فلم نجد من يعرفه"

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ جن حضرات محدثین نے حدیث طلق کی تصحیح اور تحسین فرمائی ہے ان حضرات کو قیس بن طلق کے بارے میں معلومات حاصل ہونگی، اور من عرف حجت ہوتا ہے من لم یعرف پر۔

بسرہ کی حدیث میں تاویلات

(۱)......بسرہ رضی اللہ عنہا والی روایت کو استحباب پر محمول مانا جائے کہ مس ذکر کے بعد وضو

مستحب ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

(۲)......دوسری صورت یہ ہے کہ بسرہ رضی اللہ عنہا والی روایت وضو لغوی پر محمول ہے۔ جیسے وضو قبل الطعام وبعدہ میں وضو کے لغوی معنی ہاتھ دھونا مراد ہے، اسی طرح یہاں بھی ہاتھ دھونا مراد ہے۔

(۳)......ایک تیسری صورت یہ ہے کہ بسرہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں کلام کنایہ پر محمول ہے، کہ مس ذکر سے استنجا کرنا مراد ہے، بطور کنایہ۔ جیسے "او لامستم النساء" میں ملامست نساء سے جماع مراد ہے۔ اور چونکہ استنجا میں مس ذکر ہوتا ہے اس لئے اس کو مس ذکر سے تعبیر کر دیا کنایۃً۔ کیونکہ الکنایۃ ابلغ من التصریح.

(۴)......یا مس ذکر سے مراد مس ذکر بالفرج ہے جس کو مباشرت فاحشہ کہتے ہیں اس کو ہم بھی ناقض وضو مانتے ہیں۔

(۵)......اس حالت پر محمول ہے جب ذکر سے مذی وغیرہ کا خروج ہو جائے۔

بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر اشکال

بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مس عام ہے، خواہ ید سے خواہ اور کسی عضو سے، لہٰذا مطلق مس ذکر سے بھی وضو ہونا چاہئے، یعنی جب کہ ذکر ران وغیرہ سے مس ہو جائے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں، اور یہ ممکن بھی نہیں چونکہ ران وغیرہ سے تو مس ہر وقت ہی ہوتا رہتا ہے۔

لہٰذا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو ہی ترجیح دیجائے گی پھر بسرہ رضی اللہ عنہا کی سند میں ایک راوی مروان ہے، جو ظالم وجابر حاکم تھا، نیز اس نے ایک شرطی کو بھیج کر اس حدیث کو سنا وہ شرطی مجہول ہے، اس لئے بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت قابل استدلال نہیں۔

نیز طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کی متعدد آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تائید ہوتی ہے اس لئے اس کو ترجیح دیجائے گی۔

قیاس

پھر قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہ ہو چونکہ کسی نجاست پائخانہ پیشاب کا چھونا بھی ناقض وضو نہیں۔ خود انسان اپنے پائخانہ، پیشاب کو چھوئے تو وہ بھی ناقض وضو نہیں کتے بلی کے پائخانہ کو مس کرنا بھی ناقض وضو نہیں، تو مس ذکر جو نجس بھی نہیں اس کا مس کرنا کیسے ناقض وضو ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ التعلیق الصبیح: ۱۸۵/۱۸۶/۱۔

الوضوء من مس المرأة

﴿۲۹۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ۔ (رواه ابوداؤد، والترمذي، والنسائي، وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَصْحَابِنَا بِحَالٍ إِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَأَيْضاً إِسْنَادُ إِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ أَبُوْدَاؤُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۱/۲۴، باب الوضوء من القبلة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۷۸، و ۱۷۹، ترمذی شريف: ۱/۲۵، باب ترك الوضوء من القبلة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۸۶، نسائی شريف: ۱/۲۱، باب ترك الوضوء من القبلة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۷۰، ابن ماجه شريف: ۳۹، ۱،

باب الوضوء من القبلة، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۵۰۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بوسہ لیتے پھر نماز ادا فرماتے اور وضو نہیں کرتے۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)ترمذی نے کہا کہ ہمارے علماء کے نزدیک عروہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایسے ہی ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنا کسی طرح صحیح نہیں، نیز ابوداؤد نے یہ کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے، اور ابراہیم تیمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماعت وروایت کا شرف حاصل نہیں ہے۔

تشریح: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ تقبیل مرأۃ ناقض وضو نہیں پس ثابت ہو گیا کہ مس مرأۃ بدرجۂ اولیٰ ناقض وضو نہیں۔

مس مرأۃ میں اختلاف

مس مرأۃ ناقض وضو ہے یا نہیں؟ مختلف فیہ ہے۔شافعیہ کے یہاں مطلقاً ناقض ہے، حنفیہ کے یہاں مطلقاً غیر ناقض ہے۔مالکیہ،حنابلہ کے یہاں تفصیل ہے اگر مس مرأۃ شہوت کے ساتھ ہو تو ناقض ہے،ورنہ غیر ناقض۔

امام ترمذیؒ کا اعتراض

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو احناف کی قوی دلیل ہے اس پر امام ترمذیؒ اعتراض فرمارہے ہیں۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں صحت نہیں کیونکہ اس کی سند میں عروہ ہیں اور معلوم نہیں کہ کون سے عروہ مراد ہیں ایک عروہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں،عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ہیں،اور ایک عروہ بن مزنی، اور عروہ مزنی اگر ہوں تو ان کا سماع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔لہٰذا

حدیث صحیح نہیں اور قابل حجت نہیں، اس لئے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"

احناف کی طرف سے جواب

احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عروہ سے عروہ بن الزبیر ہی مراد ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس چند قرائن موجود ہیں:

(۱)......مسند احمد اور ابن ماجہ میں صراحۃً مذکور ہے، "عن عروۃ بن الزبیر الخ"

(۲)......عروہ بن الزبیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور خصوصی شاگرد تھے اور ان کی اکثر روایات وہی روایت کرتے ہیں، لہذا یہاں وہی مراد ہوں گے۔

(۳)......عروہ کے نام سے ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ہی زیادہ مشہور ہیں، اور قاعدہ ہے مشترک ناموں میں جو مشہور ہوتا ہے، مطلقاً بولنے سے وہی مراد ہوتا ہے۔

(۴)......نفس حدیث میں ایسا ایک جملہ ہے جو عروہ بن الزبیر ہی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ بعض روایت میں ہے کہ عروہ نے کہا: "هل هي الا انت فضحكت" اس قسم کی بے تکلفی اجنبی سے نہیں ہوسکتی، رشتہ داروں میں ہوسکتی ہے۔

اہم تنبیہ

اس حدیث پر اس قسم کی دوسری احادیث پر منکرین حدیث یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بتلانا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا خلاف حیاء ہے، پھر حضرت عروہ کا یہ سوال "هل هي الا انت" اس سے بھی زیادہ خلاف حیاء ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عروہ سے ایسی بات سرزد نہیں ہوسکتی، ان کا دامن یقیناً اس سے پاک ہے، اور ایسی باتیں ان کی طرف عجمی سازش کے تحت منسوب کردی گئی ہیں، معلوم ہوا حدیث صحیح طور پر محفوظ نہیں رہی، اور اس وقت جو ذخیرہ ہمارے

سامنے ہے وہ عجمی سازش کا نتیجہ ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا او نچے درجہ کی با حیا ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں امت تک مسائل پہنچانے کی فکر بھی ہے، اور یہ مسئلہ ایسا ہے جس کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہے ایسے مسائل صرف ازواج مطہرات ہی امت تک پہنچا سکتی ہیں، اگر یہ شرم کی وجہ سے ایسے مسائل کو چھپا لیتیں تو امت ان مسائل کے متعلق جہالت میں رہتی، اس لئے انہوں نے اپنی طبیعت پر بوجھ ڈال کر اور مجاہدہ کر کے ایسے مسائل بھی امت تک پہنچائے۔

رہا یہ سوال کہ عروہ کے قول "هل هي الا انت" کا مسئلہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اتنا تو بتادیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کی تقبیل کی لیکن حیاء کی وجہ سے یہ نہیں بتایا کہ وہ بیوی خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں یا کوئی اور کسی امر کے معلوم ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ واقعہ اپنے ساتھ پیش آیا ہو اور دوسری صورت یہ کہ کسی سے سنا ہو، ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں تثبت زیادہ ہوتا ہے، عروہ کو چونکہ اس حدیث کو اہم اختلافی مسئلہ میں پیش کرنا تھا اس لئے انہوں نے تحقیق کر لینا ضروری سمجھا کہ یہ واقعہ اپنی آپ بیتی ہے یا دوسرے کا سنا ہوا ہے، اس سوال وجواب کے بعد ناظرین پر اس حدیث کی پختگی خوب منکشف ہوگی، اس سے معلوم ہوگیا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنی آپ بیتی نقل فرمارہی ہیں۔ (اشرف التوضیح)

یہاں دوسری ایک سند عن ابراهيم التيمي عن عائشه سے روایت ہے اس پر بھی انہوں نے اعتراض کیا کہ ابراہیم تیمی کا سماع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہے۔ لہذا حدیث منقطع ہوگئی۔

احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ صحیح سند ہے، عن ابراہیم التیمی عن ابیہ عن عائشہؓ لہٰذا ہماری حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے، اور ہمارا نفس مسئلہ بالکل صحیح وراجح ہے کہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں، اس لئے کہ جب تقبیل ناقض نہیں جس میں مس کے مقابلہ میں شہوت کا مظنہ زیادہ ہوتا ہے، تو مس مرأۃ بدرجۂ اولیٰ ناقض وضو نہیں۔

دیگر دلائل احناف

(۱)...... احناف کی ایک دلیل تو یہی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے، جو اوپر مذکور ہوئی۔

(۲)...... دوسری دلیل بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے: "لقد رأیتنی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی و انا مضطجعة بینه وبین القبلة فاذا اراد ان یسجد غمزنی فقبضت رجلی"

(۳)...... تیسری دلیل بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے: "طلبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة فوقعت یدی علی قدمه وهو ساجد"

(۴)...... چوتھی دلیل: بخاری ومسلم شریف میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "انه علیه السلام کان یصلی وهو حامل امامة بنت ابی العاص الخ"

(۵)...... پانچویں دلیل: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: "انه علیه السلام یقبل عند الصوم فلا یتوضأ ولاینقض الصوم" رواه الترمذی.

(٦)...... امام نسائی نے ترجمہ قائم کیا ہے: "ترک الوضوء من مس الرجل امرأته من غیر شهوة" اس میں انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں

مختلف سندوں سے پیش کی ہیں، مضمون وہی ہے جو اوپر کی دو حدیثوں کا ہے۔ (نصب الرأیہ:۱/۷۵)

(۷)......ابن عدی نے اپنی الکامل میں حضرت ابوامامہ باہلی کی حدیث نقل کی ہے:"قال قلت: یارسول اللہ الرجل یتوضأ ثم یقبل اھله ویلا عبھا اینقض ذلک وضوء؟ قال: لا. (نصب الرأیه: ۱/۷۵) اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے۔

(۸)......حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جس کی تخریج طبرانی نے معجم اوسط میں کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:"کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقبل ثم یخرج الی الصلوٰۃ ولا یحدث وضوءاً. (ایضاً)

(۹)......ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن عمر کی حدیث کی تخریج کی ہے:قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقبل ولا یعید الوضوء" (نصب الرأیہ:۱/۷۶)اس کی سند کے ایک راوی غالب بن عبداللہ العقیلی پر کلام کیا گیا ہے۔

(۱۰)......سنن ابن ماجہ میں بطریق عمرو بن شعیب عن زینب السہمیۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ہے۔لفظ یہ ہیں:"ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یتوضأ ثم یقبل ویصلی ولایتوضأ وربما فعله بی" (سنن ابن ماجه: ۳۸، باب الوضوء من القبلة) حافظ زیلعیؒ نے اسکی سند کو جید کہا ہے،اس میں نہ حبیب عن عروہ ہے،اور نہ ہی ابراہیم تیمی ہیں۔(نصب الرأیہ:۱/۷۳)

(۱۱)......اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں بطریق ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث نقل کی ہے:"ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبلھا وھو صائم وقال: ان القبلة لاتنقض الوضوء ولا تفطر الصائم وقال یا حمیرا ان فی دیننا لسعة" (نصب الرأیہ:۱/۷۳)

(۱۲)......مسند بزار میں بطریق عبدالکریم الجزری عن عطاء عن عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے:"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل بعض نسائہ ثم یصلی ولایتوضأ" (نصب الرایہ:۱/۷۴)اس کے رجال کی توثیق حافظ زیلعیؒ نے ائمہ فن سے نقل کی ہے۔حافظ عسقلانی ''الدرایہ'' میں فرماتے ہیں:"رجالہ ثقات"

(الدرایہ: ۱۶، ملحقا فی آخر الهدایة المجلدین الاولین)

(۱۳)......حافظ زیلعی نے بحوالہ دارقطنی یہ حدیث چار طرق سے پیش کی ہے، جن کے بعض راویوں پر کلام بھی ہے۔

(۱۴)...... ابوداؤد اورنسائی میں بطریق ابراہیم تیمی عن عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی تخریج کی گئی ہے:"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل بعض نسائہ ثم یصلی ولایتوضأ" (ابوداؤد:۱/۲۴،نسائی:۱/۳۸)

(۱۵)......ابوداؤد، ترمذی اورابن ماجہ نے بطریق اعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی تخریج کی ہے۔(ابوداؤد:۱/۲۴،ابن ماجہ:۳۸،ترمذی:۱/۲۵)

ان روایات سے صاف واضح ہوا کہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ نقض وضو ہوتا ہے خروج النجاسة من البدن سے۔اور یہاں خروج النجاسة نہیں ہے، لہٰذا نقض نہیں ہوگا۔

دلائل شوافع

(۱)......فریق اول کی دلیل حدیث مرفوع سے بالکل نہیں صرف قرآن کریم کی ایک محتمل آیت اور دو ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے اثر سے استدلال پیش کرتے ہیں، آیت: قولہ تعالیٰ "او لا مستم النساء الخ" یہاں ملامسۃ سے لمس بالید مراد لیتے

ہیں، قرینہ ہے دوسری قرأت میں لمستم آیا ہے، اوراس کے معنی لمس بالید کے ہیں۔ اور یہاں ملامستہ کے بعد عدم ماء کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ ناقض وضو ہے۔

(۲)......دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: "ان القبلة من اللمس فتوضؤا منها"

(۳)......تیسری دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: من قبلة الرجل امرأته الوضوء.

(۴)......چوتھی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: قبلة الرجل امرأته وجسها بيده من الملامسة ومن قبل امرأته وحبسها بيده فعليه الوضوء.

جوابات از احناف

شوافع کے دلائل کے احناف کی طرف سے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اول دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت میں ملامستہ سے جماع مراد ہے، لمس بالید مراد نہیں ہے اوراس کے لئے ہمارے پاس بہت دلائل موجود ہیں۔

(۱)......رئیس المفسرین حبر الامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی تفسیر کی، نیز اکثر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہی رائے ہے۔

(۲)...... یہ مفاعلہ کا صیغہ ہے اوراس کی خاصیت ہے جانبین سے کسی فعل کا واقع ہونا، اور یہاں جماع کی صورت میں ہوسکتا ہے۔

(۳)...... اس کے مرادف جتنے الفاظ ہیں ان کے مفعول جب مرأۃ ہوتی ہے تو باتفاق لغویین جماع مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اصل معنی دوسرے ہوں، جیسے لفظ وطی اس

کے اصل معنی روندنا، اور جب اس کا مفعول عورت ہوتو اس کے معنی جماع ہوتے ہیں، یا جیسے لفظ مس اس کے معنی ہاتھ سے چھونا، مگر جب مفعول مرأۃ ہوتو معنی جماع ہوتے ہیں جیسے: من قبل ان تمسوهن الآية، اسی طرح لفظ ملامستہ یالمس کے معنی اگر چہ ہاتھ سے چھونا ہو مگر یہاں مفعول نساء ہے لہذا جماع مراد ہوگا۔

(۴) اگر اس سے جماع مراد لیا جائے تو حدث اکبر کے لئے تیمم کا جواز قرآن کریم سے نکل جائے گا، ورنہ قرآن کریم ایک اہم حکم سے خالی رہ جائے گا۔ نیز آیت ہر حال کے لئے عام ہو جائے گی، خواہ شہوت ہو یا نہ ہو، لہذا ایک آیت کو جامع اور عام قرار دینا اولیٰ ہے۔ باقی یہ کہنا کہ دوسری قرأت میں مجرد کا صیغہ ہے جو لمس بالید پر دلالت کرتا ہے، ہم کہہ چکے ہیں کہ مرأۃ مفعول ہونے کی صورت میں ہر حال میں جماع مراد ہوتا ہے جس کے نظائر بیان کردئے۔ لہذا آیت کریمہ سے شوافع کا استدلال کرنا صحیح نہیں۔ باقی جو آثار صحابہ پیش کئے ان کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں آثار سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں۔ یا ان سے استحباب مراد ہے اور یہی قرین قیاس ہے تا کہ احادیث مرفوعہ کے ساتھ تعارض نہ ہو۔

قیاس

قیاس بھی اس کو مقتضی ہے کہ مس مرأۃ سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہئے کیونکہ عورتیں کوئی ناپاک چیز نہیں ہیں، بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تو فرمایا ہے: "ان النساء رياحين" [کہ عورتیں خوشبوئیں ہیں]

اگر آپ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو عورتوں کو شیطان کہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے،

کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزء ہیں۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مقابلہ میں زیادہ قابل قبول ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اگر وہ شیطان بھی ہیں تو شیطان کا چھونا بھی ناقض وضو نہیں جو اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، شیطان آپ کو مارنے کے لئے انگارہ لیکر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکڑ کر ستون سے باندھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ صبح کولڑکے اس سے کھیلیں، مگر پھر خیال آیا کہ جنات پر خصوصیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی، اورانہوں نے دعا فرمائی تھی: "رب هب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی الآیة" [مجھے ایسی سلطنت بخشدے جو میرے بعد اور کسی کے لئے مناسب نہ ہو] (آسان ترجمہ) اس وجہ سے میں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ شیطان کا چھونا بھی ناقض وضو نہیں ہے، اور پھر جب کتے خنزیر کا مس کرنا اور انکے پائخانہ وغیرہ کا مس کرنا ناقض وضو نہیں تو پھر مس مرأۃ کس طرح ناقض ہوگا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو التعلیق الصبیح: ۱/۱۸۷، بذل: ۱/۱۰۷)

گوشت کھانے کے بعد ہاتھ پوچھنا کافی ہے

﴿۲۹۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفاً ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمِسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى۔ (رواه ابوداؤد، وابن ماجة)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۵، باب ترک الوضوء مما مست النار، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۷۹، ابن ماجه شریف: ۳۸، باب الرخصة فی الوضوء مما غیرت النار، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۸۸۔

حل لغات: کتف مونڈھا، مَسَحَ (ف) مسحاً یده ہاتھ پھیرنا، صلی

تصلیۃ تفعیل سے نماز پڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بکری کے) شانہ کا گوشت تناول فرمایا، پھر اپنا ہاتھ ٹاٹ سے پونچھ لیا جو آپ کے نیچے بچھا ہوا تھا، اس کے بعد کھڑے ہوئے، پھر نماز پڑھی۔

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر بین دلیل ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کو نہ دھونے میں کوئی کراہیت نہیں، بشرطیکہ اس کھانے وغیرہ کا اثر محض پونچھنے سے ہی زائل ہوجائے۔ (مرقاۃ: ١/٣٤٣)

گوشت کھانے کے بعد بغیر نئے وضو کے نماز

﴿٣٠٠﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ٦/٣١٧.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھنا ہوا بازو کا گوشت پیش کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور وضو نہیں فرمایا۔

تشریح: اس حدیث شریف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ما مست النار ناقض وضو نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن درجہ کی ہے۔
(مرقاۃ:۱/۳۴۴)

﴿الفصل الثالث﴾

گوشت کھانا ناقض وضو نہیں

﴿۳۰۱﴾ **وَعَنْ** اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ اَشْہَدُ لَقَدْ کُنْتُ اَشْوِیْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاۃِ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۱/۱۵۷، باب نسخ الوضوء مما مست النار، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کے بطن کا گوشت بھونتا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمانے کے بعد نماز پڑھی، اور وضو نہیں فرمایا۔

تشریح: یہ حدیث بھی مامست النار کے ناقض وضو نہ ہونے پر دلیل ہے۔

ایضاً

﴿۳۰۲﴾ **وَعَنْہُ** قَالَ اُھْدِیَتْ لَہٗ شَاۃٌ فَجَعَلَہَا فِی الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاھٰذَا یَا اَبَارَافِعٍ فَقَالَ شَاۃٌ اُھْدِیَتْ لَنَا

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ فَقَالَ نَاوِلْنِيْ الذِّرَاعَ يَا اَبَارَافِعٍ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِيْ الذِّرَاعَ الْآخَرَ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْآخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِيْ الذِّرَاعَ الْآخَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِيْ ذِرَاعاً فَذِرَاعاً مَا سَكَتَّ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْمًا بَارِدًا فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً۔ (رواه احمد) وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ اِلٰى آخِرِهٖ۔

حوالہ: مسند احمد: ۶/۳۹۲، سنن دارمی: ۱/۳۵، المقدمۃ باب مااکرم بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی برکۃ طعامہ، حدیث نمبر: ۴۴۔

حل لغات: ناولنی امر ہے، مفاعلت سے، ناولہ الشیء دینا، ذراع ج اذرع بازو، ہاتھ۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو ایک دن ایک بکری ہدیے میں ملی تو انہوں نے اس کو ہانڈی میں رکھ دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابورافع! یہ کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا یہ ایک بکری ہے، اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ مجھ کو ہدیہ میں ملی ہے۔ اس کو میں نے ہانڈی میں رکھ کر پکالیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابورافع مجھ کو دست کا گوشت دینا، چنانچہ میں نے دست کا گوشت پیش کر دیا، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور دست لاؤ، تو میں نے دوسرا دست بھی پیش کر دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور دست لاؤ، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک بکری میں تو دو ہی دست ہوتے ہیں، تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابورافع! اگر تم بول نہ پڑتے، تو جب تک تم

خاموش رہتے دست پر دست دیئے جاتے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا، اور منہ دھویا اور انگلیوں کے پوروں کو دھویا، پھر اٹھے اور نماز پڑھنے کیلئے تشریف لے گئے، اسکے بعد پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو رافع کے گھر تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں ٹھنڈا گوشت پایا تو اس کو تناول فرمایا اور مسجد تشریف لے گئے، اور نماز پڑھی، اور پانی کو نہیں چھوا۔(احمد) دارمی نے اس روایت کو ابوعبد کی سند سے نقل کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں "ثم دعا بماء الی آخرہ" کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

تشریح: اھدیت له: حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دیا گیا یا ابو رافع رضی اللہ عنہ کو، پس حضرت ابو رافع نے اس کو ہانڈی میں پکنے کیلئے رکھدیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ بلا تکلف رہنے کی تھی، اسلئے فرمایا: ابو رافع! یہ کیا بن رہا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ بکری کا گوشت ہدیہ میں دیا گیا ہے اس کو پکا رہا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بازو نکال کر دیدو معلوم ہوا کہ کچا پکا کھانا بھی سنت ہے، طالب علم اس پر عمل کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا بازو طلب فرمایا تو وہ دیدیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بازو طلب فرمایا (آپ ابو رافع کو کچھ دکھانا چاہ رہے تھے) مگر ابو رافع بھول گئے اور کہا کہ حضرت جی بکری کے دو ہی تو بازو ہوتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے اور نکالتے رہتے تو ذراع پر ذراع نکلتے رہتے بطور معجزہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی اور پانی کو چھوا تک نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ ہاتھوں کو دھویا اور نہ کلی فرمائی، بیان جواز کے لئے ایسا فرمایا: تا کہ معلوم ہو جائے کہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونا کلی کرنا بھی سنت ہے لازم نہیں، نیز حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ **مامست النار** ناقض وضو نہیں۔

قوله ثم قال ناولني الذراع الاخر: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دست کا گوشت پسند فرماتے تھے، چونکہ وہ بہت ہلکا پھلکا ہوتا ہے، آسانی سے گلجاتا ہے، زود ہضم

ہوتا ہے، معدہ پر بھی بار نہیں ہوتا، دل ودماغ کو قوت بخشتا ہے، تا کہ اسکے ذریعہ سے بدن کو تقویت ملے اور پھر اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی عبادت بخوبی ادا کرنے میں مدگار ثابت ہو، نیز اسلئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہ بارہ طلب کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں مستغرق تھے، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ودماغ میں یہ بات نہیں آئی کہ بکری میں دو ہی بازو ہوتے ہیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے مولیٰ کے علاوہ کا گذر نہیں تھا۔(مرقاۃ:۱/۳۴۴)

اور اس کمال توجہ اور کمال استغراق کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ ذراع پر ذراع اپنی کمال قدرت سے پیدا فرماتے رہتے، حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے کلام سے اس کمال توجہ میں فرق آگیا اس لئے وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

فوائد: (۱)......حدیث شریف میں اس کی اصل بھی موجود ہے کہ طالب کو اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل بلا چون وچرا کرنا چاہئے جب تک کہ خلاف شرع چیز کا حکم نہ دے اور بلاوجہ چون وچرا کرنا برکت سے محرومی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲)......حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد بھی پورے ہاتھ دھونے کے بجائے صرف انگلیوں اور پوروں کے دھونے پر اکتفا کرنا بھی درست ہے۔

(۳)......اس سے معلوم ہوا کہ گھروں میں بے تکلف ہوکر رہنا چاہئے، اور اپنے خدام سے خود کسی چیز کے طلب کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اس سے خدام کو خوشی ہوتی ہے، اور ان کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔

گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

﴿۳۰۲﴾ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَاُبَيٌّ وَاَبُوْطَلْحَةَ جُلُوْسًا فَاَكَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ

فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْنَا فَقَالاَ اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّیِّبَاتِ لَمْ یَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِنْكَ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۳۰/ ۱ .

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ابی اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، پھر ہم نے گوشت روٹی کھایا، اس کے بعد میں نے وضو کیلئے پانی منگوایا، ابی اور ابوطلحہ نے کہا آپ وضو کیوں کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے ابھی کھایا، ان دونوں نے کہا کیا پاکیزہ چیزوں کو کھانے سے وضو کرتے ہو؟ ان چیزوں کے کھانے کے بعد انہوں نے بھی وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

تشریح: اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مامست النار ناقض وضو نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ مامست النار سے وضو فرمانے کی نہیں تھی۔

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو ٹوک دینا اور تنبیہ کر دینا چاہئے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو ٹوکا ہے اس کو حقیقت معلوم ہونے پر اس کو قبول کر لینا چاہئے، کسی قسم کی کوئی ناگواری یا حیل وحجت نہیں کرنا چاہئے، اہل حق کی شان یہی ہوتی ہے۔

مامست النار سے وضو میں اختلاف

ابتداء میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا کہ بعض حضرات جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، امام زہری، حسن بصریؒ وغیرہ مامست النار سے وضو کے قائل تھے، اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے خلفائے راشدین ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ ناقض وضو ہونے کے قائل نہیں تھے، لیکن بعد میں سب کا اتفاق ہو گیا کہ مامست النار ناقض وضو نہیں، جو حضرات ناقض وضو ہونے کے

قائل تھے ان کے سامنے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "توضؤوا مما مست النار" وغیرہ احادیث تھیں، جن میں مامست النار سے وضو کا حکم فرمایا گیا ہے۔

جوابات

ان احادیث کے جن میں مامست النار سے وضو کا حکم ہے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔

(۱)......وہ احادیث منسوخ ہیں اور جن روایات میں مامست النار سے وضو نہ کرنا مذکور ہے وہ اس کے لئے ناسخ ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، "وكان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضو مما مست النار" كما فى ابى داؤد.

(۲)......دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں وضو سے وضو شرعی مراد نہیں بلکہ وضو لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ دھونا، کلی کرنا وغیرہ، جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں ہے: بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده.

(۳)......وضو شرعی ہی مراد ہے مگر استحباب پر محمول ہے، کیونکہ آگ مظہر غضب خداوندی ہے نیز شیطان کا مادہ ہے مامست النار کے کھانے سے اس کے اثرات بھی کچھ آتے ہیں اس لئے ان اثرات کو ختم کرنے کیلئے بطور استحباب وضو کا حکم دیا گیا۔

(۴)...... مامست النار کے استعمال سے انسان کے اندر جو ملکیت تھی وہ ختم ہوجاتی ہے اور حیوانیت آجاتی ہے، یعنی حیوانیت کا غلبہ ہوجاتا ہے، اور ملکیت مغلوب ہوجاتی ہے، اسلئے وضو کا حکم بطور استحباب دیا گیا تاکہ حیوانیت ختم ہوکر ملکیت کی کیفیت پیدا ہوجائے۔

(۵)......حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امر وجوبی ہی ہے مگر یہ حکم عوام کیلئے نہیں بلکہ خواص کیلئے ہے۔ اور بھی جوابات دیے گئے ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ (مرقاۃ: ۳۴۴/ ۳۴۵/۱، الدر المنضور: ۳۲۴/۱) ع مقربان را بیش بود حیرانی

فائدہ: معلوم ہوا خواص کا درجہ بڑھا ہوا ہے، ان کی ذمہ داری بھی بڑھی ہوئی ہے۔

مس مرأۃ کا حکم

﴿۳۰۴﴾ **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهٗ وَجَسُّهَا بِيَدِهٖ مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَمَنْ قَبَّلَ امْرَأَتَهٗ اَوْ جَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ۔

(رواه مالك والشافعی)

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۵، باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۴، ترتيب مسند الامام الشافعي، باب في نواقض الوضو، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۸۶۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ مرد کا اپنی عورت کا بوسہ لینا، یا اس کا اپنے ہاتھ سے چھونا، یہ بھی ملامسہ ہے، اور جس شخص نے اپنی عورت کا بوسہ لیا، یا اس کو ہاتھ سے چھویا، تو اس پر وضو واجب ہے۔

ایضاً

﴿۳۰۵﴾ **وَعَنْ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرَأَتَهٗ الْوُضُوْءُ۔ **(رواه مالك)**

حوالہ: موطا امام مالک: ۱۵، باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۵۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے تھے مرد کا اپنی

عورت کا بوسہ لینے سے وضو لازم ہوتا ہے۔

تشریح: یہ دو حدیثیں ہیں جو تقبیل مرأۃ کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرتی ہیں مگر خیر سے یہ مرفوع نہیں مقطوع ہیں۔

مالک وشوافع بیان کرتے ہیں کیونکہ ان کا مذہب یہی ہے۔

ابن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں کہ تقبیل مرأۃ ناقض وضو ہے، یہ خود ان کا تفرد اور ان کا اپنا اجتہاد ہے، یا وضو سے معنی لغوی مراد ہوں گے ہاتھ دھونا کلی کرنا یا یہ استحباب پر محمول ہوگا۔

ایضاً

﴿۳۰۶﴾ **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّأُوْا مِنْهَا۔

حواله: سنن دار قطنی: ۱۴۴، باب صفة ماينقض الوضوء وما ورد في الملامسة والقبلة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۷۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بوسہ لینا ملامست میں داخل ہے، پس اس کے بعد وضو کیا کرو۔

قوله ان القبلة من اللمس فتوضؤوا منها: یہ تین روایتیں ہیں جو تقبیل مرأۃ اور مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرتی ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ یہ تمام روایات موقوف ہیں ان صحابہ پر جو لمس سے نقض وضو کے قائل ہیں یہ روایات مرفوع کے حکم میں نہیں ہیں اس لئے کہ ان میں خود ان کی رائے کو دخل ہوسکتا ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ان کے اقوال احتیاط کی وجہ سے استحباب پر محمول ہوں۔

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک تقبیل مرأۃ مس مرأۃ کی طرح ناقض وضو نہیں اور دلائل وہ کثیر اور مرفوع روایات ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کی تقبیل فرما کر بلا تجدید وضو نماز پڑھنا ثابت ہے جن کی تفصیل مس مرأۃ کے ذیل میں اوپر گذر چکی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۳۴۶/۱، بذل:۱۰۷/۱، اوجز:۲۷۷/۱۔

خون ناقض وضوء ہے

﴿۳۰۷﴾ **وَعَنْ** عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوُضُوْءَ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَلَا رَاٰهُ وَيَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُوْلَانِ۔

حوالہ: دار قطنی:۱۵۷، باب الوضوء، عن الخارج من البدن، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۷۔

حل لغات: سائل بہنے والا۔ سَالَ (ض) سَيْلاً بہنا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز تمیم داری سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہوتا ہے، ان دونوں روایتوں کو دار قطنی نے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے تمیم داری سے نہ سنا ہے نہ ان کو دیکھا ہے، اور یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں۔

تشریح: الوضوء من کل دم سائل: یہی مسلک ہے امام اعظم کا۔

ورواهما الدار قطنی: دارقطنی امام اعظمؒ کے سخت ترین دشمن ہیں جنہوں نے آپ پر مرجیہ ہونے کی تہمت لگائی ہے، اور دارقطنی نے اس حدیث کو بیان کرکے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ ان کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے تو تمیم داری سے نہ سنا اور نہ ان کو دیکھا لہذا حدیث منقطع ہوگئی، اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں، لہذا حدیث قابل استدلال نہیں اس سے پہلے اپنی موافقت میں حدیث مقطوع بیان کی تھی اس پر سے تو خاموشی سے گذر گئے اور یہاں بحث چھیڑ دی۔

ہم کہتے ہیں کہ مجہول کی دو قسمیں ہیں: (۱) مجہول الحال (۲) مجہول الاسم

یہ دونوں حضرات امام ترمذیؒ کے رواۃ میں سے ہیں اور بھی بہت سے ثقہ حضرات ان سے حدیث روایت کرتے ہیں، لہذا جہالت ختم ہوگئی، اور حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ بھی ایسے شخص ہیں جن کی عدالت پر امت کا اتفاق ہے، وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کی نسبت نہیں کرسکتے۔ اور پھر امام زیلعیؒ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کمافی کامل بن عدی، لہذا کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

خارج من غیر السبیلین کی تفصیل

امام شافعی اور مالک واسحاق کے نزدیک خارج من غیر السبیلین ناقض وضو نہیں ہے، خواہ خون یا پیپ وغیرہ ہو، حتی کہ امام مالکؒ کے نزدیک غیر معتاد طور پر سبیلین سے کوئی نجس چیز کا نکلنا بھی ناقض وضو نہیں، جیسے دم استحاضہ۔

امام ابوحنیفہؒ واحمدؒ کے نزدیک کل ماخرج من البدن مطلقاً ناقض وضو ہے، خواہ سبیلین سے ہو یا غیر سبیلین سے ہو، معتاد ہو یا غیر معتاد ہو، البتہ امام احمدؒ قئی میں یہ قید لگاتے ہیں کہ فاحش ہو۔

دلائل شوافع

پہلی دلیل: فریق اول دلیل پیش کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو امام بخاری نے تعلیقاً اور ابوداؤد نے موصولاً تخریج کی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہرہ دینے کے لئے دو صحابی، ایک انصاری اور ایک مہاجر کو مقرر کیا تھا۔ تو انصاری سو گئے اور مہاجر نماز پڑھنے لگے، اتنے میں ایک مشرک نے ان پر تین تیر مارے جس سے بدن سے خون نکلنا شروع ہوا، لیکن وہ نماز پڑھتے رہے حتی کہ خون انصاری صحابی کے نیچے چلا گیا اسی سے وہ جاگ گئے، تو اگر خون ناقض وضو ہوتا تو فوراً نماز چھوڑ دیتے۔

دوسری دلیل: دار قطنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "**احتجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی و لم یتوضأ**"

تیسری دلیل: مؤطا امام مالکؒ میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "**انہ دخل علی عمر رضی اللہ عنہ فی اللیلة التی طعن فیھا فصلی وجرحہ یستعب دما**" اگر خون ناقض وضو ہوتا تو اس کے ساتھ نماز کیسے پڑھی اور اس وقت بہت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی سامنے تھے، کسی نے نکیر نہیں کی، تو گویا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہو گیا عدم نقض پر۔

دلائل احناف

امام ابو حنیفہؒ و امام احمدؒ کی بہت سی دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: تو حدیث الباب ہے: "**الوضو من کل دم سائل**" **الحدیث**. سب

سے اہم وقوی دلیل بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ "**جاء ت فاطمة بنت ابی حبیش الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت انی امرأة استحاض فلا اطهر افادع الصلوة قال لا انما ذلک دم عرق ثم توضئ لکل صلوة**" **الحدیث**. تو یہاں دم عرق پر وضو کا حکم دیا، تو معلوم ہوا کہ سبیلین کے ساتھ خاص نہیں ورنہ تو "**فانه دم فرج**" فرماتے۔

دوسری دلیل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ابن ماجہ میں "**قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اصابه قیٔ او رعاف او مذی فلینصرف ولیتوضأ الخ**" اس میں اسماعیل بن عیاش ایک راوی پر اگر چہ کلام ہے مگر فتاویٰ صحابہ سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔لہٰذا ضعف ختم ہو گیا۔

تیسری دلیل: دارقطنی میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہم کی روایات ہیں اگر چہ الفاظ مختلف ہیں مگر مضمون سب کا ایک ہے کہ خارج من غیر السبیلین سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور انفرادی طور پر ہر ایک میں کچھ نہ کچھ ضعف ہے مگر کثرت کی بناء پر حسن کے درجہ میں پہنچ گئیں، لہٰذا قابل استدلال ہے۔ نیز خارج من السبیلین ناقض وضو ہونے کی علت خروج نجاست ہے۔ اور یہی علت غیر سبیلین میں بھی پائی جاتی ہے، لہٰذا ناقض وضو ہوگا۔

شوافع کے دلائل کے جوابات

(۱)......شوافع کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی عقیل مجہول ہے، اسی وجہ

سے امام بخاری نے صیغہ تمریض سے نکالا۔لہٰذا قابل استدلال نہیں۔

(۲)...... یہ ایک صحابی کا واقعہ ہے معلوم نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی ہے یا نہیں اور آپ کی طرف سے اس کی تقریر ہے یا نہیں۔

(۳)...... ایک صحابی کے غلبہ حال کا واقعہ ہے، اور کسی کا غلبۂ حال حجت نہیں ہو سکتا وہ تو معذور ہے۔

(۴)...... ابو داؤد شریف میں ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا تو نماز چھوڑ دی، اب یہ حدیث ہماری دلیل بن گئی۔

(۵)...... علامہ خطابیؒ جو شافعی المسلک ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے شوافعؒ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ خون سب کے نزدیک ناپاک ہے اور صحابہ کے بدن وجسم وکپڑے میں خون لگا ہے اور اسی کو لے کر نماز پڑھی، حالانکہ ناپاکی لیکر نماز پڑھنا کسی کے نزدیک جائز نہیں، لہٰذا اس واقعہ سے کسی کو استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا، بلکہ اس کو ان کے ساتھ خاص سمجھا جائے گا۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو راوی صالح بن مقاتل، سلمان بن داؤد ضعیف ہیں، لہٰذا قابل استدلال نہیں۔

تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خون بند نہیں ہو رہا تھا، لہٰذا وہ معذورین کے حکم تھے، لہٰذا وہ محل نزاع سے خارج ہے، فلا یستدل به.

دم کی مقدارِ معفو عنہ میں مسالک ائمہ

اس مقام کے مناسب ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ دم معفو کی مقدار کیا ہے؟ اور معاف ہے بھی یا نہیں؟

حنفیہ کے یہاں بقدر درہم معاف ہے اور امام شافعیؒ کی دو روایتیں ہیں، احدهما لايعفى مطلقا، ثانيهما يعفى مادون الكف وهو مذهب احمد، وعند المالكية روايتان: (۱) قدر الدرهم (۲) مادون الدرهم كذا في هامش الكوكب والفيض السمائي.

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بذل: ۱۲۱/۱، تا ۱۲۳/۱، الدر المنضود: ۳۳۰/۱، تا ۳۳۲/۱۔

باب آداب الخلاء

رقم الحدیث :...... ۳۰۸؍ تا ۳۴۶؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب آداب الخلاء

تشریح: خلاء بفتح الخاء خالی جگہ کو کہا جاتا ہے، پھر اس کا اکثر استعمال بیت الخلاء کے لئے کیا جانے لگا اس لئے کہ:

(۱)...... عامۃً وہ جگہ خالی رہتی ہے۔

(۲)...... انسان وہاں تنہا جاتا ہے۔

(۳)...... وہاں پیٹ کو نجاست سے خالی کیا جاتا ہے۔

(۴)...... وہ جگہ ذکر اللہ سے خالی رہتی ہے۔

قضائے حاجت کے سلسلہ میں بھی شریعت مطہرہ میں متعدد آداب کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً

بیت الخلاء کے آداب

(۱)...... بیت اللہ کی تعظیم کا خیال کیا جائے کہ اس کی طرف سامنا یا پیٹھ کر کے قضاء حاجت نہ کی جائے۔

(۲)...... نظافت وصفائی کا خیال کیا جائے، اولاً ڈھیلے سے صفائی کی جائے پھر پانی سے صفائی کی جائے۔

(۳)......لوگوں کے نقصان سے پرہیز کیا جائے کہ سایہ دار درخت کے نیچے یا پانی کے گھاٹ اور عام راستہ میں قضاء حاجت نہ کریں۔

(۴)...... اپنے نقصان اور حیوانات کے نقصان اور ایذا رسانی سے پرہیز کرے کہ سوراخ میں پیشاب نہ کریں۔

(۵)......حقوق جوار کا خیال کریں کہ جنات کی خوراک ہڈی، گوبر، کوئلہ سے استنجاء نہ کریں۔

(٦)......حقوق النفس کا خیال رکھیں کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں۔

(۷)...... کپڑے، بدن کو نجاست سے بچانے کا خیال کریں کہ ہوا کی طرف ہو کر یا نیچے بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب نہ کریں۔

(۸)......لوگوں کی نظر سے تستر اختیار کریں۔

(۹)......وسوسہ سے بچنے کی کوشش کریں کہ غسل خانہ میں پیشاب نہ کریں۔

(۱۰)......حیاء کا خیال کریں کہ بغیر ٹوپی قضاء حاجت میں نہ بیٹھیں۔اور پہلے ہی سے کپڑے نہ اٹھائے بلکہ قریب ہو کر اٹھائے۔

(۱۱)......قضاء حاجت کے وقت آپس میں باتیں نہ کریں۔

(۱۲)......کھڑے ہو کر قضاء حاجت نہ کریں۔

(۱۳)...... بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے اور نکلنے کے بعد دعا کا اہتمام کریں۔

(۱۴)...... بیت الخلاء میں زبان سے ذکر وغیرہ نہ کریں۔

(۱۵)...... پانی وغیرہ میں قضاء حاجت نہ کریں۔

(۱٦)...... بیت الخلاء میں جاتے وقت انگوٹھی جس میں اللہ تعالیٰ کا نام وغیرہ ہو اس کو نکالدے یا ایسے ہی کوئی کاغذ وغیرہ جس میں اللہ تعالیٰ کا نام وغیرہ ہو اس کو نکالدیا جائے، وغیرہ وغیرہ

جس شریعت میں بیت الخلاء کیلئے اتنے آداب ہوں اس کی پاکیزگی اور اس کے کامل ومکمل ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آداب الخلاء میں ان ہی آداب کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

قضاء حاجت کے وقت استقبال قبلہ کی حرمت

﴿٣٠٨﴾ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا۔ (متفق علیہ) وَقَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذَا الْحَدِیْثُ فِی الصَّحْرَاءِ وَاَمَّا فِی الْبُنْیَانِ فَلَا بَاْسَ لِمَا رُوِیَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِرْتَقَیْتُ فَوْقَ بَیْتِ حَفْصَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَہٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَۃِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: (عن ابی ایوب) بخاری شریف:٥٧/١، باب قبلة اهل المدینة واهل الشام المشرق، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:٣٩٤، مسلم شریف:١٣٠/١، باب الاستطابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٢٦٤، (عن عبدالله بن عمر) بخاری شریف:٢٧/١، باب القبر فی البیت، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:١٤٨، مسلم شریف:١٣١/١، باب الاستطابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٢٦٦۔

حل لغات: الغائط نشیبی زمین، پاخانہ کرنے کی جگہ، ج غُوطٌ وَغِیَاطٌ،

لاتستقبلوا باب استفعال سے،مصدر استقبال کسی کے سامنے ہونا،القبلة جہت،سمت، خانہ کعبہ،لاتستدبروا مصدر استدبار، باب استفعال سے، پشت کرنا، پیٹھ دینا،شرقوا مصدر تشریق مشرق کی طرف رخ کرنا،غربوا باب تفعیل سے،مصدر تغریب، القوم مغرب کی طرف جانا، یہاں مراد رخ کرنا،ارتقیت باب افتعال،بلند ہونا،فیه الیه کسی چیز پر چڑھنا،الصحراء بیابان،جنگل،کھلا کشادہ میدان،ج الصحاری، البنیان تعمیر، عمارت،مکان،مراد،آبادی۔

ترجمه: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم قضائے حاجب کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرلو۔ (بخاری ومسلم)

شیخ امام محی السنہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحراء کے بارے میں ہے، اور جہاں تک آبادی کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک دن میں اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کرکے قضائے حاجت فرمارہے ہیں۔

تشریح: اذا اتیتم الغائط: غائط کہا جاتا ہے نشیبی زمین کو، عرب کے اندر شروع زمانہ میں گھروں میں بیت الخلاء کو عیب سمجھتے تھے، چنانچہ بہت سے گاؤں والے آج بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔

غائط: مکان منخفض چونکہ پست جگہ بیت الخلاء کے لئے جاتے تھے اس لئے اب بیت الخلاء ہی کو غائط کہنے لگے، اور جو فضلہ نکلتا ہے اس کو بھی غائط کہتے ہیں۔

مسئلہ استقبال واستدبار

حدیث پاک میں رفع حاجت کے دو آداب بتلائے کہ حالت غائط میں قبلہ کا استقبال اور استدبار نہ کرو، "ولکن شرقوا او غربوا" کہ مشرق ومغرب کی جانب استقبال واستدبار کرلیا کرو۔ یہ اہل عرب اور اہل مدینہ کے واسطے ہیں، اور جہتیں متعین فرمادیں کہ ایسی جہت اختیار کریں جس سے قبلہ کا استقبال یا استدبار نہ ہو۔

ہندوستان کے واسطے ولکن شملوا اور جنبوا ہے۔ کہ جانب شمال یا جانب جنوب رخ کرلیا کرو۔

ارتقیت فوق بیت حفصۃ رضی اللہ تعالی عنہا: بعض روایتوں میں فوق بیتی ہے اور بعض میں بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے چونکہ مکان تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بہن ہیں اور بہن کے مکان کو اپنا مکان کہنا بھی صحیح ہے، اس لئے بیت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنا بھی صحیح اور بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا بھی صحیح ہے۔ اس طرح تینوں روایتیں جمع ہوجاتی ہیں۔

مستدبر القبلۃ مستقبل الشام: شام میں بھی چونکہ قبلہ ہے اگرچہ وہ منسوخ ہوچکا ہے مگر ادب میں تو منسوخ بھی برابر ہوتا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبلہ منسوخ کی طرف چہرہ کئے ہوئے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ کا استقبال واستدبار دونوں جائز ہیں اور ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ استقبال جائز ہے، نہ استدبار، اب دونوں حدیثوں میں تعارض ہوگیا اور رفع تعارض کے

واسطے مجتہدین ہیں وہ اس کو رفع کرتے ہیں۔

مسئلہ استقبال واستدبار میں مختلف مذاہب

(۱)......امام شافعیؒ نے اس تعارض کو رفع کیا، محل بدلنے سے تعارض رفع ہو جاتا ہے۔ زید قائم ای فی المسجد، زید لیس بقائم ای فی المدرسة. دونوں میں کچھ تعارض نہیں ہے۔ اسی طرح الاستقبال و الاستدبار لیس بجائز فی الصحراء، والاستقبال و الاستدبار جائز ان فی البنیان. لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں بیت کی قید ہے اس سے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صحرا کی قید سمجھی جائے گی کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صحرا کا حکم بیان ہو رہا ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بنیان کا، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

(۲)......امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدبار کعبہ کا جواز معلوم ہوتا ہے اس لئے استدبار کعبہ کے حق میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے ناسخ ہوگی، اور استقبال کی دونوں قسمیں فی الصحراء والبنیان دونوں ناجائز اور استدبار کی دونوں صورتیں فی الصحراء والبنیان جائز ہیں۔

(۳)......امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: استدبار فی البنیان کا جائز ہونا معلوم ہوا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے، اس لئے استدبار فی البنیان تو جائز باقی تینوں صورتیں استقبال استدبار فی الصحراء والبنیان اور استقبال فی البنیان ناجائز ہیں۔

(۴)...... نہی تنزیہہ کے لئے ہے لہٰذا چاروں صورتوں میں کراہت تنزیہی ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت ہے۔

(۵)...... نہی قبلتین کو شامل ہے، لہٰذا بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال واستدبار فی الصحراء والبنیان سب ناجائز، ابراہیم نخعیؒ اور ابن سیرینؒ کا یہی مذہب ہے۔

(٦)...... نہی صرف اہل مدینہ اور جو اس سمت میں رہتے ہیں ان کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ "ولکن شرقوا او غربوا" میں ان کو ہی خطاب ہے۔

(۷)...... مطلقاً جائز ہے یعنی چاروں صورتیں جائز ہیں یا تو اس لئے کہ نہی کی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ترمذی اور ابوداؤد میں ہے، "فرأیتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلھا الخ" سے منسوخ ہے، یا اس لئے کہ روایتوں میں تعارض ہے بعض سے نہی اور بعض سے اباحت معلوم ہوتی ہے، اور قاعدہ ہے: اذا تعارضا تساقطا۔ لہٰذا دونوں قسم کی روایات ساقط، اور اصل اشیاء میں اباحت ہے، اس لئے اباحت ثابت ہوگئی۔

(۸)...... نہی تحریمی مطلقاً یعنی چاروں صورتیں مکروہ تحریمی ہیں، یہ مذہب امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا ہے۔

دلائل احناف

احناف اور ان کے متبعین کی دلیل ایسی کلی وعام حدیثیں ہیں جس سے کلی حکم ثابت ہوتا ہے۔

پہلی دلیل: ان میں سب سے اصح "**مافی الباب حدیث ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ** ہے۔ **قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم**

الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولاتستدبروها" (متفق علیه)

دوسری دلیل: حدیث عبداللہ بن حارث بن جزء "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایبولن احدکم مستقبل القبلۃ" (رواہ ابن ماجہ وابن حبان)

تیسری دلیل: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم بمنزلۃ الوالد لولدہ اعلمکم فاذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولایستدبرھا" (رواہ مسلم والنسائی وابوداؤد)

چوتھی دلیل: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔"نھانا ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول" (رواہ مسلم والترمذی)

ان تمام احادیث میں مطلقاً استقبال واستدبار کی ممانعت کی گئی، صحاری وبنیان میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: من تفل وجاہ القبلۃ جاء یوم القبلۃ وتفلہ بین عینیہ. (رواہ ابن خزیمہ وابن حبان)

اسی طرح اسی مضمون کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ابن خزیمہ میں، تو جب تھوک میں صحاری وبنیان کے درمیان کوئی فرق نہیں تو پیشاب پاخانہ میں بطریق اولیٰ کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔

حنفیہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے جوابات

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی طرف سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

(۱)......ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متفق علیہ ہے بخاری ومسلم کا اتفاق ہے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو روی سے بیان کیا ہے گویا اصح وصحیح کے

اندر تعارض ہے اور اصح کو ترجیح ہوتی ہے صحیح پر، لہٰذا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو ترجیح ہوگی۔

(۲)......ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث قولی ہے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث فعلی ہے اور قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۳)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کو ہم اپنے فعل پر قیاس نہیں کر سکتے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ کعبہ سے بڑھا ہوا ہے ہزاروں کعبے ایک طرف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نوری پہلے ہوا کعبہ بعد کو بنایا گیا۔

(۴)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہوئے۔

(۵)......**لاتستقبلوها ولاتستدبروها:** یہ کلیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل جزئیہ ہے اور جب کلیہ اور جزئیہ میں تعارض ہو تو کلیہ کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۶)......**لاتستقبلوا ولاتستدبروا:** سے حرمت معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے اباحت، اور جب حرمت واباحت میں تعارض ہو جائے۔ تو حرمت کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۷)......ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث منسوخ ہو سکتی ہے، ممکن ہے یہ اس وقت کا واقعہ ہو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ممانعت نہیں فرمایا تھا۔

(۸)......ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نظر فجائی تھی اور نظر فجائی میں خطا کا احتمال ہوتا ہے جب ایک

خادم مخدوم کی طرف لڑکا باپ کی طرف یا ایک صحابی نبی کو اس حال میں دیکھے تو وہ دیکھتا ہی نہیں جائیگا، اس لئے اس میں خطا کا احتمال ہے۔

(۹)......اور پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اوپر کا بدن دیکھا تھا استدبار بالصدر اور بالعجہ دیکھا اور اعتبار ہے استقبال واستدبار بالفرج اور اعتبار نچلے حصہ کا ہے اور نچلہ حصہ کارخ صحیح تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما خود فرماتے ہیں کہ جب ہم فلاں جگہ گئے تو وہاں کے قدمچے اس طرح کے بنے ہوئے تھے، جن سے استقبال واستدبار ہوتا تھا، مگر ہم نچلے حصہ کو کچھ پھیر لیتے اور پھر استنجاء کرتے تھے، اور اوپر سے استغفار بھی کرتے تھے۔

(۱۰)......اصل ممانعت عین قبلہ کے استقبال واستدبار کی ہے نہ کہ جہت کی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جہت قبلہ کا استدبار کرتے ہوئے دیکھا، چونکہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قبلہ ظاہر کر دیا گیا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عین قبلہ سے ہٹے ہوئے ہوں۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب

عن جابر بن عبد الله الخ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کے وقت استقبال قبلہ سے منع فرمایا تھا، لیکن میں نے آپ کو انتقال سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ مستقبل قبلہ پیشاب کر رہے ہیں۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ بہت سے علماء مثلاً ابن عبدالبرؒ وغیرہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، حافظ ابن قیمؒ نے تہذیب السنن میں بہت تفصیل سے اس پر کلام کیا ہے اور اس کا ضعف ثابت کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ اس کے اندر محمد بن اسحٰق راوی ہے، **لایحتج به فی الاحکام**، نیز وہ فرماتے ہیں ہیں کہ یہ **حکایۃُ فعلٍ لاعمومَ لھا** کے

قبیل سے ہے، بخلاف احادیث منع کے وہ نہایت صریح اور صحیح ہیں، پھر یہ حدیث ان کا معارضہ کیسے کرسکتی ہے، البتہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے اور امام نوویؒ نے اس میں توقف فرمایا ہے۔

دراصل محمد بن اسحٰق کی تعدیل و تجریح میں بڑا اختلاف ہے، اس میں تو شک نہیں کہ وہ امام المغازی ہیں، فن تاریخ و سیر کے امام ہیں، لیکن حدیث میں بھی معتبر ہیں یا نہیں، یہ مختلف فیہ ہے، شعبہ کہتے ہیں: "هو امير المؤمنين فى الحديث" اور امام مالکؒ نے ان پر سخت نقد کیا ہے، اور یہاں تک فرمایا ہے، "دجال من الدجاجلة" یعنی مکار اور فریبی ہے، علامہ عینیؒ ان کی ثقاہت کے قائل ہیں، اور انہوں نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے، ایسے ہی شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: "ثقة ثقة" واللہ تعالیٰ اعلم

ان وجوہات اور جوابات سے امام اعظمؒ کے مسلک کا راجح ہونا معلوم ہوگیا۔

علت منع کیا ہے

دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ علت منع کیا ہے؟

جمہور کے نزدیک علت منع احترام قبلہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت استقبال واستدبار میں قبلہ کی بے حرمتی ہے، اور شعبیؒ کے نزدیک احترام مصلین ہے، یعنی صحراء کے اندر جو فرشتے اور جنات نماز پڑھتے ہیں ان کی رعایت اور احترام کی وجہ سے ممانعت ہے، ایک اور اختلاف یہ ہے کہ اس استقبال واستدبار میں بے حرمتی کس بنا پر ہے؟

بعض نے کہا خروج نجاست کی وجہ سے، اور بعض کہتے ہیں کہ کشف عورت الی القبلہ کی وجہ سے ہے، لہذا جن چیزوں میں خروج نجس یا کشف عورۃ پایا جاتا ہو تو ان کاموں کے وقت بھی استقبال واستدبار ممنوع ہوگا، چنانچہ فصد اور حجامۃ میں خروج نجاست ہے اور وطی

ختان اور استحداد میں کشف عورۃ ہے، لہذا ان سب کاموں کے وقت بھی استقبال مکروہ ہوگا، ویسے ہمارے یہاں وطی مستقبل القبلہ مکروہ تنزیہی اور تغوط مکروہ تحریمی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التعلیق الصبیح :۱۹۲/۱۹۱/۱، فتح الملہم :۴۲۶/۴۲۵/۱، بذل:۶۰۹/۱، الدر المنضود :۹۹/۱۰۰/۱۔

تین ڈھیلوں سے استنجاء

﴿۳۰۹﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ نَھَانَا یَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِالْیَمِیْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَۃِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِیَ بِرَجِیْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۳۰/۱، باب الاستطابۃ، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر:۲۶۲۔

حل لغات: ان نستنجی، مصدر استنجاء، استنجی المحدث، محدث کا پانی وغیرہ سے پاکی حاصل کرنا، استنجاء کرنا، رجیع لید، گوبر، ج رُجُعٌ، عظم ہڈی ج عِظَامٌ۔

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو منع کیا اس بات سے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کا رخ کریں، یا ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں، یا ہم تین پتھروں سے کم سے استنجاء کریں، یا ہم نجس چیز یا ہڈی سے استنجاء کریں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شان امتیازی رکھتے ہیں، اور اکبر الصحابہ

ہیں سِنًّا، اور اگر یوں کہدیا جائے کہ اکبر الامۃ ہیں سِنًّا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اب تک کسی کی عمر دو سو سال نہیں ہوئی اور ان کی عمر ایک روایت کے مطابق ڈھائی سو سال اور ایک روایت کے مطابق ساڑھے تین سو سال ہوئی ہے۔

تشریح: نهانا يعني رسول الله: راوی کو شبہ ہو گیا ہے کہ نهانا نبی الله ہے یا نهانا محمد اس وجہ سے احتیاطاً ایسا کیا کہ وہ رسول اللہ کو مراد لے رہے تھے، محدثین کی کمال احتیاط اور کمال دیانتداری کی بات ہے کہ اگر ذرا بھی شبہ ہو جائے تو اس کو صاف صاف بیان فرما دیتے ہیں۔

ان نستقبل القبلة: یہ حدیث بھی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے اور امام اعظم کے واسطے حجت ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

او نستنجی باليمين: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دائیں ہاتھ کے ذریعہ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے، اچھے کاموں کو داہنے ہاتھ سے اور برے کاموں کو بائیں ہاتھ سے کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ استنجا کوئی باکرامت کام نہیں اس لئے اس کو بائیں ہاتھ سے کیا جائیگا۔

استنجاء بالیمین میں اختلاف

استنجاء بالیمین سے ممانعت کی گئی ہے، لیکن اگر کسی نے استنجاء بالیمین کرلیا تو استنجاء ہو گیا یا نہیں؟ علماء کا اختلاف ہے۔

اہل ظواہر کے نزدیک استنجاء بالیمین سے طہارت حاصل نہ ہوگی۔ اور بعض شوافع وحنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر جمہور ائمہ کے نزدیک یہ نہی دایاں ہاتھ کی شرافت کے لئے ہے، ورنہ اصل مقصد تو ازالۂ نجاست ہے، وہ جس کسی ہاتھ سے بھی ہو، حاصل ہو سکتی ہے، اور شریعت نے دایاں ہاتھ کو کرامت وشرافت بخشی ہے، چنانچہ ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: "کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لطھورہ وطعامہ وکانت یدہ الیسریٰ لخلائہ وما کان من اذی" اور شریعت نے صرف دایاں ہاتھ کو نہیں بلکہ مطلقاً دائیں طرف کو شرافت بخشی ہے، اس لئے کہ تمام اچھے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے، اور برے کاموں کو بائیں طرف سے، جیسے کہا گیا کہ جب مسجد میں جاؤ تو دایاں پیر پہلے داخل کرو، اور نکلتے وقت بایاں پیر۔ جوتا، کپڑا پہنو تو جانب یمین سے پہنو، اور کھولتے وقت بائیں جانب سے پہلے کھولو، وغیرہا۔ لہٰذا استنجاء بالیمین کی نہی شرافت یمین کے لئے ہے، لہٰذا اگر کرلیا تو ازالۂ نجاست کی بنا پر طہارت ہو جائیگی، لیکن یمین کی بے حرمتی ہوئی اس لئے مکروہ ہوگا۔

تثلیث احجار میں اختلاف

او ان نستنجی باقل من ثلثۃ احجار: تین سے کم ڈھیلوں سے استنجا جائز ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

حضرت امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اسحاق ابن راہویہؒ کے نزدیک تثلیث بالاحجار واجب ہے، یہ حدیث شریف ان حضرات کا مستدل ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تثلیث بالاحجار واجب نہیں بلکہ عام طور پر تین سے کم میں طہارت حاصل نہیں ہوتی، اس لئے یہ نہی فرمائی، اصل مقصود انقاء ہے، لہٰذا یہ نہی نہی تنزیہی ہوگی۔

دلائل احناف

پہلی دلیل: اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حدیث "من استجمر فلیوتر من فعل فقد

احسن ومن لا فلا حرج" ہے۔یہاں ایتار کا خیار دیا گیا اور واجب میں خیار نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:"**اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار يستطيب بهن فانها تجزى عنه**" تو یہاں تین پتھروں کو مرتبہ کفایت میں رکھا، مرتبہ وجوب میں نہیں رکھا۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ اگر پانی سے استنجاء کیا جائے تو اگر ایک دو مرتبہ دھونے سے ازالۂ نجاست وبو دور ہو جائے تو تین مرتبہ دھونا کسی کے نزدیک واجب نہیں ہے، لہٰذا احجار میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے، کیونکہ علت دونوں میں ایک ہے وہ ہے استعمال مطہر۔

دلیل شوافع کے جوابات

شوافع وحنابلہ نے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر تین پتھر سے اکتفاء ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں **فانها تجزئ عنه** ہے۔اس لئے تین کا عدد ذکر کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تین کا عدد علی وجہ الاستحباب ہے تا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تعارض نہ ہو، اور ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جہاں تین کے عدد کا ذکر آیا ہے، مگر سب وہاں استحباب کے لئے لیتے ہیں۔

نیز شوافع بھی اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کرتے کیونکہ کسی نے بڑے پتھر کے تین کونے سے تین مرتبہ مسح کر لیا تو ان کے نزدیک بھی ادا ہو جائے گا تو اصل مقصد بھی ان کے نزدیک تین پتھر نہیں بلکہ تین مسحات ہیں، لہٰذا ہم بھی تاویل کریں گے کہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

برجیع: لید گوبر وغیرہ کو کہتے ہیں لید وغیرہ سے استنجاء کرنے کی ممانعت کی گئی اور ممانعت کی وجہ ان کا ناپاک ہونا ہے، چونکہ یہ چیزیں خود ناپاک ہیں اس لئے ان سے استنجاء

کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، ممانعت کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ جنات کے چوپایوں کی غذا ہے۔

شئی نجس سے استنجاء میں اختلاف

لیکن ممانعت کے باوجود اگر کسی نے لید وغیرہ سے استنجاء کرلیا تو استنجاء ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

امام شافعیؒ واحمدؒ اور ظاہریہ کے نزدیک شئی نجس سے استنجاء ناجائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک شئی نجس سے استنجاء کا تحقق ہوسکتا ہے، بشرطیکہ مقام کا انقاء ہوجائے۔ اور مالکیہ کا مذہب بھی تقریباً یہی ہے۔ لہٰذا روث ورجیع کے ساتھ استنجاء شافعیہ حنابلہ کے یہاں جائز نہ ہوگا، حنفیہ مالکیہ کے یہاں جائز ہوگا گو مع الکراہۃ، لیکن یہاں ایک دوسرا اختلاف ہے وہ یہ کہ امام مالکؒ کے یہاں ماکول اللحم جانور کا روث ورجیع طاہر ہے، صرف غیر ماکول اللحم کی لید ان کے یہاں ناپاک ہے تو ان کے نزدیک ماکول اللحم جانور کی رجیع سے استنجاء جائز مع الکراہۃ ہے، اور غیر ماکول کی رجیع سے گو کافی ہوسکتا ہے، لیکن مع الحرمۃ۔

ہڈی سے استنجاء کی ممانعت

او بعظم: یا ہڈی سے یعنی اس سے بھی استنجاء کرنا منع ہے، ایک تو اس میں مضرت کا اندیشہ ہے اگر کھردری ہے، اور اگر صاف چکنی ہے تو اس سے غلاظت صاف نہیں ہوگی، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہڈی جنات کی غذا ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: "**لایمرون علی عظم الا وجدوا علیہ او فرکا کان علیہ اللحم**" [کہ جنات جب کسی ہڈی پر گذرتے ہیں تو وہ ان کو پہلے سے بھی زیادہ گوشت سے بھری ہوئی ملتی ہے۔]

اور غذا کا احترام ضروری ہے۔ اس وجہ سے ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الدر المنضود: ۱/۱۴۴۔

چند فوائد حدیث: حدیث پاک سے آداب خلاء کے ساتھ جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا چند فوائد بھی معلوم ہوئے۔

(۱)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت ومہربانی کہ جس چیز سے مضرت کا اندیشہ تھا اس سے بھی منع فرمادیا۔ معلوم ہوا کہ اساتذہ میں اپنے طلباء اور مشائخ میں اپنے طالبین ومریدین کی کمال شفقت ہونی چاہئے، اور اسی کمال شفقت کے ساتھ ان کی تربیت کرنا چاہئے۔

(۲)...... جس طرح انسانوں کی غذا کا احترام ضروری ہے جنات کی غذا کا احترام بھی ضروری ہے۔

(۳)......حیوانات کی غذا کا احترام بھی ضروری ہے۔

(۴)......انسانوں کے چوپایوں کی طرح جنات کے حیوانوں کی غذا کا احترام بھی ضروری ہے اس سے شریعت پاک کی کمال جامعیت کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا احسان عظیم ہے کہ ایسی پاکیزہ اور کامل ومکمل شریعت مطہرہ عطا فرمائی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس احسان عظیم کی قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت کی دعاء

﴿۳۱۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲٦/ ١ ، باب مایقول عند الخلاء، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۴۲، مسلم شریف: ۱٦۳/ ١ ، باب مایقول اذا اراد دخول

الخلاء، کتاب الحیض، حدیث نمبر:٣٧٥۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے: "اللھم انی اعوذبک الخ" [اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں، ناپاک جناتوں اور ناپاک جنیوں سے]

تشریح: یہ ایک دعا ہے کہ جب اس ناپاک جگہ پر جائے تو اس دعاء کو پڑھ کر جائے تو بندہ وہاں کی مضرتوں سے بچ جاتا ہے، چونکہ جنات وشیاطین کو گندگی پسند ہے، اس لئے وہ گندی اور ناپاک جگہوں پر رہتے ہیں، اور گندگی کی جگہ پر جمع ہو جاتے ہیں اور پھر انسانوں کو تکلیف پہونچا سکتے ہیں، اس لئے یہ دعا تلقین کی گئی کہ اس دعا کے پڑھنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اور پھر جنات وشیاطین اس کو تکلیف نہیں پہونچا سکتے۔

من الخبث والخبائث ای من ذکور الشیاطین واناثہ: مطلب یہ ہوا کہ میں سب جنات وشیاطین کے مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حدیث پاک کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "من افعال الخبث وعادات الخبائث" کہ میں گندے لوگوں کے افعال اور گندی عورتوں کی عادات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ بیت الخلاء میں جا کر انسان شیاطین کے ہجوم میں گھستا ہے اگر اللہ تعالیٰ ان کے ذکور واناث کے حملوں سے نہ بچائے تو کوئی بچ نہیں سکتا۔ اسی طرح انسان خلوتوں میں برے افعال کا مرتکب ہوجاتا ہے اور پھر وہ افعال اس کی عادت بن جاتے ہیں، مثلاً دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے لگے، دیواروں پر شعر لکھنے لگے، بیڑی سگریٹ پینے لگے یہ سب برے فعل ہیں، اور بہت سے لوگ بیت الخلاء میں جا کر یہ حرکت کرنے لگتے ہیں۔

لیکن بندہ جب اس دعا کو پڑھ کر داخل ہوتا ہے وہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ میں

اللہ تعالیٰ کی پناہ لیکر آیا ہوں، اسلئے وہ شیطان کے اثرات اور نجس اثرات سے بچ جاتا ہے۔

دعا کس وقت پڑھی جائے؟

اور چونکہ یہ دعا دراصل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اسلئے بیت الخلاء میں داخل ہونے سے قبل ہی اسکو پڑھ لینا چاہئے، اور اگر کوئی بیت الخلاء متعین نہیں بلکہ کھلے جنگل وغیرہ میں جارہا ہے تو کشف عورت سے پہلے اس دعا کو پڑھ لے، اگر کوئی کشف عورت سے پہلے یا بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے نہیں پڑھ سکا تو اب نہ پڑھے کہ کشف عورت کے بعد زبان سے پڑھنا بے ادبی ہے، البتہ دل ہی دل میں پڑھ لے، یعنی اسکے معنی کا دل میں استحضار کرلے تو مضائقہ نہیں۔

اختلاف علماء:

جمہور علماء کا مذہب یہی ہے البتہ اس میں بعض مالکیہ ابراہیم نخعیؒ ابن سیرینؒ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف ہے، ان کے یہاں داخل ہونے کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

خاص واقعہ

منہل میں ایک واقعہ لکھا ہے: عرزمیؒ کہتے ہیں کہ میں شعبی کے پاس گیا کہ اگر مجھے بیت الخلاء میں چھینک آئے تو الحمدللہ پڑھوں یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں جب تک کہ باہر نہ آجاؤ، وہ کہتے ہیں پھر میں ابراہیم نخعیؒ کے پاس گیا میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے فرمایا: **احمد الله فان الحمد يصعد ولا يهبط** ہاں! کچھ حرج نہیں ہے، بیت الخلاء میں الحمدللہ پڑھو اس لئے کہ حمد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عمل صالح ہے، وہ اوپر آسمان کی طرف چڑھ جائے گا، نیچے کی طرف نہیں آئے گا، بخلاف نجاست کے وہ نیچے گر جاتی ہے، یہ اشارہ ہے باری تعالیٰ کے قول "**اليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح**" کی طرف بہرحال

اس واقعہ سے ابراہیم نخعیؒ کا مسلک معلوم ہوگیا۔

حدیث الباب میں اگرچہ "اذا دخل الخلاء" ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاء بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد پڑھی جائے، لیکن الادب المفرد کی روایت میں اذا اراد ان یدخل الخلاء واقع ہوا ہے جس سے بات صاف ہوگئی۔ اور بعض دفع فعل کا اطلاق ارادۂ فعل پر ہوتا ہے، تو "اذا دخل الخلاء" "اذا اراد دخول الخلاء" کے معنی میں ہوگا۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۳۴۸/۱، بذل: ۳/۱، فتح الملہم: ۴۹۹/۱، الدر المنضود: ۸۹/۱۔

پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا عذاب قبر کا سبب ہے

﴿۳۱۱﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُمَا قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۳۴/۱، باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۱۶، مسلم شریف: ۱۴۱/۱، باب الدلیل علی نجاسۃ البول ووجوب الاستبراء عنہ، حدیث نمبر: ۲۹۲۔

تنبیہ: یہ حدیث بخاری شریف میں "کتاب الجنائز و کتاب الادب" میں بھی ہے۔

حل لغات: قبرين، تثنیہ ہے،واحد قبر، مردہ کے دفن کرنے کی جگہ، لایستنزہ استفعال سے،مصدر استنزاہ، بچنا،محفوظ رہنا،النمیمۃ چغلی،چغل خوری،یمشی بالنمیمۃ چغلی کرنا،جریدۃ کھجور کی ٹہنی،ج جرائد، رطبۃ الرطب کا مؤنث ہے،تر، بھیگا ہوا،شق (ن) شقا الشیء پھاڑنا،یخفف عنہ آرام پہنچانا،سکون بخشنا،لم ییبسا (ض،ن)یبسا ویبوسۃ خشک ہونا،سوکھ جانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوقبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کوعذاب دیا جارہا ہے،اورعذاب کسی بڑی بات کے سلسلے میں نہیں دیا جارہا ہے،ان میں سے ایک شخص تو وہ ہے جواپنے آپ کو پیشاب سے نہیں بچاتا تھا،اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ جو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا،اوردوسرا شخص وہ ہے جو چغل خوری کرتا تھا،پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ٹہنی لے کر اس کو دو حصوں میں چیر دیا،پھر ہر ایک قبر پر ایک ٹہنی گاڑ دی،صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ آپ نے کس لئے کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امید ہے کہ یہ ٹہنیاں جب تک ہری رہیں گی،اس وقت تک دونوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

قبر والوں کے مسلم،غیر مسلم ہونے میں اختلاف

تشریح: قولہ مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قبرین الخ: یہاں پر بحث یہ ہے کہ یہ دونوں قبر والے مسلم تھے یا غیر مسلم، اس میں دونوں قول ہیں،چنانچہ ابوموسیٰ المدینیؒ کی رائے بالجزم یہ ہے کہ یہ غیر مسلم تھے،اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے:ھلکا فی الجاھلیۃ. لیکن یہ

روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ابن لہیعہ راوی ہیں، اور ابن العطارؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ قبر والے مسلمان تھے، اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے: مر علی قبرین جدیدین. اور مسند احمد کی روایت میں ہے: مر بالبقیع. نیز آپ نے سوال فرمایا: من دفنتم الیوم؟ ان سب روایات کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کی قبریں تھیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کے نام نہ معلوم ہو سکے، کسی بھی روایت میں نام کی تصریح نہیں ملی، غالبًا رواۃ نے مسلمان کی پردہ پوشی کے پیش نظر قصداً ایسا کیا ہے۔

انهــمــا کے اندر ضمیر کا مرجع صاحب قبر ہیں۔ چونکہ قبر کو تو عذاب ہی نہیں ہوتا، آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر باوجود بعد زمانی ومکانی کے حالات کا انکشاف ہو جاتا تھا، یہاں عالم برزخ کے حالات آپ پر منکشف ہو گئے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کس وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے۔

دونوں گناہ اور عذاب قبر میں مناسبت:

بعض حضرات نے جمع بین الخصلتین کے لئے یہ مناسبت بیان کی ہے، کہ قبر یعنی عالم برزخ مقدمۂ آخرت ہے اور روز قیامت حقوق اللہ میں سے اولاً نماز کا حساب ہوگا اور مفتاح صلوۃ طہارت ہے، اور حقوق العباد میں سے اولاً خون کا حساب ہوگا اور مفتاح دم غیبت وچغلی ہے، چونکہ اس سے فتنے پھیلتے ہیں جو ناحق خون بہانے کا سبب بنتے ہیں، لہذا عالم برزخ یعنی مقدمۂ آخرت میں دونوں کے حقوق کے مقدمہ پر عذاب ہو رہا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ شرح ہدایہ میں ہے روز

قیامت اولاً نماز کے متعلق سوال ہوگا لیکن صلوۃ کا مقدمہ طہارت ہے، "مفتاح الصلوۃ الطھور" اورطہارت کی دوقسمیں ہیں ایک ظاہری دوسری باطنی "لایستتر من البول" میں ظاہری طہارت کا ذکر ہے، اور "کان یمشي بالنمیمة" میں باطنی طہارت کا ذکر ہے، "لان النمیمة اکل لحم الاخ" اس لئے کہ چغلی کرنا یہ معنوی طور پر گویا اپنے بھائی کا گوشت کھانا ہے، لہذا مقدمہ آخرت میں مقدمہ صلوۃ پر عذاب ہورہا ہے۔(فتح الملھم: ۴۵۵/ ۱، التعلیق الصبیح: ۱۹۳/ ۱، فیض الباری: ۳۱۰/ ۱)

واما احدھما فکان لایستنزہ من البول: ان میں سے ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتے تھے، اور جب پرہیز نہ کرے تو اتنی مقدار بھی ہوہی جاتی ہے، جس سے نماز نہیں ہوتی تو یہ بڑا گناہ ہوا۔

اشکال وجواب

سوال: اب رہا یہ سوال کہ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمادیا وما یعذبان من کبیر حالانکہ جس چیز کی وجہ سے عذاب ہورہا ہے اس کے کبیر ہونے میں کیا شبہ ہے۔

جواب اول: جواب اس کا یہ ہے کہ ان چھینٹوں سے بچنا کوئی مشکل کام نہ تھا احتیاط نہ رکھنا تو گناہ کبیرہ ہے، اور احتیاط کرنا مشکل نہیں ہے، ایسے ہی دوسرا شخص غیبت کیا کرتا تھا، حالانکہ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے، مگر آپ نے کبیرہ کی نفی کی ہے۔اس وجہ سے کہ اس سے احتیاط مشکل کام نہ تھا۔

جواب دوم: دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ ان چیزوں کو بڑا گناہ نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ فی نفسہ دونوں بڑے گناہ تھے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"وتحسبونه هينا وهو عند الله عظيم" کہ تم اس کو ہلکا اور معمولی سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا بھی فرمائی اور تدبیر بھی کی کہ دو ہری شاخ ان قبروں پر گاڑ دی، کیونکہ جب تک وہ ہری ہیں تو زندہ ہیں، اور ہر زندہ چیز استغفار و تسبیح کرتی ہے: "وان من شيء الا يسبح بحمد ربه ولكن لاتفقهون تسبيحهم" الأية. اور جب تسبیح ہوتی ہے تو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے کہ جب تک یہ خشک ہوں گی اس وقت تک تو تخفیف رہے گی۔

قبروں پر پھول چڑھانے پر استدلال

اس حدیث سے بعض لوگ قبروں پر پھولوں کے چڑھانے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو لکڑی کو گاڑا تھا، چڑھایا نہیں تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف ہو گیا تھا یا وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا، کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے، اور جو لوگ پھول چڑھاتے ہیں وہ تو یہ سمجھ کر نہیں چڑھاتے کہ یہ معذب ہیں، بلکہ اولیاء اللہ اور مشائخ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں ورنہ تو چاہئے تھا کہ فساق و فجار کی قبروں پر چڑھایا کرتے۔

اگر یہ امر مشروع ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے اصحاب کی قبروں پر بھی ایسا کرتے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کبھی ایسا نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ان ہی دو کے واسطے مخصوص تھا، دوسروں کے واسطے جائز نہ تھا۔ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، وحی سے کیا، نیز وہاں رفع عذاب میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی دعا اور دست مبارک کی برکت کا بھی دخل تھا۔

اس لئے اس واقعہ سے قبروں کی گل پوشی کے جواز پر استدلال درست نہیں اور اگر جواز ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوتا۔

فوائد حدیث

اس حدیث سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱)...... عذاب قبر کا حق ہونا، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اور محققین معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں، لیکن بعض دوسرے معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ سے رد کرتے ہیں، کہ مردہ جماد ہے، اس کو عذاب قبر کا کیسے احساس ہوگا اور ویسے بھی یہ مشاہدے کے خلاف ہے، اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ یہ عذاب جسم کو ہوتا ہے اور اعادۂ روح کے ساتھ، اب چاہے روح کا اعادہ پورے جسم میں ہو یا بعض میں جس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، **قاله العيني**. نیز علماء نے لکھا ہے کہ بچوں کو قبر میں فہم اور حس دیجاتی ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مشاہدہ کریں۔

(۲)...... بول کا مطلقاً ناپاک ہونا، ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول کا، اس لئے کہ حدیث میں **"لا يستنزه من البول"** مطلقاً ہے، خواہ اپنا پیشاب ہو یا جانور کا اور **"المطلق يجري على اطلاقه"** مشہور قاعدہ ہے، یہی احناف اور شوافع کا مسلک ہے، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بول ماکول اللحم طاہر ہے، یہی امام محمدؒ فرماتے ہیں۔

خطابیؒ شارح حدیث نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تمام ابوال مطلقاً ناپاک ہیں ماکول اللحم کے ہوں یا غیر ماکول کے، لیکن ابن بطال مالکیؒ فرماتے

ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہاں اگر چہ "لایستنزہ من البول" آیا ہے مگر دوسری جگہ اسی روایت میں بولہ ہے، اور مراد اس سے بول انسان ہے، اور بولِ انسان سب ہی کے یہاں ناپاک ہے۔

(۳)......قبر کے سرہانے کوئی پودا لگانے کی گنجائش اور مفید ہونا حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ عمل بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تابعین، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں اس لئے اس کا بھی ترک کرنا ہی اولیٰ ہوگا۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۳۵۱/۱، فتح الملہم:۴۵۵/۱، فیض الباری:۳۱۱/۱، الدر المنضود:۱۱۳،۱۱۴/۱۔)

عام راستہ اور سایہ دار جگہ میں پاخانہ کرنا

﴿۳۱۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۳۲/۱، باب النهی عن التخلی فی الطرق والظلال، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۶۹۔

حل لغات: اللاعنین لعنت کرنے والے، ظل سایہ، ج ظلال واظلال.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو لعنت والی چیزوں سے بچو! صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! لعنت والی دو چیزیں کیا ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں کے راستے میں یا ان کے سائے کی جگہ میں پاخانہ کرے۔

تشریح: اللاعن الخ: فاعل ذی کذا (لعنت والا) جیسے تامر' ای ذی تمر' یعنی یہ دونوں فعل لعنت کا سبب ہیں، اور کبھی فاعل مفعول کے معنی میں ہوتا ہے، تو لاعن بمعنی ملعون ہوگا، مجاز عقلی کے طور پر۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ پہلے اجمالاً بیان کرتے تھے، تاکہ لوگ سوال کریں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب ارشاد فرمادیں اس طریق سے بات اوقع فی النفس ہوجاتی ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے۔

الذی یتخلی فی طریق الناس: جو لوگوں کے راستہ میں پائخانہ کرتا ہے یہ بھی لعنت کا سبب ہے سب لوگ اس راستہ سے گذرنے والے اس کو گالیاں دیتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔

او فی ظلہم: اور لوگوں کے سایہ کی جگہ جہاں وہ اٹھتے بیٹھتے ہیں، پائخانہ پیشاب کرنا بھی لعنت کا سبب ہے، لوگ اس کو پھٹکاریں گے کہ یہی تو آرام کرنے اور بیٹھنے کی جگہ تھی، کمبخت اسی کو خراب کرگیا، مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ پائخانہ پیشاب نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف ہو، بلکہ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے لوگوں کو اذیت ہو، ایسے ہی اپنے نفس کا احترام بھی ضروری ہے، انسان کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے اپنی ذلت ورسوائی ہو، یہاں دو چیزوں کو اس لئے ذکر کیا کہ ان میں ابتلاء زیادہ ہے، اور لوگوں کی عادت ہے کہ جو شخص یہ کام کرتا ہے اس کو لعنت ملامت کرتے ہیں، نیز یہاں حصر مقصود نہیں کہ صرف یہی دو چیزیں لعنت کا سبب ہیں، بلکہ ان میں سے یہاں صرف دو کو بیان کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الملہم: ۴۲۸/۱، بذل: ۱۸/۱، مرقاۃ: ۳۵۱/۱۔

پانی پینے کے برتن میں سانس لینا اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا یا ذکر کو چھونا

﴿٣١٣﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهٖ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲۷/۱، باب النهی عن الاستنجاء بالیمین، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۵۳، مسلم شریف: ۱۳۱/۱، باب المذکور، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۶۷۔

حل لغات: یتنفس باب تفعّل سے، سانس لینا۔ الانـاء برتن، ج آنیة جمع او انی، یمسُّ مسًّا (س) چھونا۔

ترجمه: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو وہ برتن میں سانس نہ لے، اور جب پاخانے جائے تو داہنے ہاتھ سے اپنے عضو مخصوص کو نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔

تشریح: پانی یا کوئی اور چیز پیتے وقت منھ سے برتن لگاتے ہوئے سانس لینا خلاف ادب ہے، اس وجہ سے برتن کو منھ سے ہٹا کر سانس لینا چاہئے، چونکہ سانس کے ساتھ اندر کے جراثیم باہر نکلتے ہیں، اس لئے برتن میں سانس لینے سے وہ اسی شی میں داخل ہو جاتے ہیں، نیز سانس خود اندر کی رطوبتوں پر گذر کر آتا ہے جس کا کچھ نہ کچھ اثر سانس کے اندر موجود ہوتا ہے برتن میں سانس لینے سے اس کا اثر برتن میں آئیگا جو نظافت کے خلاف ہے۔

اور کبھی سانس کے ساتھ ناک سے ریزش بھی نکل جاتی ہے اس لئے برتن میں سانس

لینے سے منع کیا گیا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے اندر کس درجہ نظافت و پاکیزگی کا خیال رکھا گیا ہے، اگر یہ پاکیزہ شریعت نہ ہوتی تو کوئی عقلمند سے عقلمند ان چیزوں کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

فلا یمس ذکرہ بیمینہ: دائیں ہاتھ سے ذکر کو چھونا بھی خلاف ادب ہے، اس لئے بوقت ضرورت بایاں ہاتھ استعمال کرے، اور عورت بھی اپنی فرج کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے۔

و لا یتمسح بیمینہ: اور نہ استنجا کرے دائیں ہاتھ سے، ڈھیلا استعمال کرنے کو تمسیح کہتے ہیں۔

اشکال مع جواب

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ پانی پینے کے ساتھ پیشاب کا ذکر کرنا بظاہر دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پانی پینا ہی پیشاب کا سبب ہوتا ہے اس لئے مناسب ہوا کہ جب پانی پینے کا ادب ذکر فرمایا تو اس سے ذہن منتقل ہو گیا پیشاب کی طرف بھی سبب ہونے کی وجہ سے اس لئے جب پانی پینے کا ادب ذکر فرمایا تو ساتھ ہی پیشاب کا ادب بھی ذکر فرما دیا۔ فقط

ناک صاف کرنے کا حکم

﴿٣١٤﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَلْیَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۸، باب الاستنثار فی الوضوء، کتاب

الوضوء، حدیث نمبر:۱۶۱،مسلم شریف: ۱/۱۲۴، باب الایتار فی الاستجمار، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۳۷۔

حل لغات: فلیستنثر مصدر استنثار، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا،استجمر مصدر استجمار، ڈھیلوں سے استنجاء کرنا،فلیوتر اوتر العدد ایک کرنا،طاق کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جوشخص وضوء کرے تو اس کوناک صاف کرنا چاہئے۔اور جوشخص ڈھیلے کا استعمال کرے،تو اس کوطاق ڈھیلے لینا چاہئے۔

تشریح: حدیث شریف میں ایک ادب وضوکا بیان کیا ایک استنجے کا۔ وضوکا ادب ناک میں پانی ڈال کرناک کواچھی طرح صاف کرنا، دوسرا استنجے کا ادب بیان فرمایا کہ استنجے میں ایتار کرے،یعنی طاق عدد کے مطابق ڈھیلے استعمال کرے۔

ومن استجمر فلیوتر: استجمار کے تین معنی آتے ہیں: (۱) رمی جمار یعنی حج میں جمرات کو سات دفعہ کنکری مارنا ضروری ہے۔(۲) استنجا کرنا۔(۳) دھونی دینا۔ان تینوں مقامات پر ایتار کرے۔

"ایتار" ایسا عدد استعمال کرنا جو دوحصوں پر برابر برابر (بغیر کاٹے ہوئے) تقسیم نہ ہوسکے،مثلاً: ایک،تین، پانچ،سات۔

امام اعظمؒ کے نزدیک ایتار مستحب ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ایتار واجب ہے،حضرت امام شافعیؒ حدیث الباب سے وجوب پر استدلال فرماتے ہیں۔

حنفیہ کی دلیل ابوداؤد شریف کی حدیث ہے جس میں یہ اضافہ ہے من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج الحدیث. اور یہ امر وجوب پر محمول ہوتا تو فلاحرج نہ فرماتے۔(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الملہم:۱/۴۰۱)

استنجاء بالماء

﴿۳۱۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۲۷/۱، باب الاستنجاء بالماء، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۵۰، مسلم شریف: ۱۳۲/۱، باب الاستنجاء بالماء من التبرز، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۷۱۔

تنبیه: حدیث کے مذکورہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں، لیکن مسلم شریف میں ''انا وغلام'' کے بعد لفظ ''نحوی'' کا اضافہ ہے، بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے، لیکن الفاظ میں کچھ فرق ہے۔

حل لغات: غلام نوجوان لڑکا، ج غلمان وغلمة، اداوة پانی کا برتن، ج اداوی، عنزة نیچے پھل لگا ڈنڈا، ج عنزات.

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو میں اور ایک دوسرا لڑکا پانی کا برتن اور برچھی لے کر جاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی سے استنجاء فرماتے۔

تشریح: جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے یہ اس وقت کی خدمت پر مامور تھے، غلام سے مراد ان کے چھوٹے بھائی یا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا حضرت بلال رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اعتراض: اعتراض ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غلام کیسے کہہ رہے ہیں، حالانکہ غلام تو لڑکے کو کہتے ہیں جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت سن رسیدہ

بزرگ ہو چکے تھے۔

جواب: بعض لوگ بڑھاپے میں بھی صحت کے اعتبار سے لڑکوں کی طرح ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو غلام کہدیا، یا اس لئے کہ جوانوں کی طرح خدمت کے لئے مستعد رہتے تھے۔

عنزۃ: ایسا نیزہ جس کے نیچے لوہے کی کیل سی لگی رہتی ہے چونکہ آپ جنگل تشریف لیجاتے تھے، اس وجہ سے نیزہ بھی ساتھ رکھتے تھے۔ اس سے بہت سے فائدے تھے۔

فوائد حدیث

(۱)......ایک فائدہ ڈھیلے اکھاڑنا تھا۔

(۲)...... دوسرے پیشاب وغیرہ کے لئے زمین کو نرم کرنا تاکہ پیشاب کی چھینٹوں سے حفاظت ہو۔

(۳)......تیسرے بوقت ضرورت اس کو سترہ بنالیتے تھے۔

(۴)......چوتھے اس کے ذریعہ دشمن سے حفاظت کرسکتے تھے۔

(۵)......پانچویں کسی موذی جانور سے حفاظت کرسکتے تھے۔

خاص فائدہ

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شاگردوں سے خدمت لینا صحیح ہے، مگر اسی سے خدمت لیجائے جو شائق ہو اور اس کی تربیت مقصود ہو۔

یستنجی بالماء الخ: اس سے پانی سے استنجاء کرنے کا جواز معلوم ہوا، جو لوگ پانی کے مطعوم ہونے کی وجہ سے اس سے استنجاء کرنے کو مکروہ کہتے ہیں ان کی تردید بھی ہوجاتی ہے، کہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی گنجائش نہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۳۵۳/۱، بذل المجہود: ۲۸/۱)

﴿الفصل الثانی﴾

بیت الخلاء میں جاتے ہوئے انگوٹھی کو نکال دینا

﴿۳۱۶﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَہٗ۔ (رواہ ابو داؤد، والنسائی، والترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدُ ھٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۴/ ۱، باب الخاتم یکون فیه ذکر الله تعالیٰ یدخل الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۹،نسائی شریف: ۸/ ۱۷۸، باب نزع الخاتم عند دخول الخلاء، کتاب الزینة، حدیث نمبر:۵۲۲۸،ترمذی شریف: ۳۰۴/ ۱، باب ماجاء فی لبس الخاتم فی الیمین، کتاب اللباس، حدیث نمبر:۱۷۴۶۔

تنبیہ: امام ترمذیؒ نے باب مذکور میں جو حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ مختلف ہیں، البتہ انہوں نے حسب عادت اس باب میں فلاں فلاں کی حدیث اور ہے کہا ہے۔ جس میں مختلف راویوں کے ساتھ "عن انس رضی الله عنه" کہہ کر اس حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ حدیث مذکور بعینہ ان الفاظ میں ترمذی کا جو نسخہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں نہیں مل سکی ہے۔

حل لغات: نزع الشیئ من مکانه (ض) نزعاً، کسی چیز کو نکالنا، اتارنا، خاتم انگوٹھی، ج خواتیم.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ اور ابوداؤد نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے۔ نیز ابوداؤد کی روایت میں "نزع" کے بجائے "وضع" کا لفظ ہے۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استنجاء کو تشریف لیجاتے تو اپنی انگوٹھی اتار کر رکھدیتے کیونکہ اس پر محمد رسول اللہ کا نقش بنا ہوا تھا۔

فائدہ

اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایسی چیز کو جس پر کوئی آیت یا اللہ تعالیٰ اور رسول کا نام لکھا ہوا ہو جیسے کوئی کاغذ وغیرہ استنجے کی حالت میں اپنے پاس نہ رکھے، یہی تقاضائے ادب ہے اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۳۵۳/۱، بذل: ۱۳/۱)

تنبیہ: نیز یہی حکم جماع کے وقت بھی ہے۔

حدیث الباب کے بارے میں محدثین کا اختلاف رائے

قال ابو داؤد هذا حديث منكر: یہ قال ابوداؤد کا فی اہم ہے۔ امام نسائی کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور امام دارقطنیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاذ ہے، کیونکہ اس میں انہوں نے اختلاف رواۃ کا ذکر کیا ہے، اس کے بالمقابل امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ غریب بھی کہا ہے، اب گویا امام ابوداؤدؒ ایک جانب ہوگئے، دوسری جانب امام ترمذیؒ دونوں کی رائے مختلف ہے، حافظ منذریؒ اس مسئلہ میں امام ترمذیؒ کے ساتھ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس کے رواۃ ثقات واثبات ہیں۔ (الدر المنضود: ۱۰۸/۱)

جنگل میں بیت الخلاء کے لئے دور جانا

﴿۳۱۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ إِنْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/ ۱، باب التخلي عند قضاء الحاجة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۔

حل لغات: اَلْبَرَازَ کھلی فضا جہاں درخت وغیرہ نہ ہوں، پاخانہ، بیت الخلاء۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور جاتے تھے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔

تشریح: براز: بڑا جنگل، اور چونکہ اس زمانہ میں عموماً جنگل ہی میں پاخانہ کیا کرتے تھے، اس لئے اس کو بھی براز کہتے ہیں، اور جو فضلہ پیٹ کے اندر سے نکلتا ہے اس کو بھی براز کہتے ہیں۔

عرب چونکہ بہت نفیس الطبع تھے اسلئے وہ پاخانہ کے واسطے باہر جنگل میں جایا کرتے تھے، گھر میں بیت الخلاء کو پسند نہ کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ غایت درجہ باحیاء تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنجا کے لئے بہت دور جاتے تھے اور اس میں دو فائدے تھے: اول یہ کہ جسم پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ دوسرے یہ کہ کوئی آواز نہ سنے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں حیاء کے خلاف ہیں۔ دور جانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اطمینان سے اور کھل کر فارغ ہو سکے گا، اگر قریب میں لوگ ہونگے تو اخراج ریح میں تامل ہوگا، اور حیا آئے گی، نیز آبادی والوں کی بھی اس میں مصلحت ہے کہ گندگی ان سے دور رہے گی۔

فضلات نبی صلی اللہ علیہ وسلم

گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات رائحہ کریہہ سے محفوظ تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل میں سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فضلہ زمین نگل لیتی تھی، نیز یہ بات گھروں میں بیت الخلاء بنائے جانے سے قبل کی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بذل: ۲/۱، الدر المنضود: ۸۱/۱۔

پیشاب کے لئے جگہ تلاش کرنا

﴿۳۱۸﴾ وَعَنْ أَبِىْ مُوْسٰى رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُوْلَ فَأَتٰى دَمِثًا فِىْ أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُوْلَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۱، باب الرجل یتبوأ لبولہ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۳۔

حل لغات: دمثاً دمث المکان وغیرہ (س) دمثا جگہ کا نرم وہموار ہونا، فلیرتد ارتاد ارتیادا، باب افتعال سے، الشیٔ تلاش کرنا، جستجو کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرنے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیوار کی جڑ کے پاس نرم زمین پر پہنچے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا، اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ پیشاب کیلئے نرم زمین تلاش کرے۔

تشریح: ذات یوم: لفظ یوم پر ذات کی زیادتی تفہیم و تحسین کے واسطے

ہوتی ہے۔

دمثا: کوڑی

فلیرتد: اس کا مادہ رود ہے، معنی تلاش کرنا، یہاں اس کا مفعول بہ محذوف ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی پیشاب وغیرہ کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ ایسی جگہ تلاش کرے جہاں پیشاب کی چھینٹ اور کشف عورت وغیرہ سے حفاظت ہوتی ہو۔

اشکال مع جوابات

اشکال: یہ ہے کہ پیشاب کے اندر نمکییت ہوتی ہے اور اس سے دیوار کمزور ہوتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے باوجود وہاں پیشاب کیوں فرمایا؟

جواب: اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱)......وہ دیوار کسی کی ملکیت نہیں تھی۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار سے کچھ ہٹ کر اس طرح بیٹھے تھے کہ پیشاب دیوار کی جڑ میں نہ پہونچے۔

(۳)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کی رضامندی کو سمجھ لیا تھا۔

(۴)......ممکن ہے وہ ایسے مکان کی دیوار ہو جو منہدم ہو گیا ہو اور اس کی کچھ دیواریں باقی ہوں اور لوگ ان پر پیشاب کیا کرتے ہو۔

(۵)......یا وہ ایسی جگہ تھی جو اسی کام کے لئے تھی، لہذا ایسی جگہ کے لئے مالک کی اجازت ضروری نہ تھی۔(فیض الباری:۱/۳۱۸)

قضائے حاجت کے وقت ستر کھولنا

﴿۳۱۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ۔ (رواه الترمذی، وابوداؤد، والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ١/١٠، باب الاستتار عند الحاجة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:١٤، ابوداؤد شریف: ١/٣، باب کیف التکشف عند الحاجة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:١٤، دارمی: ١٧٨، باب حدثنا عمرو بن عون، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:٦٦٦۔

حل لغات: یدنو دنا یدنو (ن) دنوا قریب ہونا، نزدیک ہونا۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تھے، تو جب تک زمین سے بالکل قریب نہیں ہوجاتے اپنا کپڑا اٹھاتے نہیں تھے۔

تشــریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے پائخانہ پیشاب کا ایک ادب معلوم ہوا کہ پائخانہ پیشاب کے لئے بیٹھتے وقت جب زمین کے بالکل قریب ہوجائے اس وقت ستر کھولے، چونکہ ستر کھولنا بضرورت جائز ہے اور ضرورت اسی وقت ہے اس سے پہلے نہیں۔

فوائد

معالج کے سامنے ستر کھولنا: نیز حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ستر کھولنا بضرورت درست ہے، مگر بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت جیسے معالج وغیرہ کے سامنے وہاں بھی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کالحاظ رکھنا ضروری ہے۔

تنہائی میں ستر کھولنا: حدیث پاک سے ایک ادب یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلاضرورت ستر کھولنا حیا اور ادب کے خلاف ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا

ہے "فاللہ احق ان یستحیی منہ من الناس" [لوگوں کے مقابلہ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے]۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۳۵۴/۱، بذل: ۱۰/۱۔

استنجے کے چند آداب

﴿۳۲۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُکُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَنَهٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰی اَنْ یَسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِهٖ۔ (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۲۷، باب الاستنجاء بالحجارة والنهی عن الروث والرمة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۱۳، دارمی: ۱۸۲/۱، باب الاستنجاء بالاحجار، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۷۴۔

حل لغات: الروث، لید، گوبر، کھر والے چوپائے کا فضلہ، ج ارواث، الرمة، بوسیدہ ہڈیاں، ج رمم ورمام، یستطیب استطاب باب استفعال سے، پاک وصاف ہونا، گندگی دور کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کیلئے ہوتا ہے، چنانچہ میں تم لوگوں کو سکھاتا ہوں کہ جب تم لوگ بیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منھ کرو، اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھروں کے ذریعہ سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور لید وہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: انما انا لکم مثل الوالد لولدہ: کتنا شفقت بھرا جملہ

ہے میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا کہ باپ بیٹے کے واسطے۔ پس تم بھی میرے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسا بیٹا باپ کے ساتھ کرتا ہے۔

اور باپ بیٹے کو ہر چیز کا ادب اور ہر قسم کی تعلیم دیتا ہے اسی طرح میں بھی تم کو سب ضروری دینی باتوں کی تعلیم دیتا ہوں۔

فوائد حدیث

حدیث شریف سے چند امور معلوم ہوتے ہیں:

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت کا علم ہوا۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پائخانہ پیشاب تک کے آداب کی تعلیم دی ہے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق آداب کی تعلیم دی ہے، اس سے شریعت کا کامل ومکمل ہونا بھی معلوم ہوا۔

(۳)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت کو بھی ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہئے جیسے اولاد باپ کے ساتھ کرتی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

(۴)...... معلم کو اپنے طلباء کے ساتھ شیخ کو اپنے طالبین کے ساتھ ایسی ہی شفقت ہونی چاہئے جیسے باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۵)...... باپ کو اپنی اولاد کی تربیت کی فکر کرنا چاہئے۔

(٦)...... اساتذہ اور مشائخ کو بھی اپنے ماتحتوں کی تعلیم وتربیت کی فکر ہونی چاہئے، مگر شفقت کے ساتھ۔

(۷)...... طلباء کو اپنے اساتذہ کے ساتھ طالبین کو اپنے مشائخ کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہونا چاہئے جیسا کہ اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۸)......طلباء کو اپنے اساتذہ سے اور طالبین کو مشائخ سے ضروری بات معلوم کرنے میں شرم نہیں کرنا چاہئے۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بذل:٦/١، مرقاۃ: ١/٣٥٤۔

فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها: یہ بھی عام ہے اس میں صحراء وبنیان کی قید نہیں لہٰذا یہ حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے حجت ہے، جیسا کہ تفصیل سے اوپر گذر چکا۔

امر بثلثة احجار: ایتار احجار امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مستحب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے، جیسا کہ تفصیل اوپر گذر چکی۔

روث: لیدرمه: بوسیدہ ہڈی۔ ہڈی سے استنجاء کرنے کی ممانعت کی وجہ اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

دائیں اور بائیں ہاتھ کے کام

﴿۳۲۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى لِخَلَائِهٖ وَمَا كَانَ مِنْ أَذًى۔ (رواہ ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ١/٥، باب کراهیة مس الذکر بالیمین فی الاستبراء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۳۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا ہاتھ وضوء کے لئے اور کھانے کے لئے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ استنجاء کے لئے اور ہر کراہت والے کام کے لئے تھا۔

تشریح: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عام اصول بیان فرمادیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر اچھے کام کے لئے دایاں ہاتھ اور برے اور گھٹیا کام کے لئے بایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے۔

وکانت یدہ الیسری لخلائہ وما کان من اذی:
یہاں کان تامہ اور من بیانیہ ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ استنجاء کے لئے تھا اور اس جیسے تمام کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ سے ہی انجام دیتے تھے، ہر وہ کام جس کو کرتے ہوئے پاکیزہ طبیعت میں تکدر پیدا ہو اور گھن آئے وہ سب "اذی" میں داخل ہے، جیسے ناک کی ریزش نکالنا ناک صاف کرنا، کپڑوں کا اتارنا وغیرہ۔

تنبیہ: صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ ہم نے عام طور سے طلبہ کو دیکھا ہے کہ وہ کتاب کو بائیں ہاتھ سے پکڑتے ہیں اور جوتے چپل وغیرہ داہنے ہاتھ سے پکڑتے ہیں، یہ ناواقفیت کی وجہ سے کرتے ہیں، یا پھر غفلت پر مبنی ہے، سنت کے خلاف ہے، پس شیدائے سنت کو ان سب چیزوں کا اہتمام ضروری ہے۔(مرقاۃ:۳۴۴/۱)

تثلیث احجار

﴿۳۲۲﴾ **وَعَنْهَا** قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ يَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَإِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ۔ (رواہ احمد، وابوداؤد، والنسائی، والدارمی)

حوالہ: مسند احمد: ۱۰۸/۶، ابوداؤد شریف: ۶/۱، باب الاستنجاء بالاحجار، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۴۰، دارمی: ۱۸۰/۱، باب الاستطابۃ، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۶۷۰، نسائی شریف: ۸، باب الاجتناب

في الاستطابة بالاحجار دون غيرها، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۴۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے جو شخص پاخانہ کے لئے جائے تو وہ اپنے ساتھ تین ڈھیلے لے جائے، ان سے استنجاء کرے، بلاشبہ یہ اس کو کافی ہو جائیں گے۔

تشریح: تین ڈھیلوں کا استعمال کوئی امر تعبدی نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ اکثر کافی ہو جاتے ہیں۔

فانها تجزی: یہ خود مستقل دلیل ہے اس بات کی کہ تین ڈھیلوں کا ہونا امر تعبدی نہیں ہے، بلکہ صفائی کے واسطے ہے، اس وجہ سے کہ عامۃً تین ڈھیلوں سے صفائی ہو ہی جاتی ہے۔ یہ واجب نہیں اگر تین سے کم میں صفائی ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے۔

بثلثة احجار الخ: سے شوافع تثلیث احجار کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں اور اس کا آخری جملہ فانها تجزی عنه سے احناف استدلال کرتے ہیں، کہ تثلیث احجار واجب ہی نہیں بلکہ یہ تو اس لئے ہیں کہ عامۃً ان سے صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔

حیثیت تثلیث وایتار احجار عند قضاء الحاجۃ

استنجاء کے موقعہ پر تین چیزیں قابل لحاظ ہیں۔

(۱)......انقائے محل یعنی جگہ کو صاف کرنا۔

(۲)......تثلیث یعنی تین کے عدد کی رعایت کرنا۔

(۳)......ایتار یعنی طاق عدد کی رعایت کرنا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تینوں کی رعایت کرنی چاہئے، اختلاف ان تینوں کی حیثیت میں ہے۔ (مذاہب از معارف السنن: ۱/۱۱۴)

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ انقاء واجب ہے، تثلیث اور ایتار واجب نہیں مستحب ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں انقاء بھی واجب ہے، تثلیث بھی واجب ہے، ایتار کے واجب ہونے میں دو روایتیں ہیں۔ وجوب کی روایت بھی ہے، اور عدم وجوب کی بھی۔

ثمرہ اختلاف

ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو ڈھیلوں سے انقاء کرلیا اب تیسرا ڈھیلا واجب ہے یا نہیں، حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں واجب نہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں واجب ہے، اگر تین سے تنقیہ نہ ہوا چار سے ہوگیا تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک پانچویں کی ضرورت نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک چونکہ ایتار واجب ہے، اس لئے پانچواں استعمال کرنا پڑے گا۔

امام شافعیؒ واحمدؒ کے دلائل: بہت سی احادیث صحیحہ میں تین ڈھیلے سے کم استعمال کرنے سے نہی وارد ہے، معلوم ہوا کہ تین سے کم استعمال کرنا جائز نہیں، اور بہت سی احادیث میں تین ڈھیلے استعمال کرنے کا امر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تین کا عدد واجب ہے۔

حنفیہ کے دلائل

(۱)......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیر بحث حدیث ابو داؤد، نسائی، دارمی، احمد نے اس حدیث کی تخریج کی ہے: **"اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار فليستطب بها فانها تجزئ عنه"** **فانها** میں

فاء تعلیلیہ ہے۔اس حدیث میں تین ڈھیلے لینے کا امر فرمایا ہے، اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ تین کفایت کر جاتے ہیں، اس علت سے معلوم ہوا کہ تین کا عدد مقصود لذاتہ نہیں ہے۔اصل مقصود اجزاء اور کفایت ہے، یعنی انقاء محل۔

(۲)......طبرانی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی ہے: "اذا تغوط احدکم فلیستنج بثلاثة احجار فان ذلک طهور" یہ آخری لفظ بھی تعلیل ہیں، ان میں تین کا عدد لانے کی علت بیان فرمائی ہے، یعنی تین کا امر ہم نے اس لئے کیا ہے کہ عام طور پر تین سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے، معلوم ہوا کہ اصلی مقصد طہارت اور انقاء ہے، تثلیث مقصود بالذات نہیں۔(معارف السنن:۱۱۶/۱، نقلاً عن کنز العمال نصب الرایہ:۲۱۵/۱، وفی آخرہ "فان ذلک کافیة")

(۳)...... بخاری و ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین ڈھیلے لانے کا امر فرمایا۔یہ دو ڈھیلے اور ایک لید لائے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لید کو پھینک دیا اور دو ڈھیلے استعمال فرمائے، تیسرا ڈھیلا نہیں منگوایا، امام ترمذیؒ نے اس پر باب قائم کیا ہے: "باب الاستنجاء بالحجرین" معلوم ہوا کہ امام ترمذی بھی یہی بات بتانا چاہتے ہیں، کہ اس موقعہ پر تیسرا ڈھیلا منگوانا ثابت نہیں، اگر تین کے عدد کی رعایت رکھنا ضروری ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تیسرا ڈھیلا منگواتے، معلوم ہوا تثلیث ضروری نہیں، یہاں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہیں سے تیسرا ڈھیلا لے لیا ہو کیونکہ اگر وہاں پر ڈھیلے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین ڈھیلے نہ منگواتے۔

(۴)......بعض احادیث میں ایتار کا امر بھی ہے، اور یہ بھی تصریح ہے کہ ایتار کرنا حسن ہے

ضروری نہیں ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج**" معلوم ہوا کہ ایتار واجب نہیں ایتار کا ہی ایک فرد تثلیث بھی ہے، ثابت ہوا کہ یہ بھی واجب نہیں۔

جواب دلیل شافعیه وغیرهم: تین ڈھیلے لینے کا امر وجوبی نہیں۔ استحبابی ہے۔ ایسے ہی تین سے کم پر اکتفاء کرنے کی نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہوا کہ تین ڈھیلے لینا مستحب ہے، اس سے کم پر اکتفاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ لہٰذا یہ روایات فقہ حنفی کے خلاف نہیں۔

قرائن صارفه عن الوجوب: ہمارے اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ امر کے حقیقی معنی وجوب ہے۔ اور کسی لفظ کا حقیقی معنی چھوڑنے کے لئے قرائن صارفہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں قرائن صارفہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے قرائن صارفہ موجود ہیں۔

(۱)...... حنفیہ نے اس مسئلہ میں جو دلائل پیش کئے ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تثلیث کی حدیثیں وجوب پر محمول نہیں ہیں۔

(۲)...... شافعیہ کے نزدیک بھی اگر ایسا ایک ڈھیلا استعمال کیا جائے جس کے تین کنارے ہوں تو اس ایک ڈھیلے کے استعمال کرنے سے وجوب پورا ہو جاتا ہے، تو ثلاثہ کی حقیقت پر انہوں نے بھی عمل نہ کیا، معلوم ہوا کہ اس حدیث کے ظاہر پر یہ بھی نہیں چلتے تو گویا اس حدیث کا متروک الظاہر ہونا اجماعی بات ہے۔

(۳)...... بعض حدیثوں میں ایتار کا امر بھی ہے، اور یہ بھی تصریح ہے کہ ایتار واجب نہیں جیسا کہ فصل ثانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "**من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج**" اور تثلیث بھی ایتار ہی کا ایک

فرد ہے، معلوم ہوا جن حدیثوں میں تثلیث یا ایتار کا امر ہے وہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے۔(اشرف التوضیح)

لید اور ہڈی سے استنجاء کرنا

﴿۳۲۳﴾ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّهَا زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ۔ (رواه الترمذي، والنسائي) إِلَّا إِنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ زَادُ إِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/ ۱، باب كراهية مايستنجى به، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۸، نسائی شریف:۷/ ۱، باب النهي عن الاستطابة بالعظم، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۹۔

حل لغات: زاد توشہ، اشیاء خوردنی، ج اَزْوَادٌ، وَاَزْوِدَةٌ، اِخْوان اخٌ کی جمع ہے، بھائی۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لید اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو، اسلئے کہ وہ تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے۔ (ترمذی، نسائی) نسائی کی روایت میں "زاد اخوانکم من الجن" کے الفاظ نہیں ہیں۔

تشریح:

حدیث الباب میں اختصار ہے

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اتانی داعی الجن فذهبت معه" یعنی ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں

جنات کا وفد حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وفد کے ساتھ ان کے یہاں تشریف لے گئے، اور ان کے آپس کے نزاعات اور مقدمات فیصل فرمائے، اخیر میں جنات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زاد کی بھی درخواست کی، چنانچہ آتا ہے: "**فسألوه الزاد فقال لكم كل عظيم**" **الحديث**. یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر ان کو توشہ عنایت فرمایا، اور فرمایا کہ: تم جس ہڈی پر بھی گذرو گے تو اس پر اس سے زائد گوشت پاؤ گے، جو اس پر پہلے تھا۔ اس پر پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ اچھا جب یہ بات ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو ہڈی وغیرہ سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث الباب مختصر ہے۔

جنات کے لئے عظم کا رزق ہونا اور اس میں اختلاف روایات

جاننا چاہئے کہ حدیث الباب میں ہڈی کا طعام الجن ہونا مطلقاً مذکور ہے، لیکن روایات اس میں مختلف ہیں، مسلم شریف کی روایت میں ہے: "**لكم كل عظم ذكر اسم الله عليه**" اور ترمذی میں اسکے خلاف ہے: "**لكم كل عظم لم يذكر اسم الله عليه**" یعنی ایک روایت میں ہے تمہارے لئے وہ ہڈی توشہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، اور ایک روایت میں ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، بعض شراح نے دفع تعارض اس طرح کیا ہے کہ مسلم کی روایت جس میں ذکر اسم وارد ہے، وہ مسلمین جن کیلئے ہے، اور ترمذی کی روایت جس میں **لم يذكر** وارد ہے وہ کفار جن کیلئے ہے، لیکن حضرت گنگوہیؒ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف مسلمین جنات نے سوال کیا تھا کفار جنات آپ کے ساتھ کہاں تھے، نیز ان کیلئے آپ کو بیان فرمانے کی ضرورت کیا ہے۔ خود حضرتؒ کی رائے جیسا کہ کوکب میں مذکور ہے۔ یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا

محل الگ الگ ہے، مسلم کی روایت میں ذکر سے مراد ذکر عند الذبح ہے، اور ترمذی کی روایت میں لم یذکر سے مراد عند الاکل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس عظم پر عند الاکل 'بسم اللہ' نہیں پڑھی گئی وہ اوفر لحماً ہوجائے گی، اسلئے کہ ترک بسم اللہ کی وجہ سے اسکے کھانیوالے نے اسکی برکت اس سے نہیں لی، بخلاف اسکے جس نے بسم اللہ پڑھی اسکی برکت کھانیوالے نے خود حاصل کرلی وہ جنات کیلئے اوفر لحما نہ ہوگی۔ سبحان اللہ! کیا عمدہ توجیہ ہے، بھلا یہ باتیں شروح میں کہاں ہوسکتی ہیں۔ تو اب دونوں حدیثوں کو ملا کر مطلب یہ نکلا کہ وہ ہڈی جس پر ذبح کے وقت میں بسم اللہ پڑھی گئی ہو اور کھانیوالے نے کھانے کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی ہو اسکو جنات اوفر لحما پائیں گے، باقی یہ بات کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس حیوان پر عند الذبح 'بسم اللہ' پڑھی گئی ہے، اور کس پر نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو کوئی علامت بتادی ہوگی، یا یوں کہا جائے کہ جس پر عند الذبح 'بسم اللہ' نہ پڑھی گئی ہو اس جانور کی ہڈی پر اللہ تعالیٰ گوشت پیدا ہی نہیں فرمائیں گے۔ (الدر المنضود: ۱/۱۴۳)

لَاتَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهَا زَادُ الخ: فانه کی ضمیر راجع ہے، روث اور عظام دونوں کی طرف۔ بتاویل مذکور کے، اور بعض روایت میں فانها ہے، اس وقت ضمیر راجع ہے عظام کی طرف اور روث تابع ہے عظام کے، اور بعض کہتے ہیں کہ اصل میں عظام ان کی غذا ہے اور روث ان کے دواب کی غذا ہے، اس لئے بعض روایات میں روث کو غذا نہیں کہا گیا اور جہاں کہا گیا وہ مجاز پر محمول ہے کہ جب جانور کی غذا ہے تو گویا ان کی غذا ہے، جن چونکہ انسان کی طرح مکلف ہیں اس اعتبار سے ان کو بھائی کہا گیا، اب گوبر وہڈی جن کی خوراک ہونے کی کیفیت میں یہ بیان کیا گیا کہ ہڈی تو خود ان کی خوراک ہے، اور انکو ہڈی میں پورا گوشت ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے: "لایمرون

علی عظم الا وجدوا علیه اوفر ما کان علیه من اللحم" یا ہڈی چبا کر اسکو کھاتے ہیں جیسے ہمارے کتے کھاتے ہیں، یا دوسری کوئی کیفیت ہوگی، اور گوبر کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو گوبر میں دانے ملتے ہیں، چنانچہ حاکم نے دلائل میں روایت نکالی ہے کہ "لاوجدوا روثا الا وجدوا فیه حبه الذی کان یوم اکل" (حکاہ العینی :۱/۷۳۱) یا ان کے دواب کی خوراک ہے، یا اپنے مزارع میں دیتے ہیں جیسے ہم دیتے ہیں۔

پھر گوبر وہڈی کے ذریعہ استنجاء کرنے سے اہل ظواہر کے نزدیک استنجاء ادا نہیں ہوگا، مگر جمہور کے نزدیک استنجاء ادا ہوگا، مگر مکروہ تحریمی ہوگا، کیونکہ ازالہ نجاست حاصل ہے، گوبر ہڈی کے ذریعہ استنجاء کی ممانعت کی اور ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ گوبر سے بجائے تطہیر تلویث نجاست ہوگی، اور ہڈی سے تلویث بھی ہوگی اور زخم ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

فائدہ: حدیث پاک سے دیگر فوائد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت علی الامت کا بھی علم ہوا کہ ہڈی سے استنجاء کرنے میں مضرت کا اندیشہ تھا، اس لئے اس سے استنجا کرنے کی ہی ممانعت فرمادی۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

زمانۂ جاہلیت کے رسوم اختیار کرنا درست نہیں

﴿۳۲۴﴾ وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهٗ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوْ اِسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَابَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِّنْهُ بَرِئٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ٦/ ١، باب ماینهی عنه ان یستنجی به، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ٣٦۔

حل لغات: عَقد (ض) عَقْداً الحَبلَ ونحوه گرہ لگانا۔ لحیة داڑھی، دونوں رخساروں اورٹھوڑی کے بال، ج لِحیً ولُحیً، تَقَلَّدَ ہار پہننا، دابة زمین پر چلنے والا جانور، چوپایا، ج دوابّ.

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے رویفع! ممکن ہے کہ تم میرے بعد لمبی زندگی بسر کرو تو تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے اپنی داڑھی میں گرہ لگائی، یا تانت کا ہار ڈالا، یا جانور کی گوبر یا ہڈی سے استنجاء کیا تو بلا شبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

تشریح: من عقد لحیته: جو شخص اپنی داڑھی کو گرہ لگا دے۔

گرہ لگانا ایک تو یہ ہے کہ اس کو باندھ دے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں ہے، ممانعت کی وجہ یہ بھی ہے کہ کفار مجوس جنگ کے وقت داڑھی میں گرہ لگایا کرتے تھے، پس ان کی مشابہت کی وجہ سے منع کیا گیا۔ اور ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں داڑھی میں گرہ لگانے کا رواج تھا کہ اگر کسی کے ایک بیوی ہوتی وہ اپنی داڑھی میں ایک گرہ لگاتا، دو ہوتی تو دو گرہ لگاتا غرض جتنی بیویاں ہوتی تھیں اتنی ہی گرہ داڑھی میں لگائی جاتی تھی، جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اس شخص کے اتنی بیویاں ہیں، یہ تفاخر کے طور پر ہوتا تھا، اس لئے اس سے منع فرمایا۔ ممانعت کی ایک وجہ عورتوں کی مشابہت بھی ہے کہ عورتیں اپنی چوٹیوں میں گرہ لگاتی ہیں ایسے ہی داڑھی میں گرہ لگا کر ان کو موڑ کر ان کو گھونگریالے بناتے تھے، اس صورت میں ممانعت کی وجہ سنت کی مخالفت ہے چونکہ سنت تو یہ ہے کہ داڑھی کے بالوں کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑا جائے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (مرقاة: ١/٣٥٧)

او تقلد وترا: گلے میں تانت کا ڈالنا، اس کی ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ خود بھی مضر ہے اور اس سے مضرت کا اندیشہ ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ اس پر ٹونے ٹوٹکے کرتے تھے۔

نیز زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بچوں اور جانوروں کی گردن میں تانت باندھتے تھے تاکہ نظر بد سے حفاظت رہے، اور اس کو نظر بد سے محفوظ رکھنے میں موثر بالذات سمجھتے تھے، اس لئے اس سے منع فرمایا۔ فقط

لید ہڈی سے استنجاء کرنے کی تفصیل اوپر گذر گئی۔

سرے میں تین سلائیوں کا استعمال کرنا مستحب ہے

﴿۳۲۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْیَلْفِظْ وَمَالَاكَ بِلِسَانِهٖ فَلْیَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَی الْغَائِطَ فَلْیَسْتَتِرْ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ اِلَّا اَنْ یَجْمَعَ كَثِیْبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْیَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِیْ اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ۔ (رواه ابوداؤد، وابن ماجة، والدارمی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۶/ ۱، باب الاستتار فی الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۵، ابن ماجه: ۲۹، باب الایتار للغائط، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۳۷/۳۸، دارمی: ۱۶۹/ ۱، باب التستر عند الحاجة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۶۲۔

حل لغات: اکتحل مصدر اکتحال، باب افتعال سے، سرمہ لگانا، تخلل باب تفعل سے، خلال استعمال کرنا، دانتوں سے کھانے کے اجزاء نکالنا، فلیلفظ لفظ (ض) الشئ پھینکنا، الشئ من فیہ وبہ منہ سے کسی چیز کا نکالنا، لاک (ن) لوکا اللقمۃ لقمہ کو ہلکے ہلکے چبانا، فلیبتلع مصدر ابتلاع، نگلنا، کثیباً ریت کا لمبا ڈھیر، ٹیلہ، ج اکثبۃ و کثب و کثبان، رمل ریت ج رمال۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص سرمہ لگائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ طاق سلائیاں لگائے، جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص استنجاء کرنے جائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ طاق عدد میں ڈھیلے لے، جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص کھانا کھائے تو جو چیز خلال کرنے سے نکلے اس کو تھوک دے اور جو اپنی زبان پھیر کر نکالے اس کو نگل جائے، جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص بیت الخلاء جائے تو وہ پردہ کرے، اگر کوئی آڑ نہ پائے تو ریت کے تودے کو جمع کرے اور اس کو اپنے پیچھے کرلے، اس لئے کہ شیطان انسان کی شرمگاہ سے کھیلتا ہے، جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔

تشریح: من اکتحل فلیوتر: سرمہ لگاتے وقت ایتار کا خیال رکھے یا تو دونوں آنکھوں میں اس کا لحاظ رکھے یا ایک آنکھ میں۔ مثلاً ہر آنکھ میں ایک ایک سلائی لگائے یا ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگائے۔ اور یہ طریقہ بھی سنت سے منقول ہے، کہ اولاً دائیں آنکھ میں دو سلائی پھر بائیں میں تین سلائی پھر دائیں آنکھ میں ایک سلائی تا کہ ابتداء یمین سے ہو اور انتہا بھی یمین پر ہو۔

ومن استجمر فليوتر: اور جو ڈھیلوں سے استنجا کرے وہ بھی ایتار کا دھیان رکھے، استجمار کے معنی دھونی دینا اور جمرات کی رمی کرنا بھی ہیں اس میں بھی ایتار کرے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

ومن فعل فقد احسن: اس سے معلوم ہوا کہ استنجے میں ایتار مستحب ہے، واجب نہیں، یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، پس یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مستدل ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

ومن اكل فما تخلل فيلفظ: پس جو خلال سے نکلے اس کو پھینک دے۔

فما لاک بلسانه: اور جو زبان کے ذریعہ سے نکلے اس کو نگل جائے۔

خلال سے جو چیز دانتوں سے نکالی جائے اس سے گھن آتی ہے اس کے کھانے سے بھی کراہت آتی ہے اس لئے اس کے کھانے کو شرعاً بھی ناپسند قرار دیا، برخلاف اس کے جو زبان سے نکلے وہ منہ کے اندر ہی رہتا ہے نہ اس سے گھن آتی ہے نہ طبعاً اس کا کھانا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے شرعاً بھی اس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

کثیبا: تودہ، رمل ریت، ڈھیلا کھڑا کرلے یا ریت کا تودہ جمع کر کے اس کی طرف کو پشت کرلے اس لئے کہ شیاطین انسانوں کی مقعد کے ساتھ کھیل کرتے ہیں، لیکن اگر پردہ ہو تو پھر شیاطین کو اس کی قدرت نہیں ہوتی۔

اور پشت کرنے کو اس لئے فرمایا کہ پیچھے کی طرف سے پردہ ہو جائے آگے کی طرف سے تو آدمی کپڑا وغیرہ آگے کو کر کے پردہ کر ہی لیتا ہے، اور شیطان کے کھیل کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف دیکھنے کا وسوسہ ڈالتا ہے۔

حدیث پاک سے ایک خاص مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کا امر فرمانا وجوب کے لئے ہوتا ہے، اسی لئے "من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج" کہنے کی ضرورت پیش آئی، کہ یہ ارشاد بطور وجوب کے نہیں صرف استحباب کے لئے ہے، جس نے اس پر عمل کیا بہت اچھا کیا، جس نے عمل نہیں کیا اس پر بھی کوئی حرج نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مرقاۃ: ۱/۳۵۰"

غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے ممانعت

﴿۳۲۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ۔ (رواه ابوداؤد، والترمذی، والنسائی) اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۵، باب البول فی المستحم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۷، ترمذی شریف: ۱/۱۲، باب کراهية البول فی المغتسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۶۔

حل لغات: لایبولن بال (ن) بولا پیشاب کرنا، مستحمه، غسل خانہ، حمام، الوسواس، شیطان، وہم کی بیماری۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانہ میں پیشاب کر کے پھر وہیں غسل نہ کرے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وضو نہ کرے، اس لئے کہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) لیکن ترمذی و نسائی کی روایت میں "ثم يغتسل فيه او يتوضأ فيه" کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

تشریح: **مستحم:** پانی گرم کرنے کی جگہ، اور مراد مطلق غسلخانہ ہے، غسل کرنے کی جگہ۔

ثم یغتسل فیہ او یتوضأ الخ: ثم استبعاد کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ عقلمند سے یہ بات بعید ہے کہ غسل خانہ میں پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے۔ (الدر المنضود:۱/۱۲۶)

وسواس: بروزن تکرار، زلزال، بالفتح کے معنی حدیث النفس، اور بالکسر مصدر ہے۔

اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غسلخانہ میں پیشاب کرنے سے بہت وسوسے پیدا ہوتے ہیں، شیطان آکر یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہاں پیشاب کیا تھا چھینٹ لگ گئی ہوں گی لہذا نماز بھی نہیں ہوئی، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر غسل خانہ عام ہو تو لوگوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور یہ ایذا رسانی کا سبب ہے اس وجہ سے بھی اس کی ممانعت ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں وسوسہ سے مراد جنون ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت انسؓ کی روایت ہے: "**انما یکرہ البول فی المغتسل مخافۃ اللمم، واللمم طرف من الجنون**" جس کو اردو میں مالیخولیا کہا جاتا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے نسیان مراد ہے، اب فقہی حیثیت سے اس کے حکم کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

(۱)......ابن سیرینؒ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔

(۲)......اور بعض کہتے ہیں مطلقاً مکروہ ہے۔

(۳)......جمہور کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر غسلخانہ ایسا ہو کہ پانی بہا دینے سے فوراً نکل جاتا ہے کہ مٹی سخت ہے یا پکا غلسخانہ ہے اور پیشاب جذب نہیں ہوتا ہے تو جائز ہے، اور اگر مٹی نرم ہو کہ پیشاب جذب ہو جاتا ہے یا نیچے جمع ہوتا ہے، تو جائز نہیں۔ کیونکہ

اس میں نجاست کا اندیشہ ہے۔مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''مرقاۃ:۳۵۹/۱''

سوراخ میں پیشاب کرنے سے ممانعت

﴿۳۲۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِيْ جُحْرٍ۔ (رواه ابوداؤد، والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵/۱، باب النهي عن البول في الجحر، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۹، نسائی شریف: ۷/۱، باب كراهية البول في الجحر، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۴۔

حل لغات: جحر بل، بھٹ، کھوہ، حشرات الارض کے رہنے کی جگہ، ج جُحُوْرٌ واَجْحَارٌ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

تشریح: سرجس: معرب ہے نرگس کے گاف کو جیم سے بدل دیا، اور نون کو سین سے۔

جحر: بل، سوراخ، سوراخ میں پیشاب کرنا خلاف ادب ہے، کیونکہ اس میں کوئی جانور یا جن وغیرہ ہو سکتا ہے اور پیشاب کرنے والے کو تکلیف پہونچا سکتا ہے، اور اگر وہ تکلیف نہ بھی پہونچائے تو اس جانور کو تکلیف پہونچے گی، قربان جائیے اس پاکیزہ شریعت کے جس میں ان چیزوں سے بھی بچنے کا حکم ہے جن میں جانوروں کی تکلیف کا مظنہ بھی ہو چہ جائے کہ انسانوں کی۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مروی ہے کہ سعد بن عبادہ خزرجی کو جنات نے اس لئے قتل کیا کہ انہوں نے ایک سوراخ کے اندر پیشاب کردیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ آواز سنی گئی:

نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ
وَ رَمَيْنَاهُ بِسَهْمٍ فَلَمْ يُخْطِئْ فُؤَادَهُ

[ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد ابن عبادہ کو قتل کردیا ان پر ہم نے ایسا تیر پھینکا جس نے انکے دل کے نشانہ سے چوک نہیں کی یعنی دل کو چیرتا ہوا نکل گیا۔] (مرقاۃ: ۱/۳۵۹، التعلیق الصبیح: ۱/۱۹۶، الطیبی: ۲/۵۳)

فائدہ: حدیث پاک سے شریعت مطہرہ کے کمال اور جامعیت کا علم ہوا اور رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کمال شفقت ورحمت کا بھی علم ہوا کہ جن چیزوں میں مضرت کا دور کا بھی اندیشہ تھا، ان چیزوں سے بھی منع فرمادیا۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

تین مقامات پر پاخانہ کرنے کی ممانعت

﴿۳۲۸﴾ وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ۔ (رواه ابوداؤد، وابن ماجة)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۵، باب المواضع التی نهی النبی عن

البول فيها، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۶،ابن ماجه:۲۸، باب النهی عن الخلاء علی قاعة الطريق، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۲۸۔

حل لغات: الموارد جمع ہے،واحدالمورد، چشمہ،راستہ،قارعة الطريق وسط راہ،الظل سایہ،ج ظِلالٌ و اظُلالٌ۔

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تین جگہ بیت الخلاء کرنے سے پرہیز کرو: (۱) گھاٹوں پر۔ (۲) بیچ راستے میں۔ (۳) سایہ کی جگہوں میں۔

تشریح: ملاعن جمع ہے ملعنة کی مفعلة کے وزن پر یہ سبب لعنت ہے، جیسے رحمت رحم کا سبب ہے، یہ مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اور اسم مکان بھی اور پھر مصدر اسم فاعل کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، یا مضاف محذوف ہے اصل عبارت ہے: "اتقوا اسباب الملاعن الثلاثة"

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعنت ملامت کے اسباب سے بچو، اس لئے ان کاموں کے کرنے والوں پر لوگ لعنت ملامت کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، اور ان کاموں کو انجام دینے والا شخص ظالم ہے کہ اس نے لوگوں کی منفعت کو خراب کیا اور ہر ظالم ملعون ہوتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اسباب لعنت سے بچو یا لعنت پر اکسانے اور برانگیختہ کرنے والی چیزوں اور جگہوں سے بچو، اور وہ تین چیزیں ہیں جن کو حدیث پاک میں بیان فرمایا ہے۔ بچو گھاٹ سے جہاں لوگ ندیوں سے اترتے ہیں، یا جہاں لوگ ندیوں پر تالابوں پر اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے ہیں، اور راستہ کے درمیان میں، جہاں سے لوگ گذرتے ہیں، اور سایہ میں جہاں لوگ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں یا آرام اور قیلولہ وغیرہ کرتے ہیں پائخانہ پیشاب کرنے سے۔ یہ تین چیزیں بطور تمثیل ہیں بطور استیعاب نہیں ان کے علاوہ دوسری

چیزیں اور سب جگہیں جہاں پاخانہ پیشاب کرنے سے لوگوں کو اذیت ہو۔ وہ سب اس میں داخل ہیں ایسے ہی وہ سب کام جو لوگوں کی اذیت کا سبب ہیں وہ بھی موجب لعنت ہیں۔ اور ان سب سے بچنا بھی لازم ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جو حکم گرمیوں میں سایہ اور سایہ دار درخت کا ہے وہی حکم سردیوں میں دھوپ کی ان جگہوں کا بھی ہے جہاں لوگ بیٹھتے ہوں اور وہاں آرام وغیرہ کرتے ہوں۔ (مرقاۃ: ۱/۳۶۰)

بیت الخلاء کے وقت بات چیت کی ممانعت

﴿۳۲۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَإِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة)

حواله: مسند احمد: ۲/۳٦، ابوداؤد شريف: ۱/۳، باب كراهية الكلام عند الخلاء، كتاب الطهارة، حديث نمبر: ۱۵، ابن ماجه: ۲/۳٦، باب النهي عند الاجتماع على الخلاء او الحديث عنده، كتاب الطهارة، حديث نمبر: ۳۴۲۔

حل لغات: كاشفين كاشف کا تثنیہ ہے، كشف الشئ وعنه (ض) كشفا کھولنا، پردہ ہٹانا، كاشف کھولنے والا، يمقت مقت (ن) مقتاً کسی سے سخت ناراض ہونا۔

ترجمه: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دو آدمی پاخانہ کرنے کیلئے اس طرح نہ نکلیں کہ وہ اپنے ستر کھولے رہیں، اور

باتیں کرتے رہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے غصہ کرتا ہے۔

تشریح: کاشفین حال اول، یتحدثان حال ثانی۔

مقت: سخت قسم کا ناراض ہونا۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک ساتھ جنگل میں جا کر ایک ساتھ بیٹھ کر پاخانہ کرتے تھے آپس میں باتیں بھی کرتے رہتے تھے، ہر ایک کا ستر کھلا ہوا ہوتا تھا آپس میں ایک دوسرے کے ستر کو دیکھتے رہتے تھے، یہ چیز چونکہ انتہائی فتنوں کا ذریعہ اور انتہائی بے غیرتی کی بات ہے اس لئے اس کی ممانعت فرمائی، اور ان سب چیزوں پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی ظاہر ہے۔

یہاں رجلان کا ذکر ہے، لیکن عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں۔(بذل:۱/۱۱)

لیکن قضائے حاجت کے وقت جب کہ کوئی ستر کو نہ دیکھے بوقت ضرورت کلام کرنا ممانعت میں داخل نہیں۔ جیسے بیت الخلاء میں بعض دفعہ پانی نہیں ہوتا پہلے سے خیال نہیں تھا یا پانی تھا ختم ہو گیا یا اسی طرح اور کوئی ضرورت پیش آجائے۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۳۶۰/۱، بذل:۱۰-۱/۱۱۔

بیت الخلاء شیطان کا ٹھکانہ ہے

﴿۳۳۰﴾ **وَعَنْ** زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَإِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۲/۱، باب مایقول الرجل اذا دخل الخلاء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۶، ابن ماجہ:۲۶، باب مایقول الرجل اذا دخل الخلاء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۲۹۶۔

حل لغات: الحشوش، واحد الحش، باغ، بیت الخلاء، محتضرة احتضر المجلس حاضر ہونا، شریک ہونا، المکان آنا۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ پائخانے کی جگہوں میں (جنات وشیاطین کی) آمد ورفت رہتی ہے، تو جو شخص تم میں سے پاخانہ جائے تو اس کو "اعوذ باللہ من الخبث والخبائث" [میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، ناپاک جنوں سے اور ناپاک جنیوں سے] کہنا چاہئے۔

تشریح: حشوش جمع ہے حش کی۔ جھاڑی کو کہتے ہیں جس کے پیچھے بیٹھ کر پائخانہ کرتے تھے، پھر سب بیت الخلاء اسی حکم میں داخل ہیں۔

محتضرۃ: میں تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے ای محتضرۃ الشیاطین من الخبث والخبائث یعنی جنات اور جنیوں سے۔ یا افعال قبیحہ اور خصائل بد سے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے پہلی حدیث اور اس حدیث میں صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل نقل کیا گیا تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے، یہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے جس میں امت کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب کوئی ان جگہوں میں داخل ہو یہ دعا پڑھ لیا کرے اور ساتھ ساتھ دعا پڑھنے کی حکمت اور علت بھی بیان کی گئی ہے اور پہلی حدیث سے شبہ ہو گیا تھا کہ شاید یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو اس حدیث پاک میں اس شبہ کو دور کر دیا گیا، اور بتا دیا کہ ساری امت کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

اشکال مع جواب

البتہ ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض روایتوں میں "اعوذ باللہ من

الخبث والخبائث" ہے اور بعض میں "اللهم انی اعوذبک من الخبث والخبائث" ہے۔ دونوں میں کونسی دعا پڑھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ کو اختیار ہے جس کو چاہے پڑھے، کافی ہے، یا کبھی ایک کو پڑھلے کبھی دوسری کو پڑھ لے۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: بذل: ۴/۱، مرقاۃ: ۳۶۱/۱۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

﴿۳۳۱﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرُ مَا بَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ آدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ اَنْ يَقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِقَوِيٍّ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱۳۲/۱، باب ماذکر من التسمية عند دخول الخلاء، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۶۰۶۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ کہہ لینا بنی آدم کی شرمگاہ اور جنوں کی نگاہوں کے درمیان آڑ ہے۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے، اس کی سند قوی نہیں ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ پردہ ہے اس کو پڑھ کر بیت الخلاء میں داخل ہوں۔ تو شیاطین و جنات کی نظروں سے پردہ ہوجاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ وہ ان کے ستر کو دیکھ سکتے ہیں، اور نہ کچھ نقصان پہونچا سکتے ہیں، نہ کھیل کر سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ اعوذ والی مذکورہ دعا سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے اور اگر دعا کو مقدم کیا جائے جیسا کہ قرآن پاک کی تلاوت میں پہلے استعاذہ پھر بسم اللہ پڑھتے ہیں تو یہ بھی بعید نہیں ہے، بلکہ درست ہے اور اگر بسم اللہ اور اعوذ والی دعا دونوں میں سے کسی ایک پر ہی اکتفا کیا تو اصل سنت اس سے بھی ادا ہو جائیگی لیکن دونوں کو جمع کرنا افضل اور بہتر ہے امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد قوی نہیں لیکن باوجود قوی نہ ہونے کے فضائل اعمال میں قابل عمل ہے۔ (مرقاۃ: ۳۶۱/۱)

بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت کی دعا

﴿۳۳۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ۲/۱، باب مایقول اذا خرج من الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷، ابن ماجه: ۲۶، باب مایقول اذا خرج من الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۰۰، دارمی: ۱۸۳، باب المذکور، حدیث نمبر: ۶۸۰۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر باہر آتے تو غفرانک الخ فرماتے یعنی اے اللہ میں تیری بخشش اور معافی چاہتا ہوں۔

تشریح: غفرانک: مفعول ہے، فعل محذوف کا ای اسئلک غفرانک یا مفعول مطلق ہے ای اغفر غفرانک.

پہلی روایتوں میں بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا تھا، اس حدیث پاک میں بیت الخلاء سے نکلنے کا ادب بیان فرمایا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں غفرانک کے ساتھ **الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی** بھی ہے، گویا حمد اور استغفار دونوں کو جمع کر دیا اس کی عجیب حکمت علامہ ابن قیمؒ نے بیان فرمائی ہے۔

بول و براز سے انسان کے جسم میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے انسان کو تکلیف پہونچتی ہے ایسے ہی روح وقلب میں گناہوں سے ثقل پیدا ہو جاتا ہے، اس سے روح کو تکلیف پہونچتی ہے، لہذا دونوں چیزیں بدن اور روح کیلئے مضر اور موذی ہوئیں تو اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غلاظت کے نکل جانے اور اس سے خلاصی پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اور فرمایا: **الحمد للہ الذی الخ**. اور دوسری یعنی گناہوں کی تکلیف سے خلاصی کا اللہ تعالیٰ سے استغفار کے ذریعہ سوال کیا، اور فرمایا **غفرانک الخ**. (**بذل المجھود: ۲۰/۱، التعلیق الصبیح: ۱۹۷/۱**)

اشکال مع جوابات

اشکال: بیت الخلاء کے بعد استغفار اس بات کی علامت ہے کہ گویا یہ گناہ کر کے آیا ہے، حالانکہ وہ تو ایک بشری ضرورت کو پورا کر کے آیا ہے، تو کیا بیت الخلاء کرنا گناہ ہے؟

جواب: یہ استغفار بیت الخلاء سے نہیں اور نہ بیت الخلاء کرنا گناہ ہے۔ بلکہ جتنی دیر یہ وہاں بیٹھا رہا ہے بہت سے نیک اعمال مثلاً ذکر الٰہی اور درود شریف وغیرہ سے غافل رہا ہے، اور دین کے دیگر اعمال کی انجام دہی سے محروم رہا ہے، اس غفلت سے استغفار کرتا ہے، ایک مقرب آدمی کیلئے یہ غیر اختیاری غفلت بھی کوتاہی کا درجہ رکھتی

ہے، اور مقربین خدا غیر اختیاری کوتاہی سے بھی معافی چاہتے ہیں۔

جیسے کوئی کسی کی دعوت کرے اور کھانا کھلا کر کہے کہ معاف فرمایئے میں نے آپ کو تکلیف دی، حالانکہ اس نے تو کھانا کھلایا ہے، مگر پھر بھی معافی چاہ رہا ہے، اسی طرح جو خاصان خدا ہوتے ہیں وہ عبادت اور نیکی پر بھی مغفرت چاہتے ہیں، اسی طرح غیر اختیاری کوتاہی پر شرمندہ ہوتے ہیں اور معافی چاہتے ہیں۔

دوسری وجہ: بیت الخلاء میں بندہ ذکر لسانی تو نہیں کرتا لیکن جو حضرات مقرب ہوتے ہیں ذکر قلبی غیر اختیاری طور پر وہاں بھی جاری رہتا ہے لیکن اس کو بھی بے ادبی تصور کر کے استغفار کرتے ہیں۔

تیسری وجہ: غفرانک شکرا لک کے معنی میں ہے۔لہٰذا کوئی اشکال ہی نہیں۔

چوتھی وجہ: یہ ہے کہ بیت الخلاء میں جا کر حضرت آدم علیہ السلام کی گندم خوری کا واقعہ یاد آ جاتا ہے جب انہوں نے اس کو کھالیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سزا دی تھی، کہ زمین پر جاؤ اور اس کو نکالو، جب اس کو یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ساتھ ہی اپنے بھی سب گناہ یاد آ جاتے ہیں کہ میں نے تو نہ معلوم کتنے گناہ کئے ہیں ان وجوہ سے بیت الخلاء سے نکلتے ہی (وہاں تو اجازت نہیں ہے) یہ "غفرانک" کہتا ہے اور اپنے گناہ کی معافی چاہتا ہے۔

پانچویں وجہ: یہ ہے کہ بیت الخلاء انسان کے لئے ایک واعظ و مذکر ہے۔یہ انسان کو اس حقیقت کا احساس دلاتا ہے کہ میں کیا ہوں جس کے اندر سے یہ نکلتا ہے اس کی کیا حقیقت انسان کو اپنی انانیت اور حقیقت یاد آ جاتی ہے، اور اس پر پھر اکڑ پھوں کرتا پھرتا ہے، اس لئے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرتا ہے۔

چھٹی وجہ: یہ ہے کہ کھانا اس کا ہضم ہونا پھر عافیت سے پاخانہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کی اتنی

عظیم نعمت ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس کے شکریہ سے عاجز پا کر استغفار کرتا ہے۔

غرضیکہ کھانا کھانا جس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے ہضم ہو کر اس کا نکل جانا بھی عظیم نعمت ہے، لیکن عموماً لوگ کھانا کھانے کو تو نعمت سمجھتے ہیں، عافیت کے ساتھ نکل جانے کو نعمت نہیں سمجھتے، اس دوسری نعمت کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ تلقین کی گئی کہ بیت الخلاء سے نکل کر یہ دعا پڑھیں:

"الحمدللہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی" [اس اللہ کے لئے حمد ہے جس نے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دیا اور مجھ کو عافیت دیدی۔] اس کو پڑھ کر بندہ گویا اس نعمت کا شکر ادا کر دیتا ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایسی نعمت ہے کہ اگر تمام عمر بھی اس کا شکریہ ادا کرے تو ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی روز بند لگ جائے تو آدمی پر کیا گذرتی ہے، اللہ تعالیٰ روزانہ کھانا کھلاتا ہے اس کو ہضم کرتا ہے، پھر بدن کو تقویت پہونچاتا ہے اور اس کے فضلہ کو روزانہ آسانی کے ساتھ باہر نکالتا ہے۔ قربان جائیے اس پاک اور مہربان پروردگار کے۔

وضو اور استنجے کا پانی الگ الگ برتنوں میں ہونا

{۳۳۳} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَیْتُهُ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى ثُمَّ مَسَحَ یَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ بِاِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداؤد) وَرَوَى الدَّارِمِیُّ وَالنَّسَائِیُّ مَعْنَاهُ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۷/۱، باب الرجل یدلک یدہ بالارض اذا استنجی، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۵، دارمی: ۱۸۳/۱، باب فی من

یمسح یدہ بالتراب بعد الاستنجاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۵۰۔

حل لغات: تور پانی پینے کا برتن، ج اتوار، رکوۃ ج رکاء چمڑے کا پانی پینے کا ڈونگا وغیرہ، چھوٹا ڈول، اناء ج آنیۃ برتن۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لیجاتے تو میں ایک پیالے میں یا چمڑے کے ایک برتن میں پانی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کرتے، پھر اپنے ہاتھ زمین پر ملتے، پھر میں پانی کا ایک دوسرا برتن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو فرماتے۔(ابو داؤد) دارمی اور ترمذی نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: اذا اتی الخلاء: یہاں مضاف محذوف ہے ای اذا اتی بیت الخلاء.

تور: پتھر یا پیتل کے برتن کو کہتے ہیں۔

رکوۃ: لکڑی اور چمڑے کے چھوٹے برتن کو کہتے ہیں۔یا تو یہ تنوع پر محمول ہے کہ کبھی تور میں پانی لاتے اور کبھی رکوہ میں یا شک راوی پر محمول ہے کہ راوی کو شک ہو گیا کہ یہ فرمایا تھا یا یہ فرمایا تھا،س سے حضرات محدثین کی احتیاط اور کمال دیانتداری کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اگر کسی چیز میں شبہ ہو گیا تو اس کو صاف صاف بتادیتے ہیں۔

ثم مسح یدہ علی الارض: استنجے کے بعد زمین پر ہاتھ رگڑنا یہ کمال نظافت کی وجہ سے تھا تا کہ پوری پوری صفائی ہو جائے، اور بدبو کا اثر بالکلیہ زائل ہو جائے، آج کل صابن استعمال کرنا اس کا نعم البدل ہے۔

کیا استنجاء کے بعد ہاتھ سے رائحہ کریہہ کا ازالہ طہارت کیلئے ضروری ہے؟

قولہ ثم مسح یدہ علی الارض: حضرت سہارنپوری نے بذل میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے اس مقام پر ایک مسئلہ کی تحقیق فرمائی ہے وہ یہ ہے ہاتھ سے ازالۂ نجاست کے بعد اس میں جو رائحہ باقی رہ جاتی ہے اس کا ازالہ ضروری ہے، یا غیر ضروی ؟ نیز یہ کہ اس رائحہ کی حقیقت کیا ہے؟

اس میں حضرتؒ نے دو قول تحریر فرمائے ہیں۔ ایک جماعت فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس کا ازالہ ضروری ہے، الا ما شق زوالہ.

اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ ہاتھ سے یا بدن سے عین نجاست کے زوال سے ہاتھ اور بدن پاک ہو جاتا ہے، طہارت کا تحقق رائحہ کریہہ کے زوال پر موقوف نہیں۔

اب ان میں سے ہر ایک کی رائے کا منشاء ہے، جو لوگ کہتے ہیں ازالہ ضروری ہے وہ کہتے ہیں کہ اس رائحہ کریہہ کی حقیقت دراصل نجاست کے وہ اجزاءِ صغار ہیں جو پوشیدہ اور غیر مرئی ہیں اس لئے اس کا ازالہ ضروری ہے، دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اجزاء نجاست نہیں ہیں بلکہ مصاحبت بالنجاست کا اثر ہے چونکہ کچھ دیر تک ہاتھ پر نجاست لگی رہی ہے، اس سے ہاتھ متاثر ہوا تو یہ ہمنشینی کا اثر ہے، عین نجاست نہیں ہے، لہذا اس کا ازالہ ضروری نہیں واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ (الدر المنضود: ۱/۱۵۱)

بانائ آخر: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ استنجے کے لئے برتن الگ ہوتا تھا۔ اور وضو کے لئے الگ یہ احتیاط اور کمال نظافت پر محمول ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ چونکہ پہلے برتن کا پانی استنجاء کرنے میں ختم ہو گیا اس لئے وضو کے لئے دوسرا برتن لایا گیا۔

اور ایک مطلب یہ ہے کہ "بـاناء آخر" سے مراد "بـمـاء آخر" ہے۔ ظرف بول کر مظروف کا ارادہ کرلیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ پہلا پانی ختم ہوگیا اس لئے دوسرا پانی لایا گیا، خواہ اسی برتن میں یا اور دوسرے برتن میں۔ بہر حال اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس برتن سے استنجاء کیا اس سے وضو کرنا یا استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے میں کوئی کراہت ہے، اس لئے کہ ایک برتن سے استنجاء، وضو، غسل وغیرہ کرنا بلاتردد درست ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۳۶۲/۱، بذل: ۲۹/۱۔

شرمگاہ پر چھینٹا دینا

﴿۳۳۴﴾ وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ۔ (رواه ابوداؤد، والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۲/۱، باب فی الانتضاح، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۶۶، نسائی شریف: ۱۷/۱، باب النضح، کتاب الطاهرة، حدیث نمبر: ۱۳۴۔

حل لغات: نضح (ف) نضحاً الثوب کپڑے پر پانی چھڑکنا۔

ترجمہ: حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب فرماتے تو وضو فرماتے تھے، اور اپنی شرمگاہ پر چھینٹا دیتے تھے۔

تشریح: ونضح فرجه: قطع وسواس کے واسطے ایسا کیا، اگر قطرہ آنے کا خیال اور وسوسہ پیدا ہو تو اس پانی سے یہ خیال ہو جائے گا کہ یہ میں نے خود ڈال رکھا ہے، جو لوگ وساوس کا شکار ہوں یہ ان کے لئے علاج ہے، یہ مطلب نہیں کہ اگر قطرہ آنے کا یقین ہو تو بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگرچہ اس کی شکایت نہیں تھی مگر اس مرض میں مبتلا لوگوں کے علاج کی تعلیم کے لئے یہ عمل فرمایا۔

اس کی مزید تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ہمیشہ باوضو رہنے کی تھی۔ جیسا کہ "اذا بال توضأ" سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جب بھی پیشاب فرماتے تھے، وضو فرماتے تھے، عزیمت اور افضل یہی ہے اور حدیث پاک میں اس کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

برتن میں پیشاب کرنا

﴿۳۳۵﴾ وَعَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهٖ يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد: ۴/۱، باب فی الرجل یبول باللیل فی الاناء ثم یضعہ عندہ، کتاب الطہارۃ، حدیث: ۲۴، نسائی شریف: ۶، باب البول فی الاناء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۳۲۔

حل لغات: قدح پانی یا نبیذ پینے کا پیالہ، ج اقداح، عیدان جمع ہے، واحد العیدانۃ انتہائی طویل کھجور کا درخت۔

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کی لکڑی کا ایک پیالہ تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پلنگ کے نیچے رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں رات کو پیشاب فرماتے تھے۔

تشریح: عیدان: بعض لوگوں کے نزدیک یہ مفرد لفظ ہے، فعلان کے وزن پر اور بعض کے نزدیک اس کا مفرد عیدانۃ ہے، عیدانۃ کہتے ہیں کھجور کی کھدی ہوئی لکڑی کو یا یہ عیدان جمع ہے عود کی یہ لکڑی کا پیالہ تھا۔

فوائد

(۱)...... **گھر میں بیت الخلاء:** اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں بضرورت پاخانہ پیشاب کرنا اور یا گھر میں بیت الخلاء بنالیا جائے تو صحیح اور درست ہے۔

(۲)...... **معذور کا چارپائی پر پاخانہ وغیرہ کرنا:** نیز معذور اور بیمار لوگ اگر چارپائی پر پیشاب وغیرہ کریں، تو درست ہے۔

(۳)...... **چارپائی یا تخت پر سونا:** حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چارپائی اور تخت پر سونا سنت کے خلاف نہیں۔

اشکال مع جوابات

اس حدیث شریف پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے، جس کو طبرانی نے نقل کیا ہے کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں پیشاب جمع کر کے رکھا جاتا ہے۔

اس کے متعدد جوابات ہیں۔

(۱)......ممانعت اس وقت ہے جب طویل مدت تک رکھا جائے اور یہاں طویل مدت تک نہیں رکھا جاتا تھا۔

(۲)......ممانعت اس وقت ہے جب بلا عذر ایسا کیا جائے اور یہاں عذر کی وجہ سے ایسا

کیا جاتا تھا۔

(۳)......عمل بیان جواز کے لئے فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ضرورۃً ایسا کرنا جائز ہے۔

(۴)...... یہ عمل ممانعت سے قبل کا ہے۔ ممانعت کے بعد اس کو ترک فرمادیا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۳۶۳/۱، بذل:۱۸/۱۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت کا مسئلہ

حدیث الباب ابوداؤد اور نسائی میں تو صرف اتنی ہی ہے، البتہ بعض دوسری کتب حدیث جیسے بیہقی دار قطنی مستدرک حاکم وغیرہ میں اس حدیث میں ایک اور زیادتی وارد ہے وہ یہ کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس پیالہ میں جو کچھ ہے اس کو پھینک آؤ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو میں نے پی لیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ لن تشتکی بطنک اب تم کو کبھی پیٹ کی بیماری لاحق نہ ہوگی۔ اس حدیث سے بعض علماء نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات (بول وبراز) کی طہارت پر استدلال کیا ہے جو ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہم صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور "الدر المنضود" میں تحریر فرماتے ہیں کہ احقر نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے اور ایک مضمون لکھا ہے جس میں مذاہب اربعہ کی عبارتیں درج ہیں تقریباً تمام مذاہب اربعہ میں مجھے اس کی طہارت کا قول مل گیا یہ مضمون طبع ہو کر "شیم الحبیب" کے آخر میں شامل کردیا گیا۔

بعض اہل حدیث اس پر بہت بگڑتے ہیں کہ کیا واہیات بات ہے، بول وبراز بھی کہیں پاک ہوتے ہیں، مگر کسی کے بگڑنے سے کیا ہوتا ہے، جب منقول ہے۔ (الدر المنضود:۱۲۳/۱)

نیز خلاصہ کائنات امام الانبیاء سید المرسلین رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کو اپنے اور عام انسانوں کے فضلات اور بول وبراز پر قیاس کرنا بھی سخت

ناانصافی ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر وشیر
چشمۂ آفتاب کجا ومن خراب کجا
بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تابکجا

یـا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

﴿۳۳۶﴾ وَعَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَآنِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ یَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ۔ (رواه الترمذی وابن ماجه) قَالَ الشَّیْخُ الْإِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا۔ (متفق علیه) قِیْلَ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ۔

حواله: (عن عمرؓ) ترمذی شریف: ۱/۷، باب النهی عن البول قائما، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۲، ابن ماجه: ۲۶، باب فی البول قاعدا، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۰۸، (عن حذیفة) بخاری شریف: ۱/۳۵، باب البول قائما و قاعدا، كتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۲۲۴، مسلم شریف: ۱/۱۳۳، باب المسح علی الخفین، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۷۳۔

تنبیه: یہاں پر درحقیقت دوحدیثیں ہیں۔

(۱)...... حدیث عمرؓ جس سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

(۲)...... حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ جس سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی اباحت معلوم ہوتی ہے، چوں کہ شیخ محی السنہ نے دوسری حدیث کو اصالۃً نہیں ذکر کیا، بلکہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بھی ثابت ہے، لہٰذا دونوں حدیثوں کو یہاں ساتھ میں ذکر کیا گیا ہے۔

حل لغات: سباطة کوڑی، کوڑی خانہ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میں کھڑا ہوکر پیشاب کر رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! کھڑے ہوکر پیشاب مت کرو، چنانچہ میں نے اسکے بعد کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) شیخ محی السنہؒ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت منقول ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا۔ (بخاری و مسلم) کہا گیا ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے تھا۔

تشریح: کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا رواج اہل عرب میں بھی تھا، اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہوکر پیشاب کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرو، ہدایت ہوگئی۔ اور اس پر عمل بھی ہوگیا کہ اس کے بعد کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

فائدہ: اس سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کمال اتباع اور کمال اطاعت بھی معلوم ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہی فرمانے کے بعد زندگی بھر کبھی خلاف ورزی نہیں کی۔

قال الشیخ الخ: صحیح سند سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہے، تو اس حدیث اور پہلی حدیث میں تعارض ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا اور خود کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔

قیل لعُذرٍ: سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بر بنائے عذر کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہے، اب رہا یہ سوال کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا عذر تھا۔ اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

مختلف اقوال

(۱)...... آنحضرت کی کمر مبارک میں درد تھا۔

(۲)...... گھٹنوں میں درد تھا۔

(۳)...... درد کی وجہ سے بیٹھنے میں دشواری تھی، اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔

(۴)...... یا بطور علاج کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا چونکہ اہل عرب کمر کے درد کا علاج کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے کرتے تھے۔

(۵)...... بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔

(۶)...... بیٹھنے کی شکل میں بدن پر پیشاب کی چھینٹیں آنے کا اندیشہ تھا۔

(۷)...... مجلس مبارکہ میں زیادہ دیر بیٹھے رہنے کی وجہ سے پیر مبارک اکڑ گئے تھے کھڑے ہو کر پھر آسانی جلد نہیں بیٹھ سکتے تھے، اور پیشاب کا شدید تقاضا تھا۔

(۸)...... معذورین کے لئے بیان جواز کے لئے ایسا فرمایا۔

(۹)...... پہلے جائز تھا بعد میں نسخ ہو گیا، یہ واقعہ نسخ کے قبل کا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بذل:١/١٧، مرقاة:١/٣٦٣، التعلیق الصبیح:١/١٩٨، العرف الشذی:١/٩)

بول قائماً میں مذاہب ائمہ

جاننا چاہئے کہ مسئلہ الباب اختلافی ہے، حنفیہ، شافعیہ کے نزدیک بول قائماً مطلقاً مکروہ ہے اور حنابلہ و مالکیہ کے یہاں ایک قید کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے، وہ یہ کہ رشاش البول وغیرہ سے امن ہو، چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب نیل المارب میں اس قید کی تصریح ہے، یعنی بشرطیکہ رشاش البول اور کشف عورت کا اندیشہ نہ ہو اور مغنی میں لکھا ہے کہ حنابلہ کے یہاں بول قائماً خلاف مستحب ہے، بعض حضرات نے امام احمدؒ کا مذہب مطلقاً جواز لکھ دیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، البتہ بعض تابعین جیسے سعید بن المسیبؒ عروۃ بن الزبیرؒ کے نزدیک بول قائماً مطلقاً بلا کراہت جائز ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کراہت اس میں تنزیہی ہے یا تحریمی، جواب یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے اور ادب کے خلاف ہے، حرام نہیں ہے۔ بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ یہ نصاریٰ کا طریق ہے اور اس میں ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اس لئے اگر کراہت تحریمی قرار دی جائے تو بجا ہے۔ (الدر المنضود:١/١١٩)

مگر راجح تو نہی تنزیہی ہے، اور خود حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ کراہت تنزیہی اور جواز دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

بیان جواز کی کچھ وضاحت

احادیث کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ یہ کام بیان جواز کے لئے ہے اس کا مطلب سمجھ لینا ضروری ہے۔

شریعت کے تمام مأ مورات کا مرتبہ اوران کی اہمیت ایک جیسی نہیں ہوتی بلکہ کسی کام کا امر فرض کے درجہ کا ہوتا ہے کسی کا واجب کے درجہ کا اور کسی چیز کا امر صرف سنیت اور استحباب کیلئے ہوتا ہے، مثلاً شریعت نے نماز کا بھی امر کیا ہے، اور مسواک کا بھی، دونوں کی حیثیت میں فرق ہے، نماز کا امر فرضیت کیلئے ہے اور مسواک کا استحباب کیلئے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کام صرف اوامر شریعت پہنچا دینا ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب میں ان اوامر کے مراتب وحیثیات کو سمجھانا بھی شامل ہے، کبھی کسی کام کا امر استحبابی ہوتا ہے اس امر کی یہ حیثیت سمجھانے کیلئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں کہ عام طور پر تو اس عمل مستحب کو بجالاتے ہیں لیکن کبھی کبھی اس کو ترک بھی کردیتے ہیں، تاکہ امت اس کو فرض یا واجب نہ سمجھ لے اور مستحب کا یہ ترک نبی کے فرض منصبی میں شامل ہوتا ہے۔

ایسے ہی جن کاموں سے شریعت نے روکا ہے ان کی نہی بھی ایک درجہ کی نہیں ہوتی بلکہ کبھی کسی چیز سے نہی اس کے حرام ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور کبھی محض اس لئے ہوتی ہے کہ وہ کام آداب اسلامیہ کے خلاف ہے، ایسا کام صرف خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہوتا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہی کا یہ مرتبہ سمجھانے کے لئے اس خلاف اولیٰ کام کو کبھی خود بھی فرمالیتے ہیں، تاکہ کہیں امت اس کام کو حرام نہ سمجھ لے اور نبی کا یہ کام کرنا فرض منصبی ہوتا ہے، ایسے موقع پر کہدیا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کام ''بیان جواز'' کے لئے کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر غیر نبی کسی مستحب کو چھوڑ دے یا کوئی مکروہ تنزیہی کام کرلے تو خلاف اولیٰ اور اس کی کمزوری سمجھا جائے گا، لیکن نبی جب مستحب کو چھوڑتا یا مکروہ تنزیہی پر عمل کرتا ہے تو اس کو ان کی کمزوری نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اس پر ان کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کسی

فرض پر ملتا ہے، اس لئے کہ جس طرح نماز ان کے لئے فرض تھی اور یہ انہوں نے حق تعالیٰ کے حکم سے پڑھی ہے ایسے ہی اس مکروہ تنزیہی پر عمل کرنے کا حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے اور یہ مکروہ تنزیہی ان کے لئے فرض ہو جاتا ہے۔

اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ مامور یا منہی عنہ کا مقام و مرتبہ سمجھانے کیلئے زبان سے بتا دینا ہی کافی ہے کہ یہ کام فرض یا واجب نہیں بلکہ محض مستحب ہے اور اس کام سے نہی تحریم کیلئے نہیں بلکہ یہ تنزیہی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی عملی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیا کرتے ہیں اور یہی زیادہ مؤثر اور اوقع فی القلب ہوتی ہے، جیسے متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کا جواز زبانی بیان کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس پر خود عمل کر کے دکھایا، زید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے، انکی مطلقہ بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کروایا گیا۔

﴿الفصل الثالث﴾

بیٹھ کر پیشاب کرنا

﴿۳۳۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِماً فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا۔ (رواه احمد والترمذي والنسائي)

حوالہ: مسند احمد: ۶/۱۹۲، ترمذی شریف: ۱/۹، باب ماجاء فی النهی عن البول قائما، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۲،نسائی شریف: ۱/۶، باب البول فی البیت جالسا، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے

فرمایا کہ تم سے جو شخص یہ بیان کرے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اس کو سچ مت مانو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پیشاب فرماتے تھے۔

تشریح: اوپر والی حدیث سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہوگیا ہے اور اس حدیث سے نفی معلوم ہوتی ہے، لہٰذا دونوں میں تعارض ہوگیا۔

رفع تعارض: (۱)...... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عادت کی نفی فرمارہی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی نہ تھی۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اتفاقی امر کو بیان فرمایا ہے، یا عذر کی حالت کو بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

(۲)...... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے علم کے اعتبار سے نفی فرمارہی ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے علم کے اعتبار سے اثبات۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

(۳)...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر کے اعتبار سے نفی فرمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ گھر میں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیشاب نہیں فرمایا۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں، اور مکان ومحل بدل جانے سے تعارض نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

بیٹھ کر پیشاب کرنے کے فوائد

حدیث پاک میں پیشاب کرنے کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے کہ پیشاب بیٹھ کر کرنا چاہئے۔ اس میں پیشاب کے چھینٹوں سے بھی حفاظت ہوتی ہے، پردہ بھی زیادہ ہوتا ہے، راحت بھی رہتی ہے۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے نقصانات

برخلاف کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے کہ اس میں مذکورہ بالا خرابیوں کے ساتھ کئے

کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہ وہ بھی کھڑے ہو کر ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ بے پردگی ہوگی بدن پر چھینٹیں پڑیں گی۔ اس طرح جنٹلمین آدمی بھی پتلون کا بٹن کھول کر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیتا ہے نہ بے پردگی کا خیال نہ چھینٹوں سے حفاظت کا خیال۔ پھر اس پر دعوئ تہذیب کا ترقی کا عقلمندی کا، افسوس!

اللہ پاک کا کتنا عظیم احسان ہے کہ اس نے ایسا پاکیزہ نبی بھیجا جسنے ہر موقع پر پاکیزہ چیزوں کی تعلیم فرمائی، حق تعالیٰ شانہ ہم کو صحیح قدر دانی اور شکر گذاری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

پیشاب کے بعد چھینٹے مارنا

﴿۳۳۸﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَاهُ فِيْ اَوَّلِ مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غُرْفَةً مِنَ الْمَاءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهٗ۔ (رواه احمد والدار قطني)

حواله: منسد احمد: ۱۶۱/۴، دارقطني: ۱۱۱/۱، كتاب الطهارة، باب في نضح الماء على الفرج بعد الوضوء، حدیث نمبر: ۱۔

حل لغات: غرفة پانی وغیرہ کا چلو، چلوبھر پانی، ج غرف.

ترجمه: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام شروع میں وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء سکھایا اور نماز بھی سکھائی

اور جب وضوء سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اس کو اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا۔

تشریح: یہ طریقہ وساوس واوہام کو ختم کرنے کی بہترین تدبیر اور علاج ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر اس کی تعلیم دی، تاکہ امت میں جو لوگ وساوس کی بیماری میں مبتلا رہتے ہیں وہ اس طرح علاج کرلیا کریں۔ جن لوگوں کو وضو کے بعد وسوسے آتے رہتے ہیں کہ شاید پیشاب کے قطرے نکل آئے ہیں حالانکہ نکلا وکلا کچھ نہیں ہوتا، محض وسوسہ ہوتا ہے، ایسے لوگوں کو چھینٹا مارنا مناسب ہے، تاکہ اگر وسوسہ آئے تو وہ تو یہ سوچ لے کہ یہ تو میرا اپنا چھڑکا ہوا پانی ہے، مگر یہ اسی وقت ہے جب محض وسوسہ ہو اگر قطرہ نکلنے کا یقین ہوجائے یا ظن ہوجائے پھر یہ تدبیر کافی نہیں، بلکہ پھر تو تجدید وضوضروری ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

فائدہ: حدیث پاک سے وضو اور نماز کے سیکھنے سکھانے کی اہمیت بھی معلوم ہوئی کہ اس کے لئے باقاعدہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے معلوم ہوا کہ وضو اور نماز کے احکام وغیرہ کو باقاعدہ سیکھنا چاہئے۔ اسی طرح سکھانے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

اشکال مع جواب

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان چیزوں کی تعلیم دی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام استاذ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاگرد ہوئے اور استاذ کا مرتبہ شاگرد سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم آتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تعلیم دینا استاذ کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ معلم حقیقی تو خود حق تعالیٰ شانہ ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام درمیان

میں واسطہ محض ہوتے تھے، لہٰذا اس سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

ایضاً

﴿٣٣٩﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَنِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِيْ الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ اَلْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ الْهَاشِمِيُّ الرَّاوِيْ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۷، باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جب وضوء کریں تو پانی کا چھینٹا دیا کریں۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، میں نے محمد یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسن بن علی ہاشمی راوی منکر الحدیث ہیں۔

تشریح: اذا توضأت فانتضح: اس کے ایک معنی تو وہ ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور ایک معنی یہ ہیں کہ توضأت اردت کے معنی میں ہے یعنی جب تم وضو کا ارادہ کرو تو فانتضح استنجاء کرلیا کرو۔ تاکہ وہم ہی نہ رہے یا فانتضح کے معنی نل کے ہیں یعنی پیشاب کو بہادو مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے پہلے ضرورتوں سے فارغ ہو جاؤ، تاکہ نماز باطمینان ادا ہو۔

منکر: اس راوی کو کہتے ہیں جو غیر ثقہ ہو کر ثقہ کی مخالفت کرے۔

انتضاح کے معنی

انتضاح کے شراح نے متعدد معنی لکھے ہیں:

(١)......ابن ارسلان کہتے ہیں کہ "الانتضاح عند الجمهور رش الفرج بالماء بعد الوضوء" یعنی وضو سے فارغ ہونے کے بعد دفع وساوس کے لئے شرمگاہ کے مقابل کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا۔

(٢)......امام نوویؒ فرماتے ہیں "قال المحققون هو الاستنجاء بالماء.

(٣)......صب الماء على الاعضاء.

(٤)......استنجاء بالماء کے وقت شرمگاہ پر پانی ٹپکانا تا کہ تقاطر کا بالکلیہ انقطاع ہو جائے۔

ترجمۃ الباب میں مصنف کی مراد بظاہر معنی اول ہے۔

یہاں پر انتضاح کے تینوں معنی بلا تکلف مراد ہو سکتے ہیں۔

(١)......اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ وضو سے فارغ ہو جائیں تو کپڑے پر چھینٹا دے لیا کریں۔

(٢)......جب آپ وضو کا ارادہ فرمائیں تو اس سے پہلے استنجاء بالماء کر لیا کریں۔

(٣)......جب آپ وضو فرمائیں تو اعضاء پر اچھی طرح پانی بہائیں اور صرف مسح اعضاء پر اکتفا نہ کریں۔(الدر المنضود:١/٣٠٤)

تنبیہ: ایسے ہی چوتھے معنی بھی بلا تکلف مراد ہو سکتے ہیں۔ کما هو الظاهر.

حدث ہونے پر فوراً وضو کرنا

﴿٣٤٠﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهٗ بِكُوْزٍ مِنْ مَاءٍ فَقَالَ مَاهٰذَا يَاعُمَرُ قَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهٖ قَالَ مَاأُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً۔ (رواه ابوداؤد، وابن ماجه)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۷/۶/۱، باب فی الاستبراء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۴۲، ابن ماجہ:۲۸، باب من بال ولم یمس ماء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۲۷۔

حل لغات: کوز ڈنڈی دار پیالہ، جگ، ج کِیْزَانٌ.

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی کا لوٹا لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا عمر یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: آپ کے وضوء کے لئے پانی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب بھی میں پیشاب کروں تو وضوء بھی کروں، اگر میں ایسا کرتا تو یہ فعل سنت ہو جاتا۔

تشریح: ولو فعلت لكانت سنة: اگر میں ایسا ہی کرتا رہوں تو یہ سنت ہو جائے گی لوگ اس کا التزام کرنے لگیں گے کہ ہر حدث کے بعد وضو کو ضروری سمجھنے لگیں اور پھر دشواری میں پڑ جائیں گے۔

فوائد حدیث

حدیث پاک سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ہمہ وقت باوضو رہنے کی تھی۔ اور

حدث ہونے پر فوراً وضو فرمایا کرتے تھے۔ اگر یہ عادت شریفہ نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیشاب فرمانیکے موقع پر وضو کا پانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیوں لیکر حاضر ہوتے۔

(۲)……آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمہ وقت باوضو رہنا استحباب کے طور پر تھا، بطور وجوب کے نہ تھا جیسا کہ ارشاد عالی: مَا اُمِرْتُ کُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ الخ: دلالت کر رہا ہے۔

(۳)……جس چیز پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التزام فرمائیں وہ سنت مؤکدہ ہوجاتا ہے، جیسا کہ ارشاد عالی وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً الخ سے ظاہر ہو رہا ہے۔

(۴)……آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی فرماتے تھے، جیسا کہ ارشاد عالی مَا اُمِرْتُ کُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ الخ: سے ظاہر ہو رہا ہے۔

(۵)……کسی چیز کی رغبت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت پر لازم ہوجانے کے اندیشہ سے اس کو ترک فرمادیا کرتے تھے، جیسا کہ ارشاد عالی وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً الخ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت پر کمال شفقت و رحمت ظاہر ہے۔

(۶)……صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کمال جذبہ خدمت کا بھی علم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عادت شریفہ کی وجہ سے از خود پانی لے کر حاضر ہوئے۔

(۷)……معلوم ہوا کہ طلباء میں اپنے اساتذہ اور طالبین و سالکین میں اپنے مشائخ کی خدمت کا جذبہ ہونا چاہئے۔

(۸)……ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور کوشش کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ہمیشہ باوضو رہنے کی معلوم ہوئی۔ فقط

یَـا رَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِـمًـا اَبَـدًا

عَـلٰـی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

استنجاء بالماء

﴿۳۴۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَجَابِرٍ وَاَنَسٍ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِیْهِ رِجَالٌ یُحِبُّوْنَ اَنْ یَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰی عَلَیْکُمْ فِی الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُکُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذٰكَ فَعَلَیْکُمُوْهُ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابـن مـاجـه: ۳۰، بـاب الاسـتـنـجـاء بالماء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۵۵۔

تـرجـمـه: حضرت ابوایوب وجابر وانس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ یہ آیت "فیـه رجـال یحبون ان یتطهروا الخ" [یعنی اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکی کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے] جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکی کے سلسلے میں تعریف فرمائی ہے، پس تمہاری وہ پاکیزگی کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا ہم لوگ نماز کے لئے وضوء کرتے ہیں، اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ چیز یہی ہے، تو تم اس کو لازم پکڑے رہو۔

تشـریح: فیـه رجـال میں ہ ضمیر کا مرجع قبا ہے، جو مدینہ کا ہی ایک قبیلہ

ہے یہ لوگ انصاری ہی تھے۔ انہوں نے پانی سے استنجاء کرنے کا التزام کیا، حالانکہ اس وقت پانی کی بڑی قلت ودقت تھی، اسی وجہ سے ان کی تعریف میں آسمان سے یہ آیتیں اتری ہیں۔

فَعَلَيْكُمُوْهُ الخ: پس تم اس کو لازم پکڑلو اس جملہ میں خاص طور پر استنجاء بالماء کو لازم پکڑنے کا حکم ہے اس لئے کہ وضو للصلوٰۃ اور جنابت سے غسل تو دیگر حضرات صحابہ کرام حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین بھی فرماتے تھے، استنجاء بالماء کا اہتمام بطور خاص اس قبیلہ کے لوگ فرماتے تھے، اسی کو لازم پکڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۳٦۵)

فائدہ: اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صفائی ستھرائی اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند ہے کہ اس کے لئے آسمان سے آیت نازل فرمائی اور صفائی ستھرائی والوں سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔ پس ایمان والوں کو اس کا کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔

اس باب کو منعقد کرنے اور استنجاء بالماء کو ثابت کرنے کی ایک غرض یہ ہے کہ بعض علماء نے استنجاء بالماء کو مکروہ سمجھا ہے، جیسا کہ ابن حبیب مالکیؒ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ پانی پینے کی چیز ہے، جس طرح آپ روٹی سے استنجاء نہیں کرسکتے جو کھانے کی چیز ہے، تو پانی سے کیوں کرتے ہیں، وہ پینے کی چیز ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، پانی کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ مطہر ہے، تو جہاں وہ ایک پینے کی چیز ہے، تطہیر بھی اس کی تخلیق سے مقصود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وانزلنا من السماء ماء اطھورا'' الآیۃ. لہٰذا پانی کو خبز پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

نیز بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ استنجاء بالماء نہیں کرتے تھے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے قائل نہ تھے، چنانچہ انہوں نے

فرمایا:"اذا لایزال النتن بیدی" کہ اگر میں (بعد الغائط) استنجاء بالماء کروں گا تو میرے ہاتھ میں سے بدبو زائل نہ ہوگی تو ان جیسے اقوال کو رد کرنے کے لئے مصنفؒ نے "باب الاستنجاء بالماء" باندھا ہے، اور حدیث الباب سے ثابت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء بالماء ثابت ہے۔

نیز ابن التین نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استنجاء بالماء ثابت نہیں ہے، چنانچہ مؤطین میں ہے:"قال یحییٰ سئل مالک عن غسل الفرج من البول و الغائط هل جاء فیه اثر فقال بلغنی ان بعض من مضی کانوا یتوضؤون من الغائط" لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیحین کی روایت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استنجاء بالماء ثابت ہے۔ جس طرح استنجاء بالحجر کا ثبوت روایات کثیرہ سے ہے اور اسی کے قریب قریب استنجاء بالماء کا ثبوت بھی ہے۔ (الدر المنضود: ۱/۱۴۹)

استنجے کی تین صورتیں

اس حدیث سے استنجاء بالماء کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے، استنجاء کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱)...... استنجاء بالاحجار فقط یعنی صرف ڈھیلے استعمال کئے جائیں، پانی سے دھویا نہ جائے۔

(۲)...... استنجاء بالماء فقط یعنی صرف پانی سے استنجاء کیا جائے اور ڈھیلے استعمال نہ کئے جائیں۔

(۳)...... جمع بین الحجر والماء یعنی ڈھیلے بھی استعمال کئے جائیں، اور پانی سے بھی دھویا جائے۔

فقہاء کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں، اور اس بات پر بھی

جمہور سلف وخلف متفق ہیں کہ تیسری صورت سب سے افضل ہے، اس بات سے تنظیف زیادہ حاصل ہوتی ہے، اس کا مستحسن ہونا باشعور آدمی کے لئے بالکل بدیہی ہے، لیکن اتفاق ایسا ہے کہ دونوں کو جمع کرنا صحیح صریح حدیثوں میں کم آ رہا ہے، شاید اس کے بدیہی ہونے کی وجہ سے اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (عمدۃ القاری: ۲/۲۹۰، **وفیہ ومذهب جمهور السلف والخلف والذی اجمع علیہ اهل الفتویٰ من اهل الامصار ان الافضل ان یجمع بین الماء والحجر**)

جن روایات سے دونوں کو جمع کرنا ثابت ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

جمع بین الحجر والماء پر دلالت کرنے والی چند احادیث

(۱)...... حدیث جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی تخریج امام نسائی نے کی ہے: **"قال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتی الخلاء فقضی الحاجة ثم قال یاجریر هات طهورا فاتیته بالماء فاستنجی بالماء"** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا پھر اس جگہ سے ہٹ کر حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے پانی مانگا اور پانی سے استنجاء کیا، ظاہر ہے کہ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلا استعمال کر کے ہی وہاں سے پانی منگوانے کیلئے تشریف لائے ہوں گے ورنہ بدن و کپڑے آلودہ ہونے کا واضح اندیشہ ہے۔ (سنن نسائی: ۱/۱۹)

(۲)...... حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: **"قال نزلت هذه الأية فی اهل قبا فیه رجال "یحبون ان یتطهروا واللہ یحب المطهرین فسألهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا انا نتبع الحجارة والماء"** اس کی تخریج بزار نے اپنے مسند میں کی ہے۔ (نصب الرایہ: ۱/۲۱۸)

(۳)......حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس آیت کے شان نزول میں اسی قسم کی بات مروی ہے، اس میں اہل قباء کے یہ الفاظ بھی مروی ہیں: "ان احدنا اذا خرج من الغائط احب ان یستنجی بالما" اس میں خروج من الغائط کے بعد استنجاء بالماء کا ذکر ہے، ظاہر ہے پہلے ڈھیلے سے استنجاء کرکے ہی وہاں سے نکلتے ہوں گے، اس حدیث کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے بھی ان کی تصحیح پر موافقت کی ہے۔(مستدرک حاکم: ۱۵۵/۱، او السنن الکبریٰ للبیهقی: ۱۰۵/۱، منتقی ابن جارود: ۲۴)

(۴)......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر: "ان من کان قبلکم کانوا یبعرون بعرا وانکم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارة بالماء" (مصنف ابن ابی شیبه: ۱۵۴/۱، (واللفظ له) السنن الکبری للبیهقی: ۱۰٦/۱، باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء)

علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اس اثر کو "جید" کہا ہے۔(نصب الرایہ: ۱۹او/۱)
(اشرف التوضیح)

استنجے کے تین آداب

﴿۳۴۲﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّي لَاَرٰى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتَّى الْخِرَاءَةَ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَانَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَانَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا وَلَانَكْتَفِيَ بِدُوْنِ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ وَلَاعَظْمٌ۔ (رواه مسلم، واحمد) واللَّفْظُ لَهٗ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱۳۰/۱، باب الاستطابة، کتاب الطهارة،

حدیث نمبر:٢٢٦، مسند احمد: ٥/٤٣٧.

حل لغات: الخراءة خرئی (س) خراء وخراءة پاخانہ کرنا، بیٹ کرنا۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا میں تمہارے صاحب کو دیکھتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو ہر بات سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ پیشاب، پاخانہ کرنا بھی، میں نے کہا یقیناً ایسا ہی ہے، ہم کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کا استقبال نہ کریں، ہم اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں اور ہم تین پتھروں سے کم پر اکتفاء نہ کریں، (اور جس چیز سے استنجاء کرنا ہو) اس میں لید اور ہڈی نہ ہو۔ اس روایت کو مسلمؒ اور احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ اور مذکورہ الفاظ مسند احمد کے ہیں۔

تشریح: حَتّٰی الْخِرَاءَةَ: یہاں تک کہ پائخانہ کی نشست گاہ (قدمچہ) کا طریقہ بھی سکھلاتا ہے کہ اس طرح بیٹھو نہ کعبہ کا استقبال ہو اور نہ استدبار، یہ تعلیمات ہی تکمیلات ہیں، زیادتی کمال پر دال ہیں کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بھی تعلیم کرتے ہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکیمانہ طریقہ پر جواب دیا ہے چونکہ جب مشرکین نے استہزاء کیا تو ان کو حق تھا کہ وہ اس کو ڈرا دھمکا کر جواب دیکر خاموش کرتے لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انکے استہزاء کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ایک ایسا جواب دیا جیسے کوئی مرشد ورہبر بزرگوار سائل کو تلقین کرتا ہے یعنی یہ استہزاء ومذاق کا مقام نہیں ہے، بلکہ یہ تو حق اور کمال کی نشانی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تم لوگ عناد وہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور راہِ راست کو اختیار کرلو، اور اپنے ظاہر وباطن کو روحانی وجسمانی پلیدی وگندگی سے پاک کر کے معتدل راستہ پر چل پڑو۔ یعنی مذہب اسلام

اختیار کرلو۔(مرقاۃ:٣٦٦/١، فتح الملہم:١/٤٢٢)

حدیث پاک میں استنجے کے تین آداب بیان کئے گئے ہیں۔

(١)......استنجا کے وقت قبلہ کا استقبال نہ کرنا۔

(٢)......دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرنا۔

(٣)......تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفاء نہ کرنا۔

یہ تینوں چیزیں پہلے گذر چکی ہیں۔

اس حدیث میں "وَ لَانَکْتَفِیْ بِدُوْنِ ثَلَاثَۃِ اَحْجَارٍ" سے شافعیہ کی تائید ہوتی ہے۔مگر حنفیہ اس کے جواب میں حدیث "من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج الحدیث" پیش فرماتے ہیں۔

اشکال مع جوابات

ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ میں صرف استقبال کی ممانعت کا ذکر ہے، استدبار کا ذکر نہیں اس کے کئی جواب ہیں۔

(١)......ممکن ہے کہ ابتداءً ممانعت صرف استقبال کی ہوئی ہو اس لئے صرف استقبال کو ذکر فرمایا۔

(٢)......استقبال کی ممانعت زیادہ سخت ہے اس لئے صرف اس کو ذکر فرمایا۔

(٣)......استقبال بول کر استقبال واستدبار دونوں کا ارادہ فرمایا۔

استنجے کے وقت پردہ

﴿٣٤٣﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَۃَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ إِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ انْظُرُوا إِلَيْهِ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ أَمَا عَلِمْتَ مَا أَصَابَ صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوهُ بِالْمَقَارِيضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِي قَبْرِهِ۔ (ابوداؤد، وابن ماجة) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْهُ عَنْ أَبِي مُوسَى۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴/ ۱، باب الاستبراء من البول، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۲، ابن ماجه: ۲۹، باب التشدید في البول، کتاب الطهارة وسننها، حدیث نمبر: ۳۴۶، نسائی: ۶، باب البول الی سترة یستتر بها، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۰۔

حل لغات: الدرقة، چمڑے کی ڈھال جس میں لکڑی اور پشتہ نہ ہو۔ ج دَرَقٌ، جج اَدْرَاقٌ، قرضوا قرض (ض) الشیٔ قرضاً کترنا، کاٹنا، المقاریض جمع ہے، واحد مقراض قینچی۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن حسنہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک ڈھال تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو رکھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سامنے بیٹھ گئے اور پیشاب فرمایا، تو بعض لوگوں نے کہا ان کو دیکھو، یہ عورت کی طرح پیشاب کر رہے ہیں۔ یہ بات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، کیا تو اس بات کو نہیں جانتا جو بنی اسرائیل کے ساتھی کو پہنچی، جب بنی اسرائیل کو پیشاب لگ جاتا تو وہ جہاں پیشاب لگتا اس کو قینچیوں سے کاٹتے تھے، تو ایک شخص نے لوگوں کو روکا، تو اس شخص کو اس

کی قبر میں عذاب دیا گیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) نسائی نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن حسنہ سے اورانہوں نے ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: درقۃ: ایک لکڑی ہوتی ہے جس کو فارسی میں زش کہتے ہیں اور اردو میں ڈھال کہتے ہیں۔

عرب میں پردہ کا اہتمام نہیں تھا پیشاب پائخانہ بھی ایک دوسرے کے سامنے اس طرح بے پردہ کرتے تھے، عورتیں البتہ پردہ کے ساتھ پیشاب کرتی تھیں۔ اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ کے ساتھ پیشاب کرنے پر تعجب ہوا۔

فائدہ: حدیث پاک سے پیشاب کرنے کے دوادب معلوم ہوئے۔

(۱)...... پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کا اہتمام کرنا۔

(۲)...... پیشاب کے وقت پردہ کا اہتمام کرنا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرقاۃ: ۳٦۷/۱، بذل: ۱٦/۱۔

استقبال قبلہ کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل

﴿۳۴۴﴾ **وَعَنْ** مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد: ۳/۱، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۱۔

حل لغات: اناخ اناخةً الجمل اونٹ کو بٹھانا، راحلته سواری اور باربرداری کا اونٹ، الفضاء ج افضية کھلا میدان۔

ترجمہ: حضرت مروان اصفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی سمت میں بٹھایا، پھر خود بیٹھ گئے اور اونٹ کی طرف رخ کر کے پیشاب کیا، میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! کیا اس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اس سے جنگل میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن جب قبلہ اور تمہارے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عمل اور ارشاد سے حضرات شوافع کی تائید ہوتی ہے مگر احناف کی طرف سے تفصیلی جوابات اوپر گذر چکے ہیں، نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ اپنی رائے ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے جس کا انہوں نے بیت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں مشاہدہ کیا تھا سمجھا مگر دوسری مرفوع روایات کے ہوتے ہوئے یہ حجت نہیں اور اس کے تفصیلی جوابات اوپر گذر چکے ہیں۔

بیت الخلاء سے نکل کر پڑھنے والی دعاء

﴿۳۴۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ (رواه ابن ماجة)

حوالہ: ابن ماجہ:۲۶، باب ماینهي عنه ان يستنجي به، حدیث نمبر:۳۹۔

حل لغات: عافانی عافاه الله ومعافاة وعفاء وعافية باب مفاعلة سے، امراض وآفات سے محفوظ رکھنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم جب پاخانہ سے نکلتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ" [یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز یعنی پاخانہ و پیشاب کو دور کردیا، اور مجھ کو عافیت عطا فرمائی۔]

تشریح: حدیث پاک میں بیت الخلاء سے نکلنے کا ادب بیان فرمایا ہے۔ اور اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جس طرح کھانا کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے اسی طرح اس کا ہضم ہو جانا اور فضلہ کا نکل جانا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور یہ ایسی نعمت ہے کہ اگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا تلقین نہ فرماتے تو کسی شخص کا اس عظیم نعمت کی طرف خیال بھی نہ جاتا۔ فقط

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

لید اور ہڈی سے استنجاء

﴿۳۴٦﴾ **وَعَنْ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ یَسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ حُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِیْهَا رِزْقًا فَنَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ٦/١، باب ماینهی عنه ان یستنجی به، حدیث نمبر: ۳۹۔

حل لغات: حممة ج حمم کوئلہ، راکھ، آگ سے جلی ہوئی ہر چیز۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جنات کی ایک جماعت نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کو اس بات سے منع فرمادیجئے کہ وہ ہڈی یا لید یا کوئلہ سے استنجاء کریں۔ اس لئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں ہمارے لئے رزق مقرر کر رکھا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو ان چیزوں سے منع فرمادیا۔

تشریح: ممکن ہے کہ یہ سب چیزیں جنات کی غذا ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہڈی جنات کی اور لید اور کوئلہ ان کے چوپایوں کی غذا ہو۔

حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غذا خواہ انسانوں کی ہو خواہ جنات کی اور خواہ چوپایوں کی قابل احترام ہے۔ بلاوجہ اور بلاضرورت اس کو نجس کرنا درست نہیں۔ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

فوائد حدیث

حدیث شریف سے یہ چند امور بھی معلوم ہوئے۔

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کے لئے نبی تھے اسی طرح جنات کے لئے بھی نبی تھے۔

(۲)...... جنات حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اپنی ضروریات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

(۳)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنات کی زبان بھی سمجھتے تھے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

باب السواك

رقم الحدیث:...... ۳۴۷؍ تا ۳۶۰؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب السواك

مسواک کے مباحث اربعہ کا تفصیلی بیان

یہاں پر چند بحثیں ہیں۔

(۱)......سواک معنی لغوی اور عرفی، اور مأخذ اشتقاق۔

(۲)......اس کا حکم من حیث الوجوب والسنیۃ۔

(۳)......مسواک صرف سنن وضوء سے ہے یا سنن وضوء وصلوۃ دونوں سے ہے۔

(۴)......مسواک کے فضائل وخواص۔

بحث اول

سواک بکسر السین "مایدلک به السنان" یعنی وہ لکڑی وغیرہ جس سے دانتوں کو رگڑا جائے۔ سَاکَ یَسُوکُ سوکًا سے ماخوذ ہے، جس کے معنی مسواک سے رگڑنے کے ہیں، اور لفظ سواک کا استعمال معنی مصدری اور آلہ یعنی مسواک دونوں میں ہوتا ہے، جس وقت آلہ مراد ہوگا اس وقت اسکی جمع "سُوکٌ" آئے گی۔ جیسے کتابٌ کی جمع کتبٌ.

اور کہا گیا ہے کہ سواک ماخوذ ہے "تساوکت الابل" سے، اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کہ اونٹ ضعف کی وجہ سے بہت آہستہ اور نرم چال چل رہے ہوں، سو اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مسواک نرمی کے ساتھ کرنی چاہئے۔

اوراصطلاحِ فقہاء میں "سواک" کے معنی ہیں لکڑی یا کوئی موٹا کپڑا وغیرہ دانتوں میں استعمال کرنا تاکہ دانتوں کی گندگی اور پیلا پن دور ہوجائے، بہتر یہ ہے کہ مسواک کسی کڑوے درخت کی ہو، اور لکھا ہے افضل اراک یعنی پیلو کی ہے، اس کے بعد درجہ زیتون کا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے عِلک یعنی گوند مسواک کے قائم مقام ہے۔

بحث ثانی

مسواک کا حکم: بعض علماء نے اس کی سنیت پر اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن اجماع صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، ائمہ اربعہ تو اس بات پر متفق ہیں کہ صرف سنت ہے واجب نہیں ہے، اور ظاہریہ کے نزدیک مطلقاً واجب ہے، اور ابن حزم ظاہری صرف جمعہ کے دن اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور اسحٰق بن راہویہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے، کہ ان کے نزدیک مسواک عند الترک صحت صلوٰۃ کے لئے شرط ہے، اور نسیان کے وقت معاف ہے، لیکن امام نوویؒ نے اس انتساب کا انکار کیا ہے، یعنی ان کا مذہب یہ نقل کرنا صحیح نہیں ہے، یہ اختلاف جو ذکر کیا گیا ہے امت کے حق میں ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ظاہر یہ ہے کہ مسواک واجب تھی، جیسا کہ حدیث الباب سے معلوم ہوگا۔

بحث ثالث

جاننا چاہئے کہ مسواک شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں سنن وضوء اور سنن صلوٰۃ دونوں سے ہے مستقلاً۔ اور حنفیہ کے یہاں مشہور قول کی بنا پر صرف سنن وضوء سے ہے، نہ کہ سنن صلوٰۃ سے، لیکن ایک قول ہمارے یہاں یہ ہے کہ نماز کے وقت بھی مستحب ہے، جیسا کہ شیخ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ پانچ اوقات میں مستحب ہے:

(۱)......عند اصفرار الاسنان.

(۲)......عند تغير الرائحة (یعنی جب منہ میں کسی قسم کی بو پیدا ہو جائے)

(۳)......عند القيام من النوم.

(۴)......عند القيام الى الصلوٰة.

(۵)......عند الوضوء.

سو اس قول کی بناء پر ہمارے اور شافعیہ کے درمیان فرق یہ ہوگا کہ ہمارے یہاں مؤکد ہے، اور کتب مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی وہ سنن وضوء سے ہے۔ لیکن ان کے یہاں ذرا تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر وضوء اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہوگیا ہو تو پھر اس صورت میں عند الصلوٰۃ بھی سنت ہے، میں کہتا ہوں کہ ہمیں اور آپ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے کہ اگر کسی شخص کی وضوء پہلے سے ہے، اور اس کا تجدید وضوء کا ارادہ نہیں ہے تو نماز سے پہلے صرف مسواک کرلے، اس لئے کہ آخر ہمارے یہاں بھی ایک قول استحباب عند الصلوٰۃ کا ہے، اور کتب مالکیہ میں تو اس کی تصریح ہے ہی۔

بحث ثالث میں اختلاف علماء کا منشاء اور مدار

فتح الملہم شرح مسلم میں اس سلسلہ میں ایک نفیس تحقیق فرمائی ہے، وہ یہ کہ اس اختلاف اور بحث کا مدار الفاظ واردہ فی الحدیث پر ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں چار قسم کی روایات ہیں[1]۔

---

[1] چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو اس باب میں مذکور ہے، اور یہی روایت مسلم میں بھی ہے، اس میں ہے "عند كل صلوٰة" اور "عند كل وضوء" یا "مع كل وضوء" یہ الفاظ نسائی، مسند احمد، بیہقی، طحاوی، طبرانی میں موجود ہیں، اسی طرح بخاری شریف کی کتاب الصوم میں تعلیقاً "عند كل وضوء" کا لفظ آیا ہے، البتہ بخاری کی کتاب الجمعہ میں "مع كل صلوٰة" وارد ہے، جس کے شاذ ہونے کی طرف حافظ نے اشارہ کیا ہے، اور ابن حبان کی ایک روایت میں وارد ہے: "مع الوضوء عند كل صلوة" اور یہ لفظ حنفیہ کی توجیہ کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مسواک وضوء کے ساتھ ہوگی۔ وہی "عند كل صلوة" بھی ہے۔

(۱)......عند كل وضوء. (۲)......مع كل وضوء.

(۳)......عند كل صلوٰة. (۴)......مع كل صلوٰة.

حاصل یہ ہے کہ صلوٰۃ اور وضوء دونوں کے ساتھ احادیث میں سواک کا ذکر وارد ہے، اور پھر دونوں میں دوصورتیں ہیں، بلفظ عند اور بلفظ مع. سو جاننا چاہئے کہ لفظ مع کا مدلول اتصال اور معیت ہے، بخلاف عند کے کہ وہ اتصال اور قرب دونوں پر صادق آتا ہے، اتصال اس کے لئے ضروری نہیں، جیسا کہ شیخ الرضی کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے، اس کے بعد آپ سمجھئے صلوٰۃ کے ساتھ مشہور روایات میں لفظ عند وارد ہے، اور وضوء کے بارے میں لفظ عند اور لفظ مع دونوں کے ساتھ کثرت سے وارد ہوا ہے، لہٰذا جو مسواک وضوء کے وقت ہورہی ہے، اس پر عند کل وضوء اور مع کل وضوء دونوں روایتیں صادق آرہی ہیں، اسی طرح عند کل صلوٰۃ بھی وہاں صادق آرہا ہے، کیونکہ عند کا مقتضی صرف مقارنت واتصال نہیں بلکہ قرب پر بھی صادق آتا ہے، البتہ مع کل صلوۃ وہاں صادق نہیں آرہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ اگرچہ بخاری کی ایک روایت میں وارد ہے، لیکن خلاف مشہور ہے، چنانچہ حافظ نے اس کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ جو لفظ ہمارے خلاف ہوسکتا ہے وہی شاذ ہے، اس کے علاوہ باقی تینوں الفاظ ہمارے مسلک کے موافق ہیں، تقریر بالا سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عند کل صلوۃ والی روایت میں حنفیہ کے نزدیک مضاف محذوف ماننے کی حاجت نہیں جیسا کہ بعض کرتے ہیں، اب اس تقریر سے تمام روایات مجتمع اور متفق ہوجاتی ہیں۔

بحث رابع

مسواک کے فضائل اور خواص: اس کی فضیلت کے لئے یہ حدیث

کافی ہے: السواک مطھرۃ للفم مرضاۃ للرب" کہ مسواک سے منہ کی پاکیزگی اور نظافت اور باری تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، یہ روایت تو نسائی شریف کی ہے۔ وذکرہ البخاری تعلیقا اور دوسری روایت جو مسند احمد وغیرہ میں ہے اس میں یہ ہے: صلوۃ بسواک افضل من سبعین صلوۃ بغیر سواک. [یعنی وہ ایک نماز جو مسواک کرکے پڑھی جائے ان ستر نمازوں سے بہتر ہے، جو بلا مسواک پڑھی جائیں]

ابن قیم کی عجیب توجیہ

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس غیر معمولی فضیلت کی بڑی اچھی وجہ تحریر فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ مسواک کر کے نماز پڑھنا اہتمام پر دلالت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بندہ سے اہتمام فی العبادت ہی مطلوب ہے، کثرت عمل مطلوب نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" الآیۃ. وہ فرماتے ہیں کہ 'احسن عملاً' فرمایا گیا، 'اکثر عملاً' نہیں فرمایا۔ سو وہ دو رکعت جو مسواک کے ساتھ ہیں وہ احسن ہیں، گو اکثر نہیں ہیں، اور وہ ستر نمازیں جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہیں گو اکثر ہیں لیکن احسن نہیں ہیں۔

مسواک میں ستر فوائد

دوسری بات یعنی خواص، سو ملا علی قاریؒ نے بعض علماء سے مسواک میں ستر فوائد نقل کئے ہیں، اور آگے لکھتے ہیں: "ادناھا تذکر الشھادتین عند الموت بخلاف الافیون" [یعنی ادنیٰ فائدہ مسواک کا موت کے وقت کلمۂ شہادت کا یاد آنا ہے، بخلاف افیون کے] کہ اس کے اندر ستر مضرتیں ہیں، ادنیٰ مضرت نسیان کلمہ عند الموت ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات علامہ شامیؒ نے بھی لکھی ہے، لیکن انہوں نے بجائے ''ادناھا'' کے ''اعلاھا تذکر الشہادتین'' لکھا ہے۔نیز علامہ شامیؒ نے اس کا مقابل افیون کا ذکر نہیں کیا ہے۔(الدر المنضود:۱/۱۵۵)

مسواک کے فوائد و برکات

مسواک میں بے شمار فوائد ہیں۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ مسواک میں ستر فائدے ہیں، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت کو یاد دلاتی ہے، جیسا کہ افیون میں ستر نقصانات ہیں، ان میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ افیون کے عادی کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ مسواک ستر بیماریوں کا علاج ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

بعض فوائد و منافع کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱)......خدا کی رضا کا باعث ہے۔

(۲)......سنت کا ثواب ہے۔

(۳)......فرشتوں کی محبت کا باعث ہے۔

(۴)......شیطان کی ناراضگی اور اس کی دوری کا ذریعہ ہے۔

(۵)......وساوس شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔

(۶)......نیکیوں کی زیادتی کا باعث ہے۔

(۷)......نیکیوں کو ستر گنا بڑھانے اور اضافے کا باعث ہے۔

(۸)......ستر گنا نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

(۹)......مسواک کی نماز کا ثواب ۹۹ رگنا بلکہ ۴۴۰ رگنا تک بڑھ جاتا ہے۔

(۱۰)......فرشتوں کی خوشنودی کا باعث ہے۔

(۱۱)......چہرے کے منور ہو جانے کا ذریعہ ہے اور اس سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔

(۱۲)......فرشتے نماز میں اس کے ساتھ چلتے ہیں۔

(۱۳)......جب مسجد کی طرف جاتا ہے تو حاملین عرش اس کیلئے استغفار کرتے ہیں۔

(۱۴)......حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں اور استغفار کے حصول کا ذریعہ ہے۔

(۱۵)......ملائکہ اس کی تعریف کرتے ہیں کہتے ہیں یہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔

(۱۶)......بدن کو عبادت الٰہی پر ابھارتا ہے۔

(۱۷)......مسواک نہ کرنے والے لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

(۱۸)......وسعت رزق کا باعث ہے۔

(۱۹)...... مالداری کا ذریعہ ہے۔

(۲۰)......اسباب رزق کی سہولت کا باعث ہے۔

(۲۱)......منہ کی صفائی ہے۔

(۲۲)......مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔

(۲۳)......سر کے درد کو آرام ملتا ہے۔

(۲۴)......داڑھ کا درد دور ہوتا ہے۔

(۲۵)......دانت کی چمک اور چہرے پر نور ہونے کی وجہ سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔

(۲۶)......دانت سفید رہتے ہیں۔

(۲۷)......مسواک بھوک لگاتی ہے۔

(۲۸)......خوشگواری پیدا کرتی ہے۔

(۲۹)......فصاحت لسانی پیدا ہوتی ہے۔

(۳۰)......کھانا ہضم کرتی ہے۔

(۳۱)......مادۂ منویہ گاڑھا کرتی ہے۔

(۳۲)......کثرت اولاد کا باعث ہے۔

(۳۳)......بڑھاپا دیر سے لاتی ہے۔

(۳۴)......پیٹھ مضبوط کرتی ہے۔

(۳۵)......عقل کی زیادتی کا باعث ہے۔

(۳۶)......رطوبت کو ختم کرتی ہے۔

(۳۷)......پت (کی تیزی) کو ختم کرتی ہے۔

(۳۸)......نگاہ تیز ہوتی ہے۔

(۳۹)......نگاہ کو روشن اور چمکدار بناتی ہے۔

(۴۰)......بلغم کو دور کرتی ہے۔

(۴۱)......منہ کو اچھا رکھتی ہے۔

(۴۲)......معدہ کی اصلاح کرتی ہے۔

(۴۳)......سر کی رگوں کے لئے مفید ہے۔

(۴۴)......دانت مضبوط ہوتے ہیں۔

(۴۵)......بدن کو طاقت بخشتی ہے۔

(۴۶)......قوت حافظہ بڑھاتی ہے۔

(۴۷)......دل کو نظیف رکھتی ہے۔

(۴۸)......ذہن کو صاف کرنے والی ہے۔

(۴۹)......بدن کی حرارت کو دفع کرتی ہے۔

(۵۰)......بدن کے درد کو دور کرتی ہے۔

(۵۱)......منہ کو خوشگوار بناتی ہے۔

(۵۲)......ذہن کو تیز کرتی ہے۔

(۵۳)......اذیت کو دفع کرتی ہے۔

(۵۴)......بغل کی بدبو زائل کرتی ہے۔

(۵۵)......فرشتے موت کے وقت اس طرح آتے ہیں جس طرح اولیاء کرام کے پاس آتے ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آتے ہیں۔

(۵٦)......کلمۂ شہادت موت کے وقت یاد دلاتی ہے۔

(۵۷)......موت کے وقت کلمۂ شہادت تین بار یاد دلاتی ہے۔

(۵۸)......روح کے نکلنے کو آسان کرتی ہے۔

(۵۹)......قبر میں کشادگی ہوتی ہے۔

(٦۰)......دنیا سے وہ پاک صاف ہو کر جاتا ہے۔

(٦۱)......قبر میں اُنس کا باعث ہوتا ہے۔

(٦۲)...... جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔

(٦۳)......اس پر جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں۔

(٦۴)...... جنت کے درجات کو بلند کرتی ہے۔

(٦۵)......اس وقت تک دنیا سے اس کی روح نہیں نکلتی ہے جب تک کہ وہ نبی پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض مبارک سے رحیق مختوم کا گھونٹ نہیں پی لیتا ہے۔

(٦٦)......پہلی مرتبہ مسواک کو چوسنا جذام اور برص کو دفع کرتا ہے۔ نیز موت کے علاوہ تمام بیماریوں سے شفاء کا باعث ہے، اس کے بعد چوسنا نسیان پیدا کرتا ہے۔

(٦٧)......پل صراط پر بجلی کی طرح تیزی کے گذرنے کا ذریعہ ہے۔

(٦٨)......

(٦٩)......نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملنے کا ذریعہ ہے۔

(٧٠)......مسواک کرنے والا جب مسجد سے نکلتا ہے تو حاملین عرش اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

(یہ فوائد: اتحاف السادۃ، مراقی الفلاح، تلخیص الحبیر سے ماخوذ ہیں۔)

﴿الفصل الاول﴾

مسواک کی اہمیت

﴿۳۴۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاْخِيْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۲۲/۱، باب السواک یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۸۷، مسلم شریف: ۱۲۸/۱، باب السواک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۵۳۔

تنبیہ: اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد "متفق علیہ" لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم میں ہے۔ یہ حدیث مجھ کو بخاری میں ص۱۲۲، ص ۲۵۹، ص۱۰۷۵ ار پر ملی، لیکن ان تینوں مقامات پر الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ ساتھ "**لامرتهم بتاخير العشاء**" کے الفاظ اس حدیث کے تحت نہیں ملے ہیں، اسی طرح مسلم شریف میں بھی اس موقع پر مذکورہ بالا الفاظ نہیں ملے۔

حل لغات: **اشق علیہ الامر** کسی کام کو دشوار سمجھنا۔ **السواک** مسواک، دانتوں کو صاف کرنے والی لکڑی، ج اَسوِکَۃٌ وسُوُکٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگر مجھ کو اپنی امت پر بوجھ پڑنے کا خدشہ نہ ہوتا، تو میں ان کو عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

تشریح: **سواک** بروزن فعال مصدر ہے استواک. جس کے معنی ہیں دانتوں کو لکڑی سے ملنا۔ مجرد میں **ساک یسوک** کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور **مایستاک به** کو بھی مسواک کہتے ہیں۔

باب السنن میں اگرچہ مسواک کرنا بھی شامل تھا، مگر اہمیت کی وجہ سے اس کو جداگانہ باب کا عنوان دیا۔ اور ایک اہمیت ظاہر کی اس کو مقدم کر کے تخصیص قبل تعمیم۔ حالانکہ تخصیص بعد تعمیم ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی اور میں ان کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان کو ہر نماز سے پہلے مسواک کا حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کیا کریں مگر مشقت کے اندیشہ کی وجہ سے وجوبی درجہ میں حکم نہیں دیا حدیث پاک سے امور ذیل معلوم ہوتے ہیں۔

فوائد حدیث

(۱)......عشاء کی نماز (ایک تہائی رات تک) مؤخر کر کے پڑھنا افضل ہے۔

(۲)...... ہر نماز کے وقت مسواک کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(۳)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت پر شفقت کا علم ہوا۔

(۴)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز کی خواہش کے باوجود امت کے مشقت کے اندیشہ سے حکم نہیں فرماتے تھے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟

مسواک سنۃ الوضوء ہے یا سنۃ الصلوٰۃ؟ مشہور یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے۔

شوافع: شافعیہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔

احناف: حنفیہ کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے۔

فریقین کے دلائل اوپر گذر چکے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ اور شافعیہ فریقین کی کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ مسواک کرنا وضوء کے وقت بھی مستحب ہے، اور نماز کے وقت بھی۔

نقل اختلاف پر اشکال اور اس کی توجیہ

پھر سوال یہ ہے کہ جب دونوں موقعوں پر دونوں کے نزدیک استحباب مسواک مسلم

ہے، تو پھر اختلاف کس بات میں ہوا کتابوں میں اختلاف کیسے نقل کیا جاتا ہے؟

اس اختلاف کی مختلف توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

(۱)...... بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک دونوں وقت مسواک سنت ہے، حنفیہ کے نزدیک وضو کے وقت مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے اور نماز کے وقت مستحب ہے، شافعیہ نماز کے وقت بھی سنت مانتے ہیں اور حنفیہ نماز کے وقت سنت مؤکدہ نہیں مانتے استحباب کے قائل ہیں۔

(۲)...... شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں اس اختلاف کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ نفس استحباب تو فریقین کے ہاں مسلم ہے، اختلاف اسمیں ہے کہ وہ کونسا موقع ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کا وجوبی امر فرمانا چاہتے تھے؟ لیکن امت کی گرانی کے خیال سے امر وجوبی نہ کیا۔ شافعیہ کہتے ہیں وہ اہم جگہ نماز ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ اہم جگہ وضو ہے، شافعیہ وہ روایتیں پیش کرتے ہیں جن میں عند کل الصلوۃ ہے، حنفیہ وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں عند کل وضوء ہے۔ ان روایات کے الفاظ میں تدبر کر کے فیصلہ کرنا چاہئے کہ مسلکین میں سے راجح کونسا ہے۔

اس حدیث میں خدشہ مشقت نہ ہونے کی صورت میں مسواک کے وجوبی امر کی جگہ حنفیہ کی رائے کے مطابق اگر وضو کو قرار دیا جائے تو سب قسم کی روایتوں پر عمل ہو جاتا ہے، اور اگر نماز کو قرار دیا جائے تو صرف دو روایتوں پر عمل ہوتا ہے، اور ایک پر نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ صورت اول ہی احق بالقبول ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک کا تعلق طہارت کے ساتھ زیادہ ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے **"السواک مطهرةٌ للفم و مرضاةٌ للرب"** اس حدیث کو صاحب مشکوۃ نے اس باب کی فصل ثانی میں بحوالہ احمد، شافعی، دارمی، نسائی ذکر

کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الملہم: ۱/۴۱۶، مرقاۃ: ۲/۲)

گھر میں داخل ہونے پر مسواک

﴿۳۴۸﴾ وَعَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۲۸، باب السواک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۵۳۔

ترجمہ: حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا عمل کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسواک کیا کرتے تھے۔

تشریح: قالت بالسواک: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گھر میں آکر سب سے پہلا عمل یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسواک کرتے تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر آکر سب سے پہلے مسواک اس لئے فرماتے تھے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستے میں اکثر حالات میں گفتگو نہیں فرماتے تھے اور خاموش رہنے سے منھ کی بو بدل جاتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو زائل کرنے کے لئے مسواک فرماتے تھے۔ گو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دہن

مبارک کی بو بدلنے کا سوال ہی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں ایسی خوشبو تھی کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔ مگر امت کی تعلیم کے واسطے ایسا فرماتے تھے۔

لہٰذا جو شخص اپنے کسی رفیق وصاحب سے گفتگو کا ارادہ کرے تو وہ مسواک کرلے تاکہ اس کے منہ کی بو سے ساتھی کو تکلیف نہ ہو۔ (مرقاۃ: ٢/٢٠٣)

فائدہ: جب اپنے گھر والوں کی اتنی رعایت ہے تو دوسرے حضرات کی کتنی رعایت کرنی چاہئے اس سے شریعت مطہرہ کی جامعیت اور پاکیزگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی بلندی کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

تہجد کی نماز کے لئے مسواک کرنا

﴿٣٤٩﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ٣٨/ ١، باب السواک، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ٢٤٥، مسلم شریف: ١٢٨/ ١، باب السواک، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ٢٥٥۔

حل لغات: یشوص شاص (ن) شوصا اسنانه بالسواک مسواک سے دانت صاف کرنا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے اپنے منہ کو مسواک سے رگڑتے تھے۔

تشریح: اذا قام للتهجد: یہ ہجود سے مشتق ہے، جس کے معنی نوم کے ہیں کہا جاتا ہے هجدته فتهجد میں نے اس کو بیدار کیا وہ بیدار ہو گیا، پس تہجد کے معنی تیقظ کے ہیں پھر اس کا اطلاق صلوۃ اللیل پر ہونے لگا۔ چونکہ وہ بھی نیند سے بیدار ہو کر پڑھی جاتی ہے۔

يشوص فاه بالسواک: یہاں شوص کے معنی میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ اس کے معنی غسل یعنی دھونے کے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی دلک یعنی رگڑنے کے ہیں ایک قول کے مطابق اس کے معنی تنقیہ یعنی صاف کرنے کے ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ یشوص کے معنی عرضا مسواک کرنے کے ہیں لیکن ابن درید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں شوص نیچے سے اوپر کی جانب مسواک کرنے کو کہتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۲/۴، فتح الملہم: ۱/۴۱۷)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اور یہ بھی امت کی تعلیم کے لئے تھا، اسلئے کہ سونے کی حالت میں منہ میں بو کے اندر تغیر پیدا ہو جاتا ہے اس کو زائل کرنے کے لئے مسواک کا اہتمام کرنا چاہئے، تا کہ صاف ستھرے منہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کی لذت حاصل کریں، جو لوگ صبح اٹھتے ہی بیڑی سگریٹ کا شوق کرتے ہیں، اور اسی بدبودار منہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں وہ غور کریں کہاں تو شریعت مطہرہ کی پاکیزہ تعلیم اور کہاں ہمارا گندہ عمل اور گندہ دہن، ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔ فقط

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دس چیزوں کا تعلق فطرت سے ہے

﴿۳۵۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِيْ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ۔ (رواہ مسلم) وَفِيْ رِوَايَةِ الْخِتَانُ بَدَلَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيْ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِيْ دَاوُدَ بِرِوَايَةِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۲۹، باب خصال الفطرة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۶۱۔

حل لغات: قص قص (ن) قصا قینچی سے کترنا، ناخن وغیرہ کاٹنا، الشارب مونچھ، ج شوارب، اعفاء الشعر بالوں کو چھوڑنا، بال بڑھانا، الاظفار جمع ہے، واحد ظفر، ناخن، البراجم واحد برجمة انگلی کا جوڑ، نتف نتف (ض) نتفاً بال اکھاڑنا۔ انتقص الشیء کم کرنا گھٹانا، الاستنجاء حاجته ضرورت کو پورا کرنا، المحدث محدث (جسے وضو یا غسل کی ضرورت لاحق ہو) کا پانی وغیرہ سے پاکی حاصل کرنا، استنجاء کرنا، نسیت نسی (س) نسیانا، بھولنا، کوئی بات ذہن اور حافظہ سے نکل جانا، المضمضة، الماء فی فمه منہ میں پانی ڈال کر پھیرنا، کلی کرنا، الختان، ختن (ن ض) ختنا وختانة کاٹنا، ختنہ کرنا، اللحية داڑھی، ج لحیً۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس چیزوں کا تعلق فطرت سے ہے۔(۱) مونچھ کترنا۔ (۲) داڑھی بڑھانا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) ناک میں پانی ڈالنا۔ (۵) ناخن تراشنا۔ (۶) جوڑوں کی جگہ کو دھونا۔ (۷) بغل کے بال صاف کرنا۔ (۸) ناف کے نیچے کے بال مونڈنا۔ (۹) پانی کا کم کرنا یعنی پانی سے استنجاء کرنا، راوی کہتے ہیں کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔(مسلم)

ایک روایت میں "اعفاء اللحیة" [داڑھی بڑھانا] کے بجائے "الختان" [ختنہ کرانا] کا لفظ ہے۔

صاحب مشکوۃ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی، اور نہ حمیدی کی کتاب میں ملی، البتہ صاحب جامع الاصول نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اسی طرح خطابی نے معالم السنن میں ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اسی کو نقل کیا ہے۔

تشریح: فطرۃ :(۱) انبیاء علیہم السلام کی عادتیں اور طریقے

(۲)......سنت ابراہیمی ہے۔

(۳)......اخلاق حمیدہ جن پر طبیعت سلیمہ کو پیدا کیا گیا ہے اور جس کا حسن اور اچھائی طبیعت سلیمہ میں ڈال دی گئی ہے۔ جس کے جاننے کے لئے کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قص شارب کا حکم

قص الشارب: مونچھ کے بالوں کو کاٹنا مونچھ کے بالوں کو شارب اس لئے کہتے ہیں کہ مونچھ کے بال اگر بڑے ہوتے ہیں تو پانی وغیرہ پیتے وقت وہ پانی میں گر جاتے

ہیں گویا وہ بھی پانی پی رہے ہیں جس کو فطرت سلیمہ پسند نہیں کرتی پس مونچھ کے بالوں کو کاٹنا تقاضائے فطرت ہوا۔

قص الشارب میں روایات مختلفہ کی توجیہ

قولہ قص الشارب: شارب کے بارے میں چند الفاظ آئے ہیں لفظ قص، لفظ جز، اور لفظ احفاء اور نسائی کی ایک روایت میں بلفظ حلق بھی وارد ہوا ہے، سب سے کم درجہ قص ہے جس کے معنی ہیں موٹا موٹا کاٹنا، یہ دراصل مقص سے ہے جس کے معنی مقراض یعنی قینچی کے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے یعنی قینچی سے موٹا موٹا کاٹنا اس سے زائد درجہ احفاء کا ہے یعنی مبالغہ فی القص باریک کاٹنا، اس سے بھی اگلا درجہ حلق کا ہے، استرہ سے بالکل مونڈ دینا، ایک تطبیق کی شکل تو یہی ہوگئی کہ مختلف درجات بیان کئے گئے، ادنیٰ یہ ہے، اوسط یہ ہے، اعلیٰ یہ ہے، بعض نے تطبیق بین الروایات اس طرح کی کہ قص کے اندر تھوڑا سا مبالغہ کر دیجئے۔ وہی احفاء ہو جاتا ہے اور اسی احفاء کو کسی نے مبالغہ کر کے حلق سے تعبیر کر دیا، یہ تو جواب ہے الفاظ روایات کے اختلاف کا رہی یہ بات کہ فقہاء کیا فرماتے ہیں۔

مذاہب ائمہ

سو خلاصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ راجح عندنا واحمدؒ احفاء یعنی مبالغہ فی القص ہے، جیسا کہ طحاوی وغیرہ میں ہے اور درمختار میں ہے کہ حلق شارب بدعت ہے، اور کہا گیا ہے کہ سنت ہے، چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ "القص حسن والحلق سنة وهو احسن من القص" اور انہوں نے پھر اس کو ہمارے ائمہ ثلاثہ یعنی امام صاحب وصاحبین تینوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اثرم کہتے ہیں میں نے امام احمدؒ کو دیکھا کہ وہ احفاء شدید کرتے تھے اور

فرماتے تھے۔"انہ اولیٰ من القص" امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک راجح قص ہے چنانچہ ابن حجر مکی شافعیؒ فرماتے ہیں اتنا کاٹا جائے کہ شفہ علیا کی حمرۃ ظاہر ہونے لگے اور بالکل جڑ سے بال نہ اڑائے، امام نوویؒ نے بھی احفاء سے منع کیا ہے اسی طرح امام مالکؒ سے منقول ہے کہ احفاء میرے نزدیک مثلہ ہے نیز جو شارب کا احفاء کرے اس کی پٹائی کی جائے حلق کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔(الدر المنضود:۱/۱۶۹)

خصال فطرۃ کی تعداد میں روایات کا اختلاف اور اس کی توجیہ

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو گیا کہ ابو ہریرۃؓ کی روایت میں ہے خمس من الفطرۃ اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے "عشر من الفطرۃ" اور بعض روایات میں تین کا ذکر ہے، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف تین ہی مذکور ہیں۔"حلق العانۃ تقلیم الاظفار وقص الشارب" جواب یہ ہے کہ "ذکر القلیل لاینافی الکثیر" اور دوسرے لفظوں میں کہئے۔مفھوم العدد لیس بحجۃ یعنی جہاں دس سے کم بیان کی گئی ہیں بلکہ خود دس میں بھی انحصار مقصود نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ منجملہ خصال فطرۃ کے اتنی ہیں ہر جگہ منجملہ ہی مراد ہے، خواہ اس کے ساتھ دس کا عدد ذکر کیا گیا ہو یا پانچ کا یا تین کا، لفظ الفطرۃ سے پہلے جو من ہے وہ اسی طرف مشیر ہے، ہاں! اگر ہر جگہ حصر مقصود ہوتا تب یقیناً تعارض تھا باقی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حسب موقعہ اور حسب حاجت ان خصال کو بیان فرمایا جہاں صرف تین کا ذکر کرنا مناسب خیال فرمایا وہاں تین اور جہاں اس سے زائد مناسب سمجھا وہاں اس سے زائد بیان فرمایا، فصحاء وبلغاء کے کلام میں ان سب چیزوں کی رعایت ہوا کرتی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑا فصیح و بلیغ کون ہوگا، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مقصود اگرچہ حصر ہے لیکن شروع میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین کا علم دیا گیا تو

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بیان فرمائیں پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مزید دو کا علم دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانچ بیان فرمائیں پھر آپ کے علم میں اور اضافہ ہوا تو دس بیان فرمائیں، تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پانچ اور تین کا حصر حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر ادعائی ہے مبالغہ کے لئے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔''الدین النصیحة الحج عرفة'' تو جہاں جن فضیلتوں کے بیان کی زائد ضرورت سمجھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں ان ہی کو حصر کے ساتھ بیان فرمایا گویا یہ سمجھئے کہ بس خصال فطرت یہی ہیں۔ (الدر المنضود:۱/۱۶۵)

داڑھی کی حکمت

اعفاء اللحیۃ: داڑھی کے ذریعہ مرد کے چہرے کی زینت اور عظمت ووقار ہے، جو داڑھی نہیں رکھتے ان کا چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے بگڑ جاتا ہے اور اب تو ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ اگر کوئی سات پشتوں تک داڑھی منڈواتا رہا تو وہ مخنث اور ہیجڑا بن جاتا ہے۔

اتخاذ لحیہ کا حکم

اتخاذ لحیہ مذاہب اربعہ میں واجب ہے اور اس میں مشرکین اور مجوس کی مخالفت ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا داڑھی رکھنا تشریعاً تھا محض عادۃً نہ تھا جیسا کہ بعض گمراہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اور اس حدیث میں تو تصریح ہے کہ اعفاء لحیہ فطرت سے ہے۔

اور فطرت کے معنی پہلے گذر چکے تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی سنت یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان انبیاء علیہم السلام کی سیرت

کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔ **فبھداھم اقتدہ الآیۃ** اور حلق لحیہ جملہ مذاہب اربعہ میں حرام ہے۔

اعفاء لحیہ ومقدار لحیہ کی حد شرعی

یہاں پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ داڑھی کی مقدار شرعی کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ عند الجمہور ومنہم الائمۃ الثلٰثۃ اس کی مقدار بقدر قبضہ ہے جس کا ماخذ فعل ابن عمر ہے کہ وہ "**ما زاد علی القبضة**" کو کتر دیتے تھے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس کو کتاب اللباس میں تعلیقاً ذکر فرمایا: اور امام محمدؒ نے مؤطا محمد میں اس کو ذکر فرما کر "**وبه ناخذ**" تحریر فرمایا ہے اب یہ کہ "**ما زاد علی القبضة**" کا حکم کیا ہے، سو جاننا چاہئے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کی ایک روایت یہ ہے کہ "**ما زاد علی القبضة**" کو تراش دیا جائے، اور یہ تراشنا ہمارے یہاں ایک قول کی بنا پر صرف جائز اور مشروع ہے اور ایک قول کی بنا پر واجب ہے، شافعیہ مطلقاً اعفاء کے قائل ہیں اخذ ما زاد کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ابن رسلان نے شافعیہ کا مذہب بیان کیا ہے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث "**انہ علیه الصلوٰۃ والسلام کان یأخذ من اطراف لحیته**" ضعیف ہے، اور فروع مالکیہ وحنابلہ میں لکھا ہے کہ زیادۃ فی الطول یعنی داڑھی کا طول فاحش تشویہ الخلقۃ یعنی صورت کے بگاڑ کا باعث ہے اور لکھا ہے کہ حدیث میں اعفاء سے مقصود مطلق اعفاء نہیں ہے کہ بلکہ مجوس اور ہنود کی طرح کاٹنے سے روکنا مقصود ہے۔ (الدر المنضود: ۱/۱۶۷)

مسواک کی حکمت

المسواک: مسواک کرنا اس کی بھی تعلیم کی ضرورت نہیں جب برتن میں کھایا

جاتا ہے تو عقل خود کہتی ہے کہ اس کو دھویا جائے اور منہ بغیر مسواک کے صاف نہیں ہوتا، دانت بھی گندے اور پیلے ہو جاتے ہیں اس لئے مسواک تقاضائے فطرت ہوا۔

استنشاق الماء: ناک صاف کرنا، جس طرح منہ کا صاف رکھنا تقاضائے فطرۃ ہے اسی طرح ناک کا صاف کرنا اور صاف رکھنا بھی تقاضائے فطرت ہے۔

مضمضہ واستنشاق کے حکم میں اختلاف ائمہ

مضمضہ اور استنشاق کے حکم میں اختلاف ہے، شافعیہ ومالکیہ کے یہاں دونوں وضوء اور غسل دونوں میں سنت ہیں اور حنابلہ کے یہاں دونوں دونوں میں واجب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ مضمضہ سنت اور استنشاق واجب ہے چنانچہ ترمذی میں ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں "الاستنشاق اوکد من المضمضة" غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو داؤد میں لقیط بن صبرہ کی حدیث مرفوع میں ہے، "وبالغ في الاستنشاق الا ان تكون صائما" اور حنفیہ کے یہاں فرق ہے وضو میں دونوں سنت اور غسل میں دونوں واجب ہیں اور اس فرق کی وجہ شرح وقایہ میں دیکھنی چاہئے ظاہری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں آیت وضوء میں صرف غسل وجہ کا حکم مذکور ہے، مضمضہ اور استنشاق اس سے خارج ہے کیونکہ وجہ کہتے ہیں۔ ماتقع بہ المواجہۃ یعنی گفتگو اور خطاب کے وقت جو چیز سامنے ہو اور داخل انف وفم کا حال یہ نہیں ہے بخلاف غسل کے اس میں مبالغہ فی التطہیر کا حکم ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ "وان كنتم جنبا فاطهروا الآية" یعنی اگر تم جنبی ہو تو حتی الامکان تمام بدن کی طہارت حاصل کرو، اور داخل انف وفم کی تطہیر امکان میں داخل ہے لہٰذا اس کا دھونا بھی ضروری ہوگا۔

ناخون کاٹنے کی حکمت

قص الاظفار: ناخن بڑے ہو جاتے ہیں برے معلوم ہوتے ہیں ان میں میل

بھر جاتا ہے اور کھانا کھاتے وقت کھانے میں اس کا اثر آتا ہے اس لئے ناخونوں کا کاٹنا بھی فطرت میں سے ہے۔

قوله قص الاظفار اور بعض روایات میں تقلیم الاظفار کا لفظ ہے، علماء نے لکھا ہے کہ تقلیم اظفار جس طرح بھی کیا جائے اصل سنت ادا ہو جائے گی، اس میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے، لیکن بعض فقہاء نے اس کی ایک خاص ترتیب لکھی ہے وہ یہ کہ ابتداء داہنے ہاتھ کی مسبحه سے کی جائے پھر وسطیٰ پھر بنصر پھر خنصر پھر ابہام اس کے بعد بائیں ہاتھ کی ابتداء خنصر سے کی جائے مسلسل ابہام تک اور بعض کی رائے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی مسبحه سے ابتداء کی جائے خنصر تک اور ابہام کو چھوڑ دیا جائے پھر بائیں ہاتھ کی خنصر سے ابہام یسری تک اور پھر اخیر میں دائیں ہاتھ کا ابہام تا کہ ابتداء بھی دائیں سے ہو اور اختتام بھی دائیں پر اور رجلین میں ترتیب یہ ہے کہ تقلیم کی ابتداء دائیں پاؤں کی خنصر سے کی جائے اور مسلسل کرتے چلے آئیں خنصر یسریٰ تک۔

بعض محدثین جیسے حافظ ابن حجرؒ اور ابن دقیق العیدؒ وغیرہ نے تقلیم اظفار کی اس کیفیت مخصوصہ کے استحباب کا انکار کیا ہے اس لئے کہ اس کا ثبوت روایات میں کہیں نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس کی اولویت وافضلیت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس لئے کہ استحباب بھی ایک حکم شرعی ہے، جو محتاج دلیل ہے۔

جوڑوں کے دھونے کی حکمت

غسل البراجم: جوڑوں کا دھونا کیونکہ وہاں میل زیادہ جم جاتا ہے۔ جسم کے وہ تمام مواضع جہاں پسینہ اور میل جمع ہوتا ہے سب اسی حکم میں ہیں جیسے اصول فخذین اور ابطین کانوں کا اندرونی حصہ اور سوراخ نیز یہ ایک مستقل سنت ہے وضو کے ساتھ خاص نہیں۔

(الدر المنضود:١٦٩/١)

بغل کے بال اکھاڑنے کی حکمت

وَنَتْفُ الْإِبْطِ: چٹکی سے بغل کے بال کا اکھاڑنا۔ بغل کے بالوں کو استرے سے کاٹنے کی شکل میں بال زیادہ ہوجاتے ہیں۔ موٹے ہوجاتے ہیں، اور پھر پسینہ زیادہ آتا ہے، میل جمع ہوجاتا ہے، بدبو زیادہ آتی ہے، اس لئے بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھاڑنا اصل سنت ہے، اس لئے کہ اکھاڑنے کی شکل میں بال کم ہوجاتے ہیں، باریک ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے صفائی رہتی ہے، بدبو زیادہ نہیں ہوتی۔

زیرناف بالوں کے حلق کی حکمت

حلق العانة: موئے زیرناف کاٹنا، ان کا استرے وغیرہ سے کاٹنا اصل سنت ہے، کہ استرہ استعمال کرنے سے صفائی کے ساتھ ساتھ وہاں کی رگیں مضبوط ہوجاتی ہیں، جو عضوِ مخصوص کی قوت اور مضبوطی کا ذریعہ ہیں۔ بخلاف عورت کے کہ اس کے لئے مسالہ وغیرہ استعمال کرنا، اصل ہے، کہ اس سے وہ جگہ نرم رہتی ہے، اور عورت کے حق میں اس جگہ کا نرم ہونا مطلوب ہے۔ (بذل:٣٣/١)

وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْإِسْتِنْجَاءَ: انتقاص الماء کی جو تفسیر یہاں مذکور ہے یعنی استنجاء بالماء یہ وکیع راویٔ سند کی جانب سے ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے، استنجاء بالماء کو انتقاص الماء سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پانی میں قطع بول کی تاثیر ہے، کہ وہ قطرات بول کو منقطع کردیتا ہے، اس لئے اس کو انتقاص الماء کہتے ہیں گویا ماء سے مراد بول اور انتقاص سے مراد ازالہ ہے، انتقاص

الماء کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد انتضاح ہے، چنانچہ ایک روایت میں بجائے انتقاص الماء کے انتضاح آیا ہے، انتضاح کے مشہور معنی ہیں "رش الماء بالفرج بعد الوضوء" کہ وضوء سے فارغ ہو کر قطع وساوس کے لئے شرمگاہ کے مقابل کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا، اور بعض نے انتضاح کے معنی بھی استنجاء بالماء کے بیان کئے ہیں۔

قولہ الا ان تکون المضمضۃ: روای کہتے ہیں کہ مجھے دسویں چیز یاد نہیں رہی ہو سکتا ہے وہ مضمضہ ہو یا بظاہر اس لئے کہ استنشاق کے ساتھ عام طور سے مضمضہ ذکر کیا جاتا ہے، اور یہاں استنشاق کا ذکر تو آچکا، مگر اب تک مضمضہ کا ذکر نہیں آیا، اور بعض شراح نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے دسویں چیز ختان ہو۔ (مرقاۃ:۲/۴، فتح الملہم:۴۱۹/۱، بذل:۱/۳۳)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

﴿الفصل الثانی﴾

مسواک منہ کی پاکی کا سبب ہے

﴿۳۵۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔ (رواہ الشافعی واحمد والدارمی والنسائی) وَرَوَى الْبُخَارِيُّ فِيْ صَحِيْحِهٖ بِلَا اِسْنَادٍ۔

حواله: رواه الشافعي في الام: ۲۳/ ۱، باب السواک، کتاب الطهارة، مسند احمد: ۶/۴۷، دارمي: ۱۸۴/ ۱، باب السواک مطهرة للفم، حدیث نمبر: ۶۸۴، نسائی شریف: ۳/ ۱، باب الترغیب في السواک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴، بخاری شریف: ۲۵۹/ ۱، باب السواک، الرطب واليابس للصائم، کتاب الصوم (تعليقا)

حل لغات: مطهرة طہارت حاصل کرنے کاذریعہ، ج مطاہر، مرضاة رضي (س) رضوانا ورضي ومرضاة خوشنودی، پسندیدگی۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ (شافعی، دارمی، احمد، نسائی) بخاری نے بھی اس روایت کو اپنی صحیح بخاری میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

تشریح: مسواک منھ کی پاکی کا سبب ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی کا سبب ہے، معلوم ہوا کہ اس میں دو فائدے ہیں۔

(۱)......عاجلہ (۲)......آجلہ

(۱)......**عاجلہ:** منھ کی صفائی۔

(۲)......**آجلہ:** اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کہ اس کی تکمیل آخرت میں ہوگی۔

مسواک کے فائدے

ملا علی قاریؒ نے مسواک کے چالیس فائدے لکھے ہیں، جن میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے عادی کو ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ مسواک میں ستر

بیماریوں کا علاج ہے، ایک روایت میں ہے کہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے۔

مطهرة للفم مرضاة للرب: شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ **مطہرہ** مصدر میمی ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ فاعل کے معنی میں ہو، یعنی **مطهر للفم.** یعنی منھ کو پاک کرنے والی۔ اسی طرح **مرضاة ای محصل لرضی الله تعالیٰ** یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے والی اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرضاۃ مفعول کے معنی میں ہو۔ **ای مرضی للرب** یعنی مسواک میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے، ابن الملک فرماتے ہیں کہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان دونوں کو اپنی مصدریت پر باقی رکھا جائے، یعنی "**سبب الطهارة والرضا**" کہ مسواک منھ کی پاکی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ اس لئے کہ صفائی ستھرائی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور صفائی ستھرائی رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔

اشکال مع جواب

اشکال: مسواک کے فوائد تو بہت ہیں تو صرف انہیں دونوں پر اقتصار کیوں کیا؟

جواب: اس لئے کہ یہ دونوں فائدے دیگر تمام میں افضل اور تمام کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ چونکہ تمام فائدے طہارۃ ظاہری اور باطنی حسی ومعنوی کے حاصل کرنے میں منحصر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی تکمیل آخرت میں ہوگی۔ جو مقصود اعلیٰ ہے۔

(مرقاۃ:۲/٦)

سنن مرسلین علیہم السلام سے چار چیزیں

﴿۳۵۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ الْحَیَاءُ وَیُرْوٰی الْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۰۶/۱، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸۔

حل لغات: التعطر مصدر ہے، باب تفعل سے خوشبو لگانا، معطر ہونا، النکاح نکح (ض) الرجل المرأۃ نکاحا شادی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں۔ (۱) حیاء کرنا اور ایک روایت میں الحیاء کے بجائے) الختان کا لفظ ہے (یعنی ختنہ کرنا) (۲) خوشبو لگانا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) نکاح کرنا۔

تشریح: الحیاء: منکرات شرع پر شرمانا اور ان سے رک جانا اور ایسے ہی غیرت اور مروت کے خلاف کاموں سے رک جانا، اور خلاف شرع امور فواحش وغیرہ سے باز رہنا، حیا کے بجائے ختان بھی روایت کیا گیا ہے۔ ختنہ کرانا یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت میں سے ہے، چونکہ ختنہ کے بغیر صفائی ستھرائی وغیرہ اچھی طرح نہیں ہوتی ہے۔

ختان کے حکم میں اختلاف

حکم ختان میں اختلاف ہے، شافعیہ وحنابلہ کے یہاں رجال ونساء دونوں کے حق میں واجب ہے، حنفیہ کے یہاں ایک قول میں واجب ہے اور ایک قول میں سنت ہے، لیکن ایسی سنت ہے جو شعائر اسلام میں سے ہے، اور امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ ذکور کے حق میں سنت اور اناث کے حق میں مندوب ہے، چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے: ''الختان سنة

للرجال ومکرمة للنسائی" (الدرالمنضود)

التعطر الخ: عطر استعمال کرنا، کہ اس سے طبیعت کو فرحت ہوتی ہے، نشاط پیدا ہوتا ہے، عقل میں اضافہ ہوتا ہے۔

السواک: مسواک کرنا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

النکاح: بعض نبی نے مثلاً عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا، تو یہ نادر ہے، النادر کالمعدوم چونکہ شادی کے ذریعہ آدمی فواحش اور زنا وغیرہ سے محفوظ ہوتا ہے، سکون واطمینان قلبی کا ذریعہ ہے، افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔

سوکر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا

﴿۳۵۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۱۶۰/۱، ابوداؤد شریف: ۸/۱، باب السواک لمن قام من اللیل، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۵۷،

حل لغات: لایرقد رقد (ن) رقداً ورقوداً سونا لیٹنا، یستیقظ مصدر استیقاظ من نوم بیدار ہونا یتسوک باب تفعل سے، مسواک کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سوکر اٹھتے خواہ رات میں سوتے یا دن میں تو وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔

تشریح: فیستیقظ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اعراب کے اعتبار سے دوصورتیں ہیں، پہلی رفع کی صورت ہے، لایرقد پر عطف کرتے ہوئے، اس وقت میں دونوں فعلوں پر ایک ساتھ نفی کا حکم ہوگا، دوسری صورت نصب کی ہے کہ نصب کی صورت میں یہ نفی کا جواب بنے گا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ: فتطردھم فتکون من الظالمین یہ جواب ہے مامن حسابک علیھم من شی کا۔ اس لئے کہ استیقاظ بعد النوم ہے۔ تو گویا وہ نوم کا سبب ہوا، اور اس طرح لانے میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس حالت میں بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ مسواک کرنے کی تھی، اور اگر لایستیقظ من نوم الا یتسوک کہا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔

نیند سے چونکہ منہ میں کچھ بو پیدا ہو جاتی ہے اس کو دفع کرنے کے لئے مسواک فرماتے تھے، گو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے محفوظ تھے، مگر امت کی تعلیم کی خاطر ایسا فرماتے تھے، نیز ذکر و تلاوت کے وقت یا لوگوں سے ملاقات کے وقت خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے۔ اس میں بھی امت کی تعلیم بھی ملحوظ ہوتی تھی۔ (طیبی: ۲/۶۷)

مسواک کرنے کے بعد دھونا چاہئے

﴿۳۵۴﴾ **وَعَنْهَا** قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِيْ السِّوَاكَ لِاَغْسِلَهٗ فَاَبْدَاُ بِهٖ فَاَسْتَاكُ ثُمَّ اَغْسِلُهٗ وَاَدْفَعُهٗ اِلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد: ۱/۸، باب غسل السواک، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۵۲۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرنے کے بعد مسواک مجھے دیتے، تا کہ میں اس کو دھودوں چنانچہ پہلے تو میں اس سے مسواک کرتی اور پھر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدیتی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ مسواک کو انتہائی حفاظت سے رکھتی تھیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسواک فرمانے کے بعد ان کو عنایت فرماتے تھے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ کمال ادب تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسواک کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک لگا ہوا ہوتا تھا۔ اس طرح دھونا بے ادبی سمجھتی تھیں، اس لئے برکت حاصل کرنے کے لئے اولاً خود مسواک فرماتیں، پھر اس کے بعد دھوکر اٹھا کر رکھتیں، اور پھر دوسرے ضرورت کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش فرماتیں تھیں۔

فوائد حدیث

حدیث پاک سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱)...... میاں بیوی میں بے تکلفی ہونا چاہئے۔

(۲)...... بیوی سے اس طرح کی خدمت لینے میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ بہتر ہے۔ کہ اس سے تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے۔

(۳)...... دوسرے کی مسواک اس کی خوشی سے استعمال کرنا درست ہے۔

(۴)...... مسواک کرنے کے بعد اس کو دھوکر رکھنا چاہئے۔

(۵)...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دلوں میں کس درجہ کی تھی کہ لعاب مبارک کو اس طرح دھونا بھی گوارا نہیں فرماتی تھیں، بلکہ اولاً اس کو خود تبرکاً و استلذاذاً استعمال فرماتی تھیں، یہ خود آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

مسواک کا مقام ومرتبہ

﴿۳۵۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُرَانِيْ فِي الْمَنَامِ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَاءَنِيْ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيْلَ لِيْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ (متفق علیہ)

حواله: بخاری شریف: ۱/۳۸، باب دفع السواک الی الاکبر، کتاب الوضو، حدیث نمبر: ۲۴۶، مسلم شریف: ۲/۲۴۴، باب رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرؤیا، حدیث نمبر: ۲۲۷۱۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں، پھر دو آدمی میرے پاس آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، میں نے مسواک اس شخص کو دینا چاہی جو ان دونوں میں چھوٹا تھا تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو مقدم رکھو، تو میں نے ان دونوں میں سے جو بڑا تھا اس کو مسواک دیدی۔

تشریح: ار انی : دکھلایا گیا میں خود کو یعنی میں نے خود اپنے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں۔

فوائد

حدیث پاک سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسواک سے کس درجہ تعلق تھا۔ کہ خواب میں بھی مسواک کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

(۲)......مسواک کی عظمت معلوم ہوئی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر کہ مسواک چھوٹی چیز ہے، چھوٹے شخص کو دی مگر کہا گیا کہ بڑے کو دو، کہ مسواک چھوٹی چیز نہیں، بلکہ بڑی چیز ہے، بڑے کو دینا مناسب ہے۔

(۳)......بڑوں کا حق معلوم ہوا، کہ بڑوں کو مقدم کرنا چاہئے۔

اشکالات مع جوابات

اشکال اول: البتہ اس حدیث پر دو اشکال ہوتے ہیں اول تو یہ کہ اس حدیث سے تقسیم کا قاعدہ الاکبر فالاکبر معلوم ہوتا ہے کہ جو بڑا ہو اس سے ابتداء کی جائے اور دوسری حدیث سے الایمن فالایمن کہ دائیں طرف سے ابتدا کرنا چاہئے، دونوں میں تعارض ہوگیا اس کا جواب یہ ہے کہ:

(۱)......اول جواب یہ ہے کہ جب لوگ ترتیب سے بیٹھے ہوئے ہوں اور ان پر یمین و یسار صادق آتا ہو تو اس وقت ابتداء بالیمین والا قاعدہ چلیگا، اور اگر لوگ ترتیب سے نہ بیٹھے ہوں تو اس وقت ابتداء بالاکبر والا قاعدہ چلے گا، لہذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

(۲)......دوسرا جواب یہ ہے کہ قاعدہ تو ابتداء بالیمین ہی کا ہے، اور اسی وجہ سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اصغر تو دینے کا ارادہ فرمایا کہ وہ جانب یمین ہوگا مگر مسواک کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے ابتداء باالاکبر کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ضابطہ تو ابتداء بالیمین والا ہی ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے اس کے خلاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ فقط

اشکال دوم: دوسرا اشکال یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت جو آگے آرہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ بیداری میں پیش آیا۔

جواب: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خواب اور بیداری دونوں میں یہ واقعہ پیش آیا ہو مگر خواب کا واقعہ بیان فرمانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ بیداری میں یہی واقعہ پیش آگیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا خواب بھی بیان فرمادیا، پس ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خواب کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیداری کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

جواب دوم: دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ بیداری ہی کا واقعہ ہے، ممکن ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی خواب کے واقعہ کو بیان فرما رہی ہوں، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ فقط

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مسواک کی تاکید فرمانا

﴿٣٥٦﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ماجاءنی جبریل علیه السلام قط الا امرنی بالسواک

لقد خشيت ان احفی مقدم فی۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۶۳/۵ .

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہوں اور انہوں نے مجھے مسواک کرنے کا حکم نہ دیا ہو، اس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ میں کہیں اپنے منھ کا اگلا حصہ نہ چھیل ڈالوں۔

تشریح: احفی مقدم فی: چھیل ڈالوں اپنے منھ کے اگلے حصہ کو۔ چھیل دوں گا حدیث پاک سے دو چیزوں کا علم ہوا ایک مسواک کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تاکید فرمانا۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبالغہ اور کثرت سے مسواک کا اہتمام فرمانا۔ جس سے مسواک کی تاکید اور فضیلت ظاہر ہے۔

مسواک کے بارے میں تاکید

﴿۳۵۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَکْثَرْتُ عَلَیْکُمْ فِی السِّوَاكِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۲/۱، باب السواک یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۸۸۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں نے تم لوگوں کے سامنے مسواک کے بارے میں بہت بیان کیا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ میں نے تم کو مسواک کی بہت تاکید کی ہے، اور بہت

اہمیت بیان کی ہے اور بہت کثرت سے اس کی فضیلت بیان کی ہے۔اس سے مقصود مسواک کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کرنا ہے۔

مسواک دینے میں بڑے کو مقدم کرنا

﴿۳۵۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهُ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَاُوْحِيَ اِلَيْهِ فِيْ فَضْلِ السِّوَاكِ اَنْ كَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاكَ اَكْبَرَهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۷/۱، باب فی الرجل یستاک بسواک غیرہ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۵۰۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا تو مسواک کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے وحی آئی کہ بڑے کو مقدم رکھو اور مسواک ان میں سے جو بڑا ہے اس کو دو۔

تشریح: اس حدیث پاک کا مضمون پہلے گذر چکا ہے۔

اشکال مع جواب

یہی واقعہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں گذر چکا ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا تھا، اور حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا۔

اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہو سکتا ہے دونوں جگہ پیش آیا ہو، بیداری

میں بھی اور خواب میں بھی، صورت حال یہ ہوئی ہوگی کہ پہلے تو یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں پیش آیا، مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی سے اس کے ذکر کی نوبت نہیں آئی اور پھر یہی واقعہ بیداری میں بھی پیش آیا، اس پر پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ اپنا خواب یاد آیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خواب کا تذکرہ فرمایا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرمارہی ہیں بیداری والا واقعہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرمارہے ہیں خواب والا واقعہ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

لیکن اس جواب پر تکرار وحی کا اشکال ہوگا کہ ایک ہی معاملہ میں دوبار نزول وحی کیوں ہوا، اس لئے بہتر دوسرا جواب ہے، وہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں تو خواب کی تصریح ہے اور اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں بیداری کی کوئی تصریح نہیں تو ہم اس حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خواب کے قصہ پر کیوں نہ محمول کرلیں، یعنی یہ کہ وہ بھی خواب ہی کا واقعہ بیان فرمارہی ہیں، اور قرینہ اس پر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہوگی، جس میں خواب کی تصریح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.
(الدر المنضود: ۱/۱۶۲)

مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت

﴿۳۵۹﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِيْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفاً۔

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حواله: بیھقی فی شعب الایمان: ۳/۲۷، حدیث نمبر: ۲۷۷۴، باب فی الطھارات.

حل لغات: ضعفا الضعف من الشیء کسی چیز کا تہہ یا درمیانی حصہ، دوگنا، ج اضعاف۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ نماز جو مسواک کر کے پڑھی جائے اس نماز سے جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہو ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

تشریح: اس حدیث پاک سے بھی مسواک کی خاص فضیلت ثابت ہوئی کہ مسواک کی وجہ سے نماز کا ثواب ستر گنا زیادہ ہو جاتا ہے، اس کی وجہ اوپر گذر چکی کہ مسواک سے اہتمام فی العبادت ثابت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اہتمام فی العبادت پسند ہے، پس دو رکعت میں عبادت کا اہتمام پایا گیا، اور ستر رکعات عبادت کے اہتمام سے خالی ہیں، اس لئے یہ دو رکعت ستر رکعتوں سے بڑھ گئیں، نیز حسن عبادت مطلوب ہے، کثرت عبادت نہیں، پس دو رکعت جو مسواک کے ساتھ پڑھی گئیں ہیں ان میں حسن عبادت پایا گیا، اور بلا مسواک کے ستر رکعات میں کثرت عبادت تو ہے مگر وہ حسن عبادت سے خالی ہیں۔ فقط

ہر نماز کے لئے مسواک کی تاکید

﴿۳۶۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ وَلَاَخَّرْتُ صَلَاۃَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ قَالَ فَکَانَ زَیْدُ بْنُ خَالِدٍ یَشْهَدُ الصَّلَوَاتِ فِی الْمَسْجِدِ وَسِوَاکُهٗ عَلٰی اُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْکَاتِبِ لَا یَقُوْمُ اِلَی الصَّلٰوۃِ اِلَّا اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهٗ اِلٰی مَوْضِعِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابو داؤد) اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَاَخَّرْتُ صَلَاۃَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَقَالَ

التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حواله: ابوداؤد شریف:۷/۱، باب السواک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۴۷،ترمذی شریف: ۱/۱۲، باب ماجاء فی السواک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۳۔

ترجمه: حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں اپنی امت کے لئے اسے مشکل نہ سمجھتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا، راوی کا بیان ہے زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے مسجد آتے تو ان کی مسواک ان کے کان پر اس جگہ رہتی جہاں لکھنے والا اپنا قلم رکھتا ہے، وہ نماز کے لئے کھڑے ہونے لگتے تو مسواک کرتے اور پھر اس مسواک کو اس کی جگہ کان پر رکھ لیتے، اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔لیکن ابوداؤد کی روایت میں "ولاخرت صلوة العشاء الی ثلث اللیل" کے الفاظ مذکور نہیں ہیں، نیز ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ الخ: حدیث پاک کی پوری تفصیل اوپر گذر چکی، حدیث پاک سے حضرات شافعیہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ احناف کی طرف سے اس کے جوابات بھی شروع میں گذر چکے کہ عند کل صلوٰۃ سے مراد عند وضوء کل صلوٰۃ یا عند وقت کل صلوۃ ہے۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ اپنے کان پر مسواک رکھا کرتے تھے، جیسے کاتب اپنے کان پر قلم رکھتا ہے، اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو مسواک کرتے تھے، اس سے بھی حضرات شافعیہ کی تائید ہوتی ہے، جوابات اوپر گذر چکے۔فقط

❀❀❀

باب سنن الوضوء

رقم الحدیث: ...... ۳۶۱ تا ۳۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سنن الوضوء

﴿الفصل الاول﴾

ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا

﴿۳۶۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُکُمْ مِنْ نَوْمِہٖ فَلَا یَغْمِسْ یَدَہٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَغْسِلَھَا ثَلَاثًا فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُہٗ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۲۸/۱، باب الاستجمار وترا، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۱۶۲،مسلم شریف:۱۳۶/۱، باب کراھیۃ غمس المتوضیء الخ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۲۷۸۔

حل لغات: یغمس غمس الشیء فی الماء ونحوہ غمسا باب ضرب سے، ڈبونا،باتت بات (ض) بیتا و بیاتا و مبیتا رات گذارنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم میں سے جب کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہوتو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے، جب تک اس کو تین بار دھو نہ لے، کیونکہ اس کو

نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری ہے۔

تشریح:

اشکال مع جواب

قولہ این باتت یدہ الخ: یہاں پر ایک طالب علمانہ اشکال ہے، وہ یہ کہ 'این باتت یدہ' جملہ استفہامیہ ہے، جو صدارت کلام کو چاہتا ہے، اور یہاں پر ایسا نہیں ہے، بلکہ ترکیب میں مفعول واقع ہو رہا ہے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ این مطلق ظرف کے معنی میں مجرداً عن معنی الاستفہام استعمال ہو رہا ہے، اور ترجمہ یہ ہے کہ وہ سونے والا نہیں جانتا بدن کے اس حصہ اور جگہ کو جہاں اس کے ہاتھ نے رات گذاری ہے، گویا "این موضع" کے معنی میں ہے یا یہ کہا جائے یہ جملہ یہاں پر بطور سوال کے نہیں بلکہ حکایت عن السوال ہے کہ اگر سو کر اٹھنے والے سے یہ سوال کیا جائے کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گذاری ہے؟ تو وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے: "فانہ لایدری جواب این باتت یدہ" پس اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

حدیث سے متعلق مباحث اربعہ

اس حدیث میں چند بحثیں ہیں۔

(۱)......اول یہ کہ نہی تنزیہی ہے یا تحریمی؟

(۲)......دوسری بحث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قبل الغسل ہاتھوں کو پانی میں داخل کر دے تو اس پانی کا حکم کیا ہے؟ طاہر ہے یا نجس؟

(۳)......تیسری بحث یہ ہے کہ علت نہی اور سبب حدیث کیا ہے؟

(۴)...... چوتھی بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں جو ابتداءً غسل الیدین کا حکم ہے، آیا یہ احکام المیاہ کے قبیل سے ہے یا سنن الوضوء کے قبیل سے؟

بحث اول

جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نہی تنزیہہ کے لئے ہے، خواہ استیقاظ دن میں ہو یا رات میں۔

اور امام احمدؒ و داؤد ظاہری کے نزدیک نوم اللیل میں تحریم کے لئے ہے، اور نوم النہار میں تنزیہہ کے لئے۔

اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مطلق تحریم کے لئے ہے، خواہ دن میں ہو یا رات میں۔

امام احمدؒ کا استناد باب کی حدیث اول سے ہے، جس میں من اللیل کی قید موجود ہے۔

اور حسن بصریؒ کا استناد اس روایت سے ہے جس میں مطلق استیقاظ من النوم مذکور ہے، لیل کی قید نہیں ہے، جیسا کہ باب کی حدیث ثالث میں ہے۔

بحث ثانی

جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں پانی ناپاک نہیں ہوتا مطلقاً۔

اور اسحٰق بن راہویہؒ، حسن بصریؒ اور محمد بن جریر طبریؒ کے نزدیک نوم اللیل میں ناپاک ہو جائے گا۔ اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے ہے۔ چنانچہ ابن قدامہؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں "اعجب الی ان یهریقه"

اسحٰق بن راہویہؒ وغیرہ کا استدلال اس روایت سے ہے جس میں اراقۃِ ماء کا حکم ہے، جس کو ابن عدی نے روایت کیا ہے، لیکن وہ خود یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت منکر اور غیر محفوظ ہے۔

اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ جو حکم احتمال پر مبنی ہو وہ وجوب کے لئے نہیں ہو سکتا، لہٰذا غسل

یدین کے حکم کو وجوبی نہیں کہا جا سکتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ قاعدہ ہے: "الیقین لایزول الا بمثلہ" اور یہاں پانی کا پہلے سے طاہر ہونا یقینی تھا، اور یدین کی نجاست صرف محتمل اور مشکوک ہے، لہٰذا شک سے یقینی چیز زائل نہ ہوگی۔

بحث ثالث

عند الجمہور سبب نہی احتمال نجاست ہے، امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ اہل حجاز کی عادت استنجاء بالحجر پر اکتفاء کرنے کی تھی، اور ان لوگوں کے مزاج اور ملک حار ہوتے ہیں، سونے کے بعد پسینہ آتا ہے، اور اس کی وجہ سے محل استنجاء تر ہو جاتا ہے، جس سے نجاست کے عود آنے کا احتمال ہے، اور ہو سکتا ہے کہ سونے والے کا ہاتھ حالت نوم میں مقام استنجاء تک پہونچا ہو، نیز چونکہ عند الجمہور یہ حکم احتمال نجاست کی بنا پر ہے، اس لئے حکم اسی علت پر دائر رہے گا، لہٰذا جب بھی ہاتھوں میں نجاست کا احتمال ہو خواہ سو کر اٹھا ہو یا نہیں تب یہی حکم ہوگا کہ بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں نہ ڈالے جائیں، اور بعض علماء کے نزدیک جن میں قاضی ابوالولید باجیؒ بھی ہیں یہ نہی تنظیف کے لئے ہے، اس لئے کہ سونے والے کا ہاتھ ایسی جگہوں پر پہونچ جاتا ہے جو میل کچیل اور پسینہ کے مواضع ہیں، مثلاً ناک کے اندر اور بغل وغیرہ لہٰذا ایسی صورت میں قبل الغسل ان ہاتھوں کو پانی میں ڈالنا نظافت کے خلاف ہے، تیسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے، اس قول کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کی جاتی ہے، نیز ابن القیمؒ اور ابن دقیق العیدؒ سے بھی یہی منقول ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس حکم کی تعلیل مذکور ہے، لہٰذا حکم معلل ہوا نہ کہ تعبدی۔

اس اختلاف پر ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ حکم تعبدی ہے، ان کے نزدیک غسل یدین کا حکم ہر حال میں ہوگا، اور جن کے نزدیک حکم معلل ہے احتمال نجاست کے

ساتھ جیسا کہ جمہور کی رائے ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ عدم احتمال نجاست کی شکل میں غسل یدین کا حکم نہ ہو، مثلاً کوئی شخص سونے سے پہلے اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لے یا دستانے پہن لے اور پھر سو جائے تو چونکہ اس صورت میں احتمالِ نجاست نہیں ہے، اس لئے غسل الیدین کا حکم بھی مرتب نہ ہوگا گو اولیٰ اس وقت بھی یہی ہے کہ پہلے ہاتھوں کو دھولیا جائے۔

بحث رابع

اس حدیث میں ادخال یدین فی الاناء سے پہلے جو غسل یدین کا حکم دیا گیا ہے، آیا یہ وہی غسل یدین ہے جو ابتداء وضوء میں ہوتا ہے جس کو فقہاء سنن وضوء میں شمار کرتے ہیں یا اس کے علاوہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں دونوں قول ہیں، فقہاء کے طرز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی غسل یدین ہے جو ابتداء وضوء میں مسنون ہے، لیکن علامہ سندھیؒ نے اس محمل پر اشکال کیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سنن وضوء سے نہیں ہے بلکہ احکام المیاہ سے ہے، یعنی مقصد یہ ہے کہ گھروں میں برتنوں میں جو پانی بھرا ہوا رکھا رہتا ہے، جو وضوء غسل اور ساری ہی ضروریات میں استعمال ہوتا ہے، اس کے پاک رکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے، مثلاً! سو کر اٹھ کر ہاتھ بغیر دھوئے اس میں نہ ڈالنے چاہئیں، تاکہ استعمال کے لئے پاک پانی میسر ہو سکے، اور یہی رائے ابن رشدؒ کی ہے، انہوں نے بھی بدایۃ المجتہد میں اس پر بحث فرمائی ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابتداء وضوء میں غسل یدین تو ہر حال میں مستحب ہے، سو کر اٹھنے کے ساتھ مقید نہیں اور اس حدیث میں استیقاظ من النوم کی قید ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سیاق حدیث اس بات کو مقتضی ہے کہ اس حکم کا تعلق مطلق پانی سے مانا جائے، وضو کے ساتھ اس کو خاص نہ کیا جائے، لیکن مصنفؒ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنن وضو سے متعلق مانا ہے، اس لئے کہ اس باب کو وہ ابواب وضو کے درمیان میں لائے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اشکـــــال: یہاں پر ایک سوال ہے وہ یہ کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے یہ سوال فرمایا کہ حدیث میں سو کر اٹھنے کے بعد غسل یدین کا حکم دیا گیا، محض احتمال نجاست کی وجہ سے کہ نہ جانے ہاتھ کہاں کہاں پہنچا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ شرمگاہ اور محل استنجاء پر پہونچا ہو، جب یہ بات ہے تو پھر پائجامہ اور لنگی کا وہ حصہ جو شرمگاہ کے متصل رہتا ہے، سو کر اٹھنے کے بعد اس کے دھونے کا حکم بطریق اولیٰ ہونا چاہئے، حالانکہ حدیث میں اس کے دھونے کا حکم وارد نہیں ہوا۔

جـواب: اس کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ مرحمت فرمایا: کہ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی نجاست متعدی ہے، اگر پانی ناپاک یا مشکوک ہوگا تو جس چیز کو بھی لگے گا وہ سب چیزیں مشکوک وناپاک ہو جائیں گی، بخلاف کپڑے کے کہ اسکی نجاست کا اثر کسی دوسری شی کی طرف منتقل نہیں ہوگا، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے "طهارة الماء اوکـــد" یعنی پانی کی پاکی کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، نیز ایک فرق اور بھی ہے کہ غسل یدین میں کوئی دشواری نہیں ہے، اور پائجامہ کی میانی بار بار دھونے میں ظاہر ہے کہ حرج ہے، اور حرج شریعت میں مدفوع ہے۔

قـولـه اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ الخ: سوال ہوتا ہے کہ استیقاظ کے بعد من نومہ قید کی کیا ضرورت ہے؟ بیداری تو نوم ہی سے ہوتی ہے۔
جواب یہ ہے کہ استیقاظ کا استعمال اور اطلاق کبھی افاقہ من الغشی پر بھی ہوتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ نـومـه میں ضمیر کی اضافت کی کیا ضرورت تھی مـن الـنـوم کہہ دیتے، کیونکہ ہر شخص اپنی ہی نیند سے بیدار ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ متکلم اس حکم میں داخل نہیں، مخاطب کی نوم مراد ہے، اور اسی وجہ سے احدکم کو بھی ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس حکم سے متکلم کا خارج ہونا معلوم ہو جائے۔ (الدر المنضود: ۲۴۲)

فوائد حدیث

مزید وضاحت کے لئے چند ضروری باتیں فوائد کی شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)...... **امر تعبدی ہے یا معلل؟**: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امر ہے تین دفعہ دھونے کا، یہ امر تعبدی ہے، یا معلل ہے؟

اوامر کی دو قسمیں ہیں

اوامر دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱)......امر تعبدی جس کی علت ہماری سمجھ میں نہ آسکے۔

(۲)......امر معلل جس کی علت سمجھ میں آجائے۔

امر تعبدی میں تعدیہ اور قیاس جائز نہیں ہے، وہ اپنے مورد پر مقتصر ہوتا ہے، اور امر معلل کا تعدیہ کر سکتے ہیں، جہاں وہ علت پائی جائے گی وہاں وہ حکم بھی ہوگا، یہ امر تعبدی ہے، یا معلل؟

اختلاف ائمہ

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ امر تعبدی ہے، کیونکہ ان کے ہاں ناپاک چیز گرنے

سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ تغیر اوصاف نہ ہو، تو برتن میں بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ ڈالدیا تو پانی تو پاک ہی رہے گا اس کے باوجود ہاتھ دھونے کا امر تعبدی ہے، جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ امر معلل ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود علت بیان فرمادی ہے: "فانہ لایدری این باتت یدہ" [پس بے شک وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری۔]

(۲)......**علت امر کیا ھے؟**: حدیث میں سوکر اٹھنے کے وقت ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں ہاتھ ڈالنے سے نہی فرمائی ہے، حدیث میں اس حکم کی علت بیان فرمادی ہے: "فانہ لایدری این باتت یدہ" عرب میں استنجاء بالحجارۃ کا رواج تھا اس سے گندگی کے کچھ اجزاء رہ جاتے تھے، عرب کا موسم گرم تھا، پسینہ سے نجاست پھیل جاتی تھی، اور ہوسکتا ہے کہ اس نجاست والے پسینہ پر ہاتھ لگ جائے، اور ہاتھ ناپاک ہوجائے، خلاصہ یہ کہ احتمال نجاست علت ہے، ہاتھ دھونے کی، یہ علت نص حدیث سے ثابت ہے، لیکن حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ علت نہی یہ ہے کہ ہاتھ پر شیطان نے بیتوتت کی ہے۔ حافظ ابن القیم کی بھی یہی رائے ہے، لیکن یہ علت معقول نہیں ہے، کیونکہ ہاتھ پر شیطان کی بیتوتت کی کوئی دلیل نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ رات گذارتا ہو جیسے حدیث میں ہے کہ وہ خیشوم پر رات گذارتا ہے، ایسے ہی رات ہاتھ پر گذارتا ہو لیکن یہ محض احتمال ہے، دلیل نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں "فانہ لایدری این باتت یدہ" سے ثابت ہوسکتا ہے، جواب یہ ہے کہ اگر یہ بتانا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: "فانہ لایدری ماذا بات علی یدہ" یا "من بات علی یدہ"

(۳)......**ھاتھ کا دھونا واجب ھے یا سنت؟**: برتن میں ہاتھ ڈالنے سے

پہلے ہاتھ کا دھونا واجب ہے یا سنت؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ہاتھ پر گندگی لگنے کا یقین یا ظن ہو تو ہاتھ دھونا واجب ہے، اگر یقین یا ظن نہیں محض احتمال ہے تو ہاتھ دھونا سنت یا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، کیونکہ وجوبی احکام یقین یا ظن کی بنیاد پر ہی ہوتے ہیں، اور محض احتمالات کی بنیاد پر احکام وجوبی نہیں ہوتے بلکہ استحبابی ہوتے ہیں۔

(۴)......ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالنے سے پانی کا حکم: اگر کسی نے ہاتھ دھونے کے بغیر برتن میں ہاتھ ڈال دئے تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ہاتھ پر ناپاکی کا یقین یا ظن ہے تو اس کے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا، اور اگر محض احتمال ہے تو اس کا استعمال خلاف تقویٰ ہے، خلاف فتویٰ نہیں ہے۔

(۵)......بلانوم وضو کے وقت ہاتھ دھونے کا حکم: جب نیند سے اٹھ کر وضو کرنے لگے تو اس کے متعلق تو حدیث میں صراحۃً آ گیا کہ پہلے ہاتھ دھو کر وضو شروع کرے اگر بیداری کی حالت سے اٹھ کر وضو کرنا چاہے تو بھی وضو شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے سنت ہیں کیونکہ امر بغسل الید کی علت احتمال نجاست ہے اور یہ علت حالت یقظہ میں بھی موجود ہے، للہذا یہ حکم حالت یقظہ میں بھی ہوگا، کیونکہ احکام دائر علی العلل ہوتے ہیں۔

ہاں یہ فرق کیا جا سکتا ہے کہ حالت نوم میں احتمال نجاست قوی ہے اس لئے وہاں ہاتھ دھونا سنت مؤکدہ ہوگا اور بیداری کی حالت میں یہ احتمال کمزور ہے اس لئے یہاں سنت ہوگا، نفس سنت دونوں جگہ ہے تاکد و عدم تاکد کا فرق ہے۔

(٦)......رات اور دن کی نیند میں فرق: حضرت امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ

ہاتھ بغیر دھونے کے پانی میں ڈالنا رات کی نیند سے اٹھ کر مکروہ ہے، دن کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد کراہت نہیں ہے، اس فرق کی تین وجہیں ہیں۔

(۱)......اس حدیث کی بعض روایات میں من اللیل کے لفظ کی تصریح ہے۔

(۲)......علت فانہ لایدری این باتت یدہ بیان فرمائی ہے باتت کا لفظ بھی بتاتا ہے کہ یہ حکم رات کی نیند کا ہے، کیونکہ بات کا معنی رات گذارنا ہے۔

(۳)...... رات کی نیند میں غفلت زیادہ ہوتی ہے، اس میں انکشاف عورت کا زیادہ احتمال ہے، اور دن میں غفلت اتنی نہیں ہوتی جتنی رات کی نیند میں ہوتی ہے، اس لئے رات اور دن کی نیند میں فرق ہے، لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رات اور دن دونوں میں کراہت ہے، البتہ درجہ کراہت میں فرق ہے، رات کی نیند میں کراہت شدید ہوگی، اور دن میں کم کراہت ہوگی، کیونکہ علت احتمال نجاست بیان کی گئی ہے، اور احتمال نجاست جیسے رات کو ہے دن کی نیند میں بھی ہے، تو علت دونوں میں مشترک ہے، اور حکم کا مدار علت پر ہے، بہت سی روایات من اللیل کے لفظ سے خالی ہیں، لہٰذا لیل کا لفظ احترازی نہیں ہے، اتفاقی ہے۔

فائدہ (۷): ہاتھ دھونے کے بغیر ہاتھ ڈالنے سے نہی ہے، برتن کئی قسم کا ہوتا ہے، اگر برتن چھوٹا ہو جس کو انڈیل کر پانی نکالا جا سکتا ہے تو انڈیل کر پانی نکالو، اگر برتن بڑا ہو انڈیلا نہ جا سکتا ہو تو چھوٹے برتن سے پانی نکال لینا چاہئے، اگر پانی نکالنے کے لئے چھوٹا برتن بھی نہ ہو تو پاک کپڑے سے نکال کر ایک ہاتھ دھولیا جائے، اگر پاک کپڑا بھی نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی صرف انگلیاں ڈال کر پانی نکال کر دایاں ہاتھ دھولیا جائے، پورا ہاتھ نہ ڈالا جائے، کیونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ڈالا ہے، اور ضابطہ ہے: "الضرورات تتقدر بقدر الضرورۃ" اور صرف انگلیوں سے ضرورت پوری

ہو جاتی ہے، اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دھونے کے بغیر پانی میں پورا ہاتھ نہ ڈالو اور اس صورت میں بھی پورا ہاتھ ڈالا گیا بلکہ صرف انگلیاں ڈالی گئیں، غرضیکہ حدیث پر مہما امکن عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (اشرف التوضیح)

وضو میں ناک صاف کرنے کی وجہ

﴿۳۶۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۴۶۵/ ۱، باب صفة الابلیس وجنوده، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر: ۲۳۹۵، مسلم شریف: ۱۲۴/ ۱، باب الایتار فی الاستنثار والاستجمار، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۳۸۔

حل لغات: خیشوم ناک کی جڑ، ناک کا بانسہ، ج خیاشیم.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو اور وہ وضو کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ تین مرتبہ ناک جھاڑ کر صاف کرلے، اس لئے کہ اس کی ناک کے بانسے پر شیطان رات گذارتا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ناک کے ذریعہ اس کے دماغ پر اثرات ڈالتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے اثرات ناک میں بھی ہوتے ہیں، اس لئے ناک کو صاف کرنے کا حکم فرمایا گیا۔

سر کے مسح کا طریقہ

﴿٣٦٣﴾ وَقِيلَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ ابْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ (رواه مالك والنسائى) وَلِاَبِىْ دَاؤُدَ نَحْوَهٗ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ وَفِى الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قِيْلَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِاِنَاءٍ فَاَكْفَأَ مِنْهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ فَاَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَاَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ وَفِىْ اُخْرٰى فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِىِّ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِىْ اُخْرٰى لَهٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غُرْفَةٍ وَاحِدَةٍ۔

حواله: موطا امام مالک: ٦، باب العمل فی الوضوء، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر: ۱، نسائی شریف: ۱۴/ ۱، باب حد الغسل، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر: ۹۷، ابو داؤد شریف: ۱٦/ ۱، باب صفة وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر: ۱۱۸، بخاری شریف: ۳۱/ ۱، باب مسح الرأس کلہ، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۷۵، وفی روایۃ بخاری: ۳۱/ ۱، باب الرجلین الی الکعبین، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ۱۸٦، وفی روایۃ بخاری: ۳۲/ ۱، باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة، حدیث نمبر: ۱۹۱، مسلم شریف: ۱۲۳/ ۱، باب فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر: ۲۳۵۔

حل لغات: افرغ الشی انڈیلنا، ادبر الشیء پیچھے کرنا، مقدم راسه سر کا اگلا حصہ، قفاہ القفا گدی، گردن کا پچھلا حصہ، ج اقفاء و قفی اکفأ الاناء اوندھا کرنا، پلٹنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کس طرح فرماتے تھے؟ تو انہوں نے وضو کا پانی منگوایا، پھر پانی کو اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو دو بار دھویا، پھر تین بار کلی اور تین بار ناک صاف کی، پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا اس طور پر مسح کیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو لوٹایا اور اس جگہ تک واپس لائے، جہاں سے شروعات کی تھی، پھر اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔ (مالک، نسائی) ابو داؤد میں بھی اس طرح کی روایت ہے، صاحب جامع الاصول نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بخاری و مسلم میں یہ روایت

اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے اسی طرح آپ ہمارے سامنے وضو کیجئے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے برتن منگوایا اور اس برتن کو انہوں نے جھکایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر تین بار دھویا، پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر پانی نکالا اور اپنا چہرہ تین بار دھویا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر پانی نکالا اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو نکالا اور پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر آگے سے پیچھے کی طرف لائے، اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو فرماتے تھے، بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ''مسح کے لئے'' اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے، انہوں نے سر کے اگلے حصہ سے ابتدا کی اور دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے، پھر ان دونوں ہاتھوں کو لوٹایا اور اس جگہ تک لا کر چھوڑا جہاں سے ابتدا کی تھی، اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں پیروں کو دھویا، بخاری و مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ پھر انہوں نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر ناک کو جھاڑا تین بار تین چلوؤں سے اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے پھر انہون نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا ایک چلو سے اور ایسا تین بار کیا، بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر انہوں نے اپنے سر کا اس طور پر مسح کیا کہ دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے، اور پیچھے سے آگے کی طرف ایک بار لائے، اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھویا، بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کلی کی اور ناک جھاڑی تین بار ایک چلو سے۔

تشریح:

عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عبداللہ بن زیدؓ نام کے کئی حضرات طبقۂ صحابہؓ میں ہیں، مثلاً ایک عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ جن کی روایت وضوء کے بارے میں مشہور ہے، دوسرے عبداللہ بن زید بن عبدربہ جن کو خواب میں کلمات اذان القاء کئے گئے تھے۔ یہاں اس حدیث کو بیان کرنے والے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ ہیں۔

قوله قيل لعبد الله بن زيد بن عاصم رضي الله عنه كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ الخ: عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا ان سے درخواست کی گئی کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو کس طرح فرماتے تھے؟

مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے اسی طرح وضو کر کے ہم کو دکھایئے تا کہ پھر ہم بھی اس کے مطابق وضو کیا کریں۔

فائدہ: (۱)...... حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا آپس میں وضو نماز سیکھنے سکھانے کا معمول تھا، بعض دفعہ کوئی صحابی از خود پیشکش فرماتے کہ آؤ میں تم کو وضو کر کے دکھاؤں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے، کبھی دوسرے حضرات درخواست کرتے تھے، جیسے یہاں بھی دوسرے حضرات نے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی۔

فائدہ: (۲)...... اس سے معلوم ہوا کہ وضو، نماز کو باقاعدہ اپنے بڑوں سے سیکھنا چاہئے، اور بڑوں کو بھی چاہئے کہ اپنے چھوٹوں کو، اساتذہ اپنے طلباء کو، مشائخ اپنے مریدین

کو وضو، نماز کا طریقہ بھی با قاعدہ سکھائیں۔

آج اس سلسلہ میں بہت کوتاہی ہوتی ہے کہ اس کا بالکل اہتمام نہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے فارغین اور فاضلین مدارس میں کئی کئی سال لگانے کے باوجود سنت کے مطابق وضو اور سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے، اس لئے اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

قوله فدعا بوضوء الخ: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کا پانی منگایا، اور پھر با قاعدہ وضو کر کے دکھایا۔

اشکال مع جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ زبانی طور پر بیان فرما دیتے، با قاعدہ وضو کر کے دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ عملی طور پر کر کے دکھانے سے وہ چیز اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، اور ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک بھی عملی طور پر کر کے دکھانے کا تھا، اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول بھی عموماً عملی طور پر کر کے دکھانے کا تھا، اسی کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی با قاعدہ وضو کر کے دکھایا۔

قوله فافرغ علی یدیه الخ: یہاں سے وضو کی تفصیل بیان کی جارہی ہے، کہ اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا، **"فغسل یدیه مرتین مرتین الخ"** دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ دھویا، معلوم ہوا کہ دو دو مرتبہ دھونا بھی درست ہے، پھر آگے بعض اعضاء کے تین تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو دو دو مرتبہ اور بعض کو تین تین دھونا بھی

درست ہے۔

ثُمَّ مَضْمَضَ وَ اسْتَنْثَرَ ثَلاَثاً الخ: پھر تین مرتبہ کلی فرمائی، اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈال کر ناک کو صاف فرمایا۔

مضمضہ واستنشاق کا حکم

مضمضہ اور استنشاق کی وضو اور غسل میں حیثیت کیا ہے؟

اس میں تین مذاہب ہیں۔

(۱)......امام مالک اور امام شافعی کے ہاں دونوں دونوں میں سنت ہیں۔

(۲)...... دونوں دونوں میں واجب ہیں۔ یہ امام احمد ابن ابی لیلیٰ، اسحاق اور عبداللہ بن مبارک کا مذہب ہے۔

(۳)......غسل جنابت میں دونوں فرض ہیں، وضو میں سنت ہیں، یہ سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور سلف کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔

پہلے اور دوسرے مذہب والوں نے دونوں کو مساوی رکھا ہے، احناف نے تفریق کی ہے، غسل میں فرض کیا اور وضو میں سنت۔

اب ہم سے وجہ فرق کا مطالبہ ہوگا، وجہ فرق یہ ہے کہ قرآن میں غسل اور وضو میں تعبیر الگ الگ قسم کی ہے، وضو میں مخصوص اعضاء کے دھونے کا حکم ہے، غسل وجہ کا حکم ہے، اور ناک اور منہ کا اندرونی حصہ وجہ میں داخل نہیں ہے، کیونکہ ان کا مواجہت میں کوئی دخل نہیں ہے، لیکن غسل میں تعبیر یہ ہے کہ "ان کنتم جنبا فاطھروا" اطہروا کا حکم ہے اس میں مبالغہ ہے، مبالغہ کے ساتھ تطہیر کا حکم ہے۔ مبالغہ فی الطھارۃ کیسے ہوگا، جو اعضاء من کل الوجوہ ظاہر ہیں ان کو تو دھونا ہی پڑے گا، ان کو دھونا مبالغہ نہیں سمجھا جائے گا، مبالغہ تب ہوگا

جب ان اعضاء کو بھی دھولیں جو من وجہ ظاہر ہیں من وجہ باطن ہیں، ایسے اعضاء منہ اور ناک کے اندر کا حصہ ہے، یہ من وجہ ظاہر ہے، اسی لئے منہ کے اندر پانی چلا جائے لیکن حلق سے اوپر رہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر قے منہ کے اندر سے واپس چلی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، تو اس مسئلے میں اس کو باطن سمجھا ہے، تو مبالغہ تب ہوگا جب ان کو بھی دھویا جائے۔

مضمضہ واستنشاق کی کیفیت

مضمضہ واستنشاق کی پانچ کیفیات ہوسکتی ہیں۔

(۱)...... **فصل بغرفة واحدة.** ایک چلو سے تین دفعہ مضمضہ کر کے پھر اسی چلو سے تین بار استنشاق کیا جائے۔

(۲)...... **وصل بغرفة واحدة.** ایک چلو سے ایک مضمضہ واستنشاق کیا جائے، پھر اسی سے دوسرا مضمضہ واستنشاق پھر اسی سے تیسرا مضمضہ واستنشاق کیا جائے۔

(۳)...... **فصل بغرفتين.** ایک چلو سے تین دفعہ مضمضہ پھر دوسرے چلو سے تین دفعہ استنشاق کیا جائے۔

(۴)...... **وصل بثلاث غرفات.** ایک چلو سے ایک دفعہ مضمضہ واستنشاق، پھر دوسرے چلو سے دوسری مرتبہ پھر تیسرے چلو سے تیسری مرتبہ۔

(۵)...... **فصل بست غرفات.** چھ چلو سے فصل کریں گے، تین چلوؤں سے تین دفعہ مضمضہ پھر تین چلوؤں سے تین دفعہ استنشاق۔

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ پانچوں صورتیں جائز ہیں، اختلاف اس میں ہے کہ ان میں سے اولیٰ اور افضل کونسی صورت ہے؟

امام مالکؒ وشافعیؒ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ فصل بہتر ہے، لیکن حنابلہ اور شافعیہ

میں مختار یہ ہے کہ وصل بثلاث غرفات افضل ہے، حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ فصل بست غرفات افضل ہے، باقی چاروں کے حکم میں فقہاء حنفیہ کی دو تعبیریں ہیں، ایک یہ کہ پانچوں کیفیات سے سنت ادا ہو جاتی ہے، لیکن کمال سنت فصل بست غرفات سے ادا ہوگی، دوسری تعبیر یہ ہے کہ فصل بست غرفات سنت ہے، باقی چاروں جائز ہیں، پہلی تعبیر کے مطابق چار صورتوں میں سنت ادا ہو جاتی ہے، دوسری تعبیر کے مطابق ان چار صورتوں سے سنت ادا نہیں ہوگی، تعبیرات میں تعارض ہو گیا، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ دو سنتیں الگ الگ ہیں، ایک ہے مضمضہ واستنشاق کرنا، یہ سنت ہے، اور فصل سے مضمضہ واستنشاق کرنا یہ الگ سنت ہے، پہلی تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ چار صورتوں میں مضمضہ واستنشاق کی سنت ثابت ہوگئی اور دوسری تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ فصل والی سنت ادا نہیں ہوئی، پہلی تعبیر میں اور سنت کا اثبات ہے، اور دوسری تعبیر میں نفی اور سنت کی ہے۔ فلا تعارض بينهما. (معارف السنن: ۱/۱۶۷)

قائلین وصل کی دلیل: قائلین وصل عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کی بعض روایات میں لفظ ہیں "**مضمض واستنشق من كف واحد**" بعض روایات میں لفظ ہیں "**مضمض واستنشق ثلثاً**"، مضمضہ اور استنشاق دونوں کے بعد ایک مرتبہ ثلثاً کہا جس سے بظاہر وصل ہی معلوم ہوتا ہے، بعض روایات میں ہے "**مضمض واستنشق ثلثا بثلث غرفات من ماء**" بعض میں یہ لفظ ہیں "**مضمض واستنثر ثلث مرات من غرفة واحدة**" غرضیکہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ مختلف الفاظ وصل پر دلالت کر رہے ہیں۔

جوابات: اس حدیث کے قائلین فصل کی طرف سے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... یہ عبارت **تنازع فعلین** کے باب سے ہے، دراصل "**من كف واحد**" **كالفظ**

دو دفعہ تھا، ایک کو حذف کر دیا دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے، "مضمض" کے بعد "من کف واحد" محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ "مضمض من کف واحد واستنشق من کف واحد" مضمضہ الگ چلو سے ہوا، اور استنشاق الگ چلو سے، ایسے ہی "مضمض واستنشق ثلثا" میں "مضمض" اور "استنشق" دونوں فعلوں کا ثلثاً میں تنازع ہے، ایک کا معمول محذوف مانا جائے گا، تقدیر عبارت یوں ہوگی "مضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً" اب یہ حدیث دال بر وصل نہیں ہے۔

(۲)...... "من کف واحد" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک ہی چلو لیا اس سے مضمضہ اور استنشاق کیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک ہی چلو سے پانی لیتے تھے، دو چلو نہیں استعمال فرماتے تھے، یعنی ایک ہی ہاتھ استعمال کرتے تھے۔

(۳)...... "من کف واحد" کا مطلب یہ ہے کہ مضمضہ و استنشاق دونوں کے لئے دایاں ہاتھ ہی استعمال کیا تھا، ہوسکتا تھا کہ کسی کو وہم ہوتا کہ استنشاق بائیں ہاتھ سے کیا ہو، اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرمادیا "من کف واحد" کہ دونوں جگہ دایاں ہی استعمال کیا ہے۔

(۴)...... اگر مان لیا جائے کہ یہ حدیث وصل پر دلالت کر رہی ہے تب بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ وصل جائز تو ہمارے ہاں بھی ہے، گو افضل نہیں یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہوسکتی ہے، بلکہ حنفیہ کی دوسری تعبیر کے مطابق وصل سنت بھی ہے، اگرچہ کمال سنت فصل ہی ہے۔

دلائل فصل: (۱)...... حافظ ابن السکن نے اپنی صحیح میں شقیق بن سلمہ کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو

وضو کرتے دیکھا، اس روایت میں یہ لفظ بھی ہیں: "افرد المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ." (التلخیص الجیر: ۷۹/۱)

(۲)......سنن ابی داؤد میں طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے اس میں یہ لفظ صراحۃً آ رہے ہیں، "ورأيته يفصل بين المضمضة والاستنشاق" اس سے صراحۃً فصل ثابت ہوا۔ (ابو داؤد شریف: ۱۸/۱، باب في الفرق بين المضمضة والاستنشاق)

(۳)......معجم طبرانی میں طلحة عن ابيه عن جده کی روایت میں یہ لفظ ہیں: "مضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً ويأخذ لكل واحدة ماء ا جديدا" یہ فصل کی اور نیا پانی لینے کی صریح دلیل ہے۔ (نصب الرایہ: ۱۷/۱)

(۴)......احادیث صحیحہ کثیرہ میں یہ لفظ آ رہے ہیں: "مضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً" ہر ایک کے ساتھ ثلاثاً کا لفظ الگ الگ ہے، ایسی روایتیں بظاہر فصل پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ (مثلاً حدیث علیؓ، جامع ترمذی: ۱۷/۱، حدیث عثمانؓ، سنن ابی داؤد: ۱۴/۱)

اس کے علاوہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فصل راجح ہونا چاہئے، اس لئے کہ ناک اور منہ دو الگ الگ عضو ہیں، جیسے دوسرے اعضاء میں فصل کیا جاتا ہے، ایسے ہی ان میں بھی فصل ہونا چاہئے۔

قوله ثم مسح رأسه بيديه الخ: پھر اپنے سر کا اپنے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا۔

مسح رأس کے مسائل

پہلا مسئلہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مسح رأس میں استیعاب

فرض ہے۔ شافعیہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ استیعاب رأس فرض نہیں، بعض کا مسح فرض ہے، پورے سر کا مسح کرلینا سنت ہے۔ پھر حنفیہ اور شافعیہ کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ سر کے کتنے حصے پر مسح فرض ہے؟ شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلق بعض کا فرض ہے، اگر سر کے اتنے حصے کا مسح ہو جائے جس پر لغۃً بعض رأس کا اطلاق کیا جا سکتا ہو تو فرض ادا ہو جائے گا، خواہ تین بال کی مقدار ہی مسح ہو۔ حنفیہ کی اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں، مشہور یہ ہے کہ ربع رأس کا مسح فرض ہے۔ (اوجز المسالک: ۱/۳۸)

مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے۔ "وامسحوا برؤسکم" اس میں سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے اور رأس کی کوئی مقدار متعین ومحدود نہیں کی گئی، لہٰذا پورا سر ہی مراد ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی فعل کے بعد مفعول بہ بھی ذکر ہو تو فعل کے تحقق کے لئے ضروری نہیں کہ مفعول بہ کے ہر ہر جزء پر فعل کا وقوع ہو۔ بلکہ مفعول بہ کے بعض حصہ پر بھی وقوع ہو جائے تو فعل متحقق ہو جائے گا، مثلاً اگر کہا جائے "اضرب زیدا" تو اس امر کے امتثال کے لئے ضروری نہیں کہ زید کے ہر ہر عضو پر مارا جائے بلکہ بعض اعضاء پر مارنے سے بھی امتثال امر ہو جائے گا، ایسے ہی اگر کوئی کہے "مسحت الجدار" تو اس کے صادق ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ دیوار کے ہر ہر جزء اور ہر اینٹ کو چھوا جائے، بلکہ دیوار کے بعض حصہ پر ہاتھ پھیرنے سے بھی اس فعل کا تحقق ہو جائے گا، ایسے ہی قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے: "واخذ برأس اخیہ یجرہ الیہ" اس میں بھی پورے سر کا پکڑنا مراد نہیں اور نہ ہی ایک ہاتھ سے داڑھی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے پورے سر کے بالوں کا پکڑنا ممکن ہے۔ غرضیکہ کسی فعل کے تحقق کے لئے اس کا مفعول بہ کے ہر حصہ پر وقوع ضروری نہیں، بلکہ بعض مفعول بہ پر واقع ہو جانا بھی کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا "وامسحوا برؤسکم" کا تقاضا سر کے بعض حصہ پر مسح کرنے سے بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اس اصول کا

تقاضا تو یہ تھا کہ جتنے بعض کا بھی مسح ہو جائے کافی ہوتا۔ حتی کہ اگر ایک دو بالوں کا مسح کر لیا جائے تو بھی مسح ہو جائے، لیکن مانع کی وجہ سے ہم اتنی قلیل مقدار کو کافی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اتنی قلیل مقدار کا مسح تو غسل وجہ کے ضمن میں بھی ہو جاتا ہے، یہ مستبعد ہے کہ پورا منہ استیعاب کے ساتھ دھویا جائے اور سر کا بال بھی نہ بھیگے، اگر اتنی قلیل مقدار کا مسح کافی ہوتا تو سر کے مسح کو مستقل فرض قرار دینے کی ضرورت نہ تھی، معلوم ہوا کہ یہاں سر کا معتد بہ حصہ مراد ہے، جو غسل وجہ کے ضمن میں نہ آتا ہو، وہ بعض کتنا ہے اس کا آیت میں بیان نہیں تو آیت مقدار فرض مسح میں مجمل ہوئی اس کا بیان تلاش کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ حدیث مغیرہ بن شعبہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ پر مسح کیا، معلوم ہوا کہ مقدار ناصیہ کے مسح پر اکتفاء جائز ہے، اس سے کم پر اکتفاء کرنا کہیں ثابت نہیں، اگر اس سے کم پر اکتفاء جائز ہوتا تو بیان جواز کیلئے کبھی نہ کبھی ضرور کیا جاتا، یہ تقریر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مأخوذ ہے۔ (فضل الباری: ۲/۳۱۴)

دوسرا مسئلہ: سر کے مسح میں توحید مسنون ہے یا تثلیث یعنی سر کا مسح ایک مرتبہ کرنا چاہئے یا تین مرتبہ؟

امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو حنیفہؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ سر کے مسح میں توحید مسنون ہے، امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، امام شافعی کا قول مشہور یہ ہے کہ سر کے مسح میں تثلیث مسنون ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: (۱)...... بعض روایات میں تین دفعہ سر کا مسح کرنا بھی وارد ہوا ہے، ان کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ تثلیث مسنون ہے۔

(۲)...... وہ مسح کو اعضاء مغسولہ پر قیاس کرتے ہیں، جب اعضاء میں غسل تین دفعہ مسنون ہے تو مسح بھی تین دفعہ مسنون ہونا چاہئے۔

حنفیہ کے دلائل: حنفیہ اور جمہور کے دلائل یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، علی، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم سب حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت کر رہے ہیں، ان کی حدیثیں وحدت مسح پر دلالت کرتی ہیں، امام ابو داؤد فرماتے ہیں: "**احادیث عثمان الصحاح کلها تدل علی مسح الرأس انها واحدة**" ان احادیث کی بناء پر حنفیہ اور جمہور علماء ایک مرتبہ مسح کرنے کے قائل ہیں، نیز مسح رأس میں قیاس کے لحاظ سے بھی تثلیث نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ غسل کی بناء تنظیف پر ہے، اور تنظیف کا مقتضیٰ یہ ہے کہ غسل میں تکرار مسنون ہو، تاکہ نظافت زیادہ ہو، مسح کی بناء تخفیف پر ہے، اور تخفیف اس میں ہے کہ ایک ہی مرتبہ مسح کا حکم ہو کیونکہ تثلیث مسح کرنے سے تو تقریباً غسل بن جاتا ہے، اس لئے ممسوح کو مغسول پر قیاس کرنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ ایک ممسوح کو دوسرے ممسوح پر قیاس کیا جائے۔ جیسے سر پر مسح کیا جاتا ہے ایسے ہی خفین پر بھی مسح کیا جاتا ہے، اور مسح خفین میں کسی کے ہاں بھی تثلیث مسنون نہیں، اس پر قیاس کرتے ہوئے مسح رأس میں بھی تثلیث نہیں ہونی چاہئے۔ رہی وہ احادیث جن میں تین مرتبہ مسح کا ذکر ہے ان کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی بغیر جدید پانی لینے کے گیلے ہاتھ کو سر پر پھیر لیا جائے تو جائز ہے، اور یہ احادیث بیان جواز پر محمول ہیں، ہمارا نزاع شافعیہ کے ساتھ دو چیزوں میں ہے۔

(۱)......وہ ماء جدید کے ساتھ تثلیث کے قائل ہیں، اور ہم ماء جدید کے ساتھ تثلیث کے قائل نہیں۔

(۲)......وہ تثلیث کو مسنون کہتے ہیں اور ہم صرف جائز سمجھتے ہیں۔

ان احادیث میں تثلیث کا ذکر تو ہے لیکن ماء جدید لینے پر اور سنیت پر کوئی دلالت نہیں، اور نزاع انہی دونوں باتوں میں ہے۔

تیسرا مسئلہ: اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ سر کے مسح کے موقعہ پر افضل یہ ہے کہ ماء جدید لیا جائے، بحث اس میں ہے کہ اگر کسی نے نیا پانی نہیں لیا، ہاتھوں کی بچی ہوئی تری سے مسح کر لیا تو مسح ہو گیا یا نہیں؟

شافعیہ کے ہاں مسح نہیں ہوا، حنفیہ کے ہاں مسح ہو جائے گا۔ شافعیہ کے ہاں ماء جدید لینا فرض ہے، حنفیہ کے ہاں فرض نہیں افضل ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں تفصیل یہ ہے کہ اگر پہلے اعضاء کو دھونے سے تری بچی ہوئی ہو تو اس سے مسح کرنا جائز ہے، اگر پہلے مسح سے تری بچی ہوئی نہ ہو تو اس سے مسح جائز نہیں ہے۔

اس باب کی فصل ثانی کی حدیث ہے: "عن عبداللہ بن زید انہ رأى النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ وانہ مسح رأسہ بماء غیر فضل یدیہ" اس حدیث کو دو طرح روایت کیا گیا ہے ایک یہی "بماء غیر فضل یدیہ" یاء کے ساتھ۔ دوسرا "بماء غبر فضل یدیہ" باء کے ساتھ۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھوں سے بچے ہوئے پانی کے علاوہ دوسرے پانی سے سر کا مسح کیا، اس میں ماء جدید لینے کا ذکر ہے، اب یہ حدیث نہ حنفیہ کے خلاف ہوگی نہ شافعیہ کے، اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس پانی سے مسح کیا جو ہاتھوں کی تری سے بچا ہوا تھا، اس صورت میں یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہوگی کہ نیا پانی لینا ضروری نہیں۔

اس کے علاوہ ابوداؤد اور مسند احمد میں ربیع بنت معوذ سے روایت ہے: "مسح برأسہ من فضل ماء کان فی یدہ" یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ بچی ہوئی تری سے مسح کرنا جائز ہے۔

قولہ اقبل بھما و ادبر بدأ بمقدم رأسہ الخ: صحیح روایت میں سر کے مسح کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح میں اقبال اور ادبار کیا ہے، یہ اقبال اورادبار دونوں مل کر ایک مرتبہ مسح سمجھا جاتا ہے، ان دونوں کے مجموعہ کو تکرار اور تعدد کے قبیل سے نہیں سمجھا جائے گا، اقبال کا مشہور معنی ہے کہ ہاتھوں کو قفا سے مقدم رأس کی طرف لانا یعنی پیچھے سے آگے کو ہاتھ لانا، اورادبار کا معنی یہ ہے کہ مقدم رأس سے قفا کی طرف ہاتھ لے جانا، یعنی آگے سے پیچھے کو ہاتھ لے جانا۔ روایات میں اکثر اقبال کا لفظ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اورادبار کا بعد میں جیسا کہ "فاقبل و ادبر" اس تعبیر کا ظاہر یہ چاہتا ہے کہ مسح میں پہلے ہاتھ پیچھے سے آگے کو لائے جائیں پھر آگے سے پیچھے کو، چنانچہ بعض سلف اسی کے قائل ہوئے ہیں، لیکن حنفیہ اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مسح رأس کے وقت پہلے ہاتھ آگے سے پیچھے کو لے جائے جائیں پھر پیچھے سے آگے کو دلیل اس کی یہ ہے "فاقبل بھما وادبر" کی تفسیر حدیث میں موجود ہے، "بدأ بمقدم رأسہ الخ" اس بات کی تصریح ہے کہ مسح کا آغاز مقدم رأس سے ہوتا تھا، اسی لئے جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اب قابل غور جمہور کے لئے دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ مُفَسِّرُ مُفَسَّرُ کے خلاف ہے، دوسرا یہ کہ جمہور کے نزدیک جو ترتیب فعلی مسنون ہے وہ حدیث میں آنے والی ترتیب ذکری کے خلاف ہے، اس کے دو جواب ہیں۔

(۱)...... "اقبل بھما و ادبر" میں عطف واو کے ساتھ کیا گیا ہے، اور واو ترتیب کو نہیں چاہتی مطلق جمع کے لئے آتی ہے، تو "اقبل بھما و ادبر" یہ کسی ترتیب کو مقتضی نہیں پھر تخالف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تخالف تب ہوتا اگر یہ جملہ کسی خاص ترتیب پر دلالت کرتا۔

(۲)...... بعض نے اقبال وادبار کے معنی اور بیان کئے ہیں، اقبال کے معنی آگے سے ہاتھ

لے جانا، ادبار کے معنی پیچھے سے ہاتھ آگے کو لانا، اس صورت میں تفسیر اور مفسر میں بھی مطابقت ہوجاتی ہے، اور ترتیب فعلی اور ترتیب ذکری میں بھی۔ (اشرف التوضیح:١/٢٦٨)

تمام اعضاء وضو کا ایک ایک مرتبہ دھونا

﴿٣٦٤﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّۃً مَرَّۃً لَمْ یَزِدْ علی ھذا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:١/٢٧، باب الوضوء مرة مرة، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:١٥٧۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھویا اور اس پر اضافہ نہیں کیا۔

تشریح: ایک ایک مرتبہ دھونا فرض کا درجہ ہے، وضو اس سے بھی ہوجاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ہر عضو کے ایک ایک مرتبہ دھونے پر بھی اکتفاء فرمایا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ بھی جائز ہے۔ فقط

اعضاء وضو کو دو دو بار دھونا

﴿٣٦٥﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:١/٢٧، باب الوضوء مرتین مرتین، کتاب

الوضوء، حدیث نمبر:۱۵۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں تمام اعضاء کو دو دو بار دھویا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ ہر عضو کا دو دو مرتبہ دھونا بھی درست ہے۔

اعضاءِ وضو کو تین تین بار دھونا

﴿۳۶۶﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ أَلَا أُرِيكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۲۱، باب فضل الوضوء والصلوة عقبه، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۳۰۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مقاعد میں جب وضو کرنے کا ارادہ کیا تو کہا میں تم لوگوں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھاتا ہوں، اور پھر انہوں نے وضو کیا تو اعضا کو تین تین بار دھویا۔

تشریح: یہاں تین حدیثیں گذری ہیں اول "تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً" کہ ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔ دوسری حدیث "تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ" ہر عضو کو دو دو مرتبہ دھویا۔ تیسری حدیث "تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا" ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔ یہ تینوں طریقے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اول فرض کا درجہ ہے، دوسرا جواز کا۔ تیسرا سنیت اور افضلیت کا۔ کہ ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہے، اور اس کے بغیر وضو ہی نہ ہوگا۔ دو دو مرتبہ دھونا بھی جائز ہے۔ اور اصل سنت اور افضل تین تین مرتبہ دھونا ہے۔ اور حدیث شریف میں ایک

اور طریقہ بھی منقول ہے کہ ایک ہی وضو میں بعض اعضاء کو ایک یا دو مرتبہ دھونا بعض کو تین مرتبہ دھونا یہ بھی جائز ہے۔ فقط

خشک ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب

﴿۳۶۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ حَتّٰی اِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِیْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّئُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَیْنَا اِلَیْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ یَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱۳۵/ ۱، باب وجوب غسل الرجلین بکمالهما، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۴۱۔

حل لغات: تعجل تفعل سے، جلدی کرنا، تیزی دکھانا، اعقاب جمع ہے، واحد عَقِبٌ بمعنی ایڑی، تلوح لاح الشیء (ن) لوحا ظاہر ہونا، چمکنا، یمسها مس الشیء مسا (س) چھونا، اسبغوا الوضوء ہر عضو کو اچھی طرح دھونا، باب افعال سے۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ واپس آ رہے تھے، کہ راستے میں جب ایک چشمہ پر پہونچے تو ایک جماعت نے عصر کی نماز کے لئے جلدی کی، چنانچہ ان لوگوں نے جلدی جلدی وضو کر لیا، تو جب ہم ان کے قریب پہونچے تو ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں ان کو پانی لگا بھی نہیں تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایڑیوں کے لئے دوزخ کی آگ سے خرابی ہے، چنانچہ وضو کو پورا کرو۔

تشـــریح: حدیث پاک سے پیروں کے دھونے کی فرضیت معلوم ہوئی۔اور یہ بھی کہ پیروں کا مسح کافی نہیں۔جیسا کہ رافضی کہتے ہیں کہ اگر مسح کافی ہوتا تو صرف ایڑی کا کچھ حصہ خشک رہ جانے پر "ویـل لـلاعـقـاب من النـار" کیوں ارشاد فرماتے؟نیز وضو کو کامل کرنے کا حکم فرمایا اور وضو کامل ہوتا ہے۔فرائض کے ساتھ سنن ومستحبات اور آداب کی رعایت کرنے سے پس حدیث شریف سے معلوم ہوگیا کہ فرائض کے ساتھ سنن ومستحبات اور آداب کا لحاظ بھی رکھنا چاہئے۔

قوله ویل للاعقاب من النار الخ: ایڑیوں کے لئے بربادی ہے، ہلاکت ہے،یعنی جہنم کا عذاب ہے،اور مراد اصحاب اعقاب ہیں،یعنی ان ایڑیوں والوں کو جہنم کا عذاب ہے،اور وجہ یہ ہے کہ جب ایڑی خشک رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا اور جب وضو نہیں ہوا تو نماز نہیں ہوگی،اور جب نماز نہ ہوئی تو اس کی وجہ سے اس کو عذاب جہنم ہوگا۔

ویـــل مصدر ہے،بمعنی ہلاکت اس کا فعل مستعمل نہیں ہے،اور بعض نے کہا کہ ویل جہنم کی ایک خاص وادی کا نام ہے،ایڑیوں اور بطون اقدام کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ان میں عام طور پر بے احتیاطی ہوتی ہے،جب تھوڑی سی جگہ خشک رہنے پر وعید ہے اگر مسح کریں گے تو پھر سارا پاؤں خشک رہنے کی وجہ سے اور زیادہ وعید ہوگی۔

مسئلہ مسح رجلین

روافض کا مسلک یہ ہے کہ وضوء میں ننگے پاؤں پر مسح کافی ہے۔

جمہور علماء امت متفق ہیں کہ ننگے پاؤں کا وضو میں دھونا ضروری ہے۔

روافـــض کـــی دلیـــل: روافض آیت وضو کی قرأت جر سے استدلال کرتے ہیں، ارجلکم میں دو قرأتیں ہیں،نصب اور جر،اگر نصب ہو تو جو ھکم پر عطف ہوگا

اس سے غسل کا حکم ثابت ہوتا ہے، جر کی صورت میں رؤس پر عطف ہوگا، سر ممسوح ہے لہٰذا پاؤں بھی ممسوح ہوگا۔

جواب: اگر قرأت جر کا وہ مطلب لیا جائے جو روافض نے لیا ہے تو کئی محالات شرعیہ لازم آتے ہیں، اس لئے آیت کے وہ معنی نہیں ہو سکتے جو روافض نے لئے ہیں، وہ محالات یہ ہیں۔

(۱)......قرآن پاک کی ایک ہی آیت کی دو قرأتوں میں تعارض ہوگا، قرآن کی دو آیتوں میں تعارض محال ہے، ایک ہی آیت کی دو قرأتوں میں تعارض بدرجۂ اولی محال ہوگا، قرأت نصب سے غسل ثابت ہوتا ہے، قرأت جر سے تمہاری تفسیر کے مطابق مسح کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

(۲)......احادیث متواترہ میں اور قرآن کی اس آیت میں تعارض لازم آئے گا، یہ بھی محال ہے، احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی ازالہ حدث کے لئے وضو کیا تو پاؤں کو دھویا ہے، ننگے پاؤں پر ایک بار بھی مسح نہیں کیا، اگر مسح جائز ہوتا تو کبھی تو بیان جواز کے لئے مسح فرماتے۔

(۳)......اگر قرأت جر کا یہ مطلب لیا جائے تو اجماع امت اور آیت میں تعارض ہوگا، اور اجماع آیت کے خلاف نہیں ہوسکتا یہ محال ہے۔

(۴)......وہ احادیث صحیحہ جن میں ہے: "ویل للاعقاب من النار" ان میں اور اس آیت میں تعارض ہوگا، آیت سے ثابت ہوگا کہ مسح بھی کافی ہے، اور حدیث میں ہے کہ تھوڑی جگہ بھی خشک رہ جائے تو عذاب ہوگا۔

قرأت جر کی توجیہات

قرأت جر کی مندرجہ بالا تفسیر محال ثابت ہوئی تو سوال پیدا ہوگا کہ اس کی صحیح تفسیر کیا

ہے؟ اہل السنت والجماعۃ کی طرف سے جر والی قرأت کی کئی توجیہات کی گئی ہیں۔ مثلاً:

(۱)......قرأت جر میں بھی ارجلکم کا عطف وجوھکم پر پڑ رہا ہے، اس لئے یہ غسل رجلین کے حکم پر ہی دال ہے۔ اور بظاہر منصوب پر عطف کی وجہ سے اس پر نصب ہونا چاہئے تھا، لیکن اس کے پاس والا لفظ رؤسکم مجرور ہے، اس کے پڑوس کی رعایت کرتے ہوئے ارجلکم پر بھی جر آ گیا، اصطلاح نحاۃ میں اس کو جر للجوار کہا جاتا ہے، جر للجوار کلام عرب میں شائع ہے۔ اس توجیہ کے مطابق دونوں قرأتیں غسل رجلین کا حکم دے رہی ہیں۔

(۲)......ارجلکم مجرور کا عطف رؤسکم پر ہی ہے، مطلب یہ ہوگا کہ رؤس کا بھی مسح کرو اور ارجل کا بھی، مسح کے دو معنی ہیں ایک ہے تر ہاتھ کسی شی پر پھیرنا، اور دوسرا معنی ہے غسل خفیف، یعنی ہلکا سا کسی شی کو دھونا، یہاں امسحوا سے بطور عموم مجاز کے عام معنی مراد ہے، جو تر ہاتھ پھیرنے اور غسل خفیف دونوں کو شامل ہے، امسحوا کا تعلق رؤسکم کے ساتھ بھی ہے یہاں مراد تر ہاتھ سر پر پھیرنا ہے، اور اسی امسحوا کا تعلق ارجلکم کے ساتھ بھی ہے، یہاں مسح سے مراد غسل خفیف ہے، اس سے بھی یہ حکم نکلا کہ پاؤں کو ہلکا سا دھولو، مسح کا حکم نہ نکلا مسح بمعنی غسل کلام عرب میں آتا ہے، کہا جاتا ہے مسح الارض المطر یعنی بارش نے زمین کو دھوڈالا۔

جر للجوار کی حکمت

جر للجوار پڑھ کر یا رؤس پر عطف کر کے غسل خفیف کا حکم دینے میں نکتہ یہ ہے کہ پاؤں کے دھونے میں عام طور پر اسراف ماء ہوجاتا ہے اس تعبیر سے اسراف ماء سے روکنا

مقصود ہے کہ بھائی ہلکا سا غسل ہی کافی ہے، مبالغہ کی ضرورت نہیں، مظنہ اسراف ماء میں اگر غسل خفیف کرنے کا ارادہ کیا جائے گا تو بھی اس کا غسل دیگر اعضاء جیسا ہو جائے گا۔

(۳)...... پاؤں کی دو حالتیں ہیں، ایک تخفف یعنی موزہ پہننے کی حالت دوسری عدم تخفف یعنی موزہ نہ پہننے کی حالت قرأت نصب میں حالت عدم تخفف کا حکم بتلانا مقصود ہے، یعنی جب ننگے پاؤں ہوں تو غسل ضروری ہے، قرأت جر سے حالت تخفف کا حکم بتانا مقصود ہے، یعنی جب پاؤں میں موزے پہنے ہوئے ہوں تو روس کی طرح مسح کر لینا کافی ہے، تو یہ دو قرأتیں دو جدا جدا حالتوں پر محمول ہیں، اس لئے تعارض نہیں۔

(۴)...... امام طحاوی اور ابن حزم وغیرہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ ننگے پاؤں پر مسح کا جواز ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ (اشرف التوضیح)

چوتھائی سر کا مسح فرض ہے

﴿۳۶۸﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۳۳/۱، باب المسح علی الناصیة والعمامة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۷۴۔

حل لغات: ناصية پیشانی کے بال، نواصٍ و ناصیات، العمامة پگڑی، ج عمائم، الخفين تثنیہ ہے، واحد الخف چمڑی موزہ۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو اپنی پیشانی کے بالوں پر اپنے عمامہ پر اور اپنے

موزوں پر مسح کیا۔

تشریح: فَمَسَحَ بِنَاصِیَتِہٖ: ناصیہ کی مقدار پر مسح کیا یہی امام اعظم کا مسلک ہے۔مقدار ناصیہ چوتھائی سر کی مقدار کہلاتی ہے۔

مسح رأس میں اختلاف ائمہ

اوامام ابو حنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کی مقدار مسح کرنا ہی فرض ہے۔مالکیہ کے یہاں استیعاب رأس فرض ہے۔آیت تیمم "فامسحوا بوجوهكم" پر قیاس کرتے ہوئے۔اور عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کل رأس پر مسح کرنا ثابت ہے۔

شافعیہ کے یہاں بعض رأس چند بالوں پر مسح کرنا بھی کافی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ آیت مطلق ہے،اور مطلق میں ادنیٰ فرد پر عمل کرلینا بھی کافی ہوتا ہے۔

احناف! مالکیہ کو جواب دیتے ہیں کہ اگر استیعاب رأس فرض ہوتا تو یہاں چوتھائی سر پر اکتفا کیوں فرماتے۔مقدار ناصیہ پر اکتفا کرنا اس کی دلیل ہے کہ استیعاب رأس فرض نہیں ہے۔

اور شافعیہ کو جواب دیتے ہیں کہ ادنیٰ فرد پر عمل کافی ہوتا تو مقدار ناصیہ سے کم پر بھی تو اکتفا فرماتے،مگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدار ناصیہ سے کم پر مسح کرنا زندگی میں ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں،اور آیت کو مسح رأس کے لئے مطلق کہنا بھی صحیح نہیں،بلکہ آیت مجمل ہے۔اور مجمل کے لئے بیان شارح کی ضرورت ہوتی ہے اور حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان شارح ہے۔کہ مقدار ناصیہ پر مسح فرما کر مقدار فرض کو متعین فرمادیا۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۲/۱۵،طیبی:۲/۷۷۔

مسح علی العمامہ کا حکم

امام ابو حنیفہ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ **مسح علی العمامۃ** پر اکتفاء جائز نہیں یعنی فرض کی مقدار بھی سر پر مسح نہ کیا صرف عمامہ پر اکتفاء کر لیا تو وضو نہیں ہوگا۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر فرض کی مقدار سر پر مسح کر لیا جائے اور باقی ہاتھ عمامہ پر پھیر لیا جائے تو اس صورت میں وضو ہو جائے گا، کیونکہ مقدار فرض ادا ہو گئی، اس میں جمہور کا اختلاف ہے، کہ باقی ہاتھ پگڑی پر پھیرنے کی صورت میں استیعاب کی سنت ادا ہو گئی یا نہیں؟ بعض کے نزدیک سنت ادا ہو جائے گی، لیکن حنفیہ کے نزدیک امام محمدؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استیعاب کی سنت ادا نہیں ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محض پگڑی پر مسح کافی نہیں۔

امام احمد اسحٰق بن راہویہ اور امام اوزاعی وغیرہ حضرات کے نزدیک عمامہ کے مسح پر اکتفاء جائز ہے، جو حضرات مسح عمامہ پر اکتفاء جائز سمجھتے ہیں ان کا جواز اکتفاء کی شرائط میں اختلاف ہے، مثلاً بعض کے نزدیک مسح علی العمامہ پر اکتفاء تب جائز ہے جب کہ عمامہ طہارت پر پہنا ہو، جیسا کہ خفین میں۔ اور بعض کے نزدیک یہ شرط نہیں یا مثلاً بعض کے نزدیک اکتفاء تب جائز ہے جب کہ عمامہ سارے سر کو گھیرے ہوئے ہو، اور بعض کے نزدیک یہ شرط نہیں، یا مثلاً بعض توقیت کے قائل ہیں، اور بعض نہیں، امام احمد وغیرہ حضرات اس حدیث سے تمسک کرتے ہیں کہ عمامہ پر مسح جائز ہے، لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں صاف بتارہے ہیں کہ ناصیہ کی مقدار سر پر مسح کر کے عمامہ پر مسح کیا ہے اس صورت میں کسی کا اختلاف نہیں۔ نزاع تو مسح علی العمامہ پر اکتفاء کے جواز میں ہے، اور وہ یہاں سے ثابت نہیں، حاصل یہ ہے کہ جو چیز اس حدیث سے ثابت ہے اس میں نزاع نہیں اور جس میں

نزاع ہے وہ اس حدیث سے ثابت نہیں اس لئے استدلال محل نزاع میں اس حدیث سے صحیح نہ ہوا۔ البتہ بعض احادیث ایسی ہیں جن میں مسح علی الناصیۃ کا ذکر نہیں صرف مسح علی العمامہ کا ذکر ہے، ان سے بظاہر استدلال ہوسکتا ہے، لیکن جمہور کی طرف سے ایسی حدیثوں کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ روایات درجہ صحت تک نہیں پہونچتیں، بنابر تسلیم صحت ان روایتوں کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ مقدار فرض سر پر مسح کرکے عمامہ پر مسح کیا ہوگا، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ان روایتوں کے لئے مفسر ہوگی، اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عمامہ کے مسح پر اکتفاء کیا ہے ناصیہ پر مسح نہیں کیا تو اس کو وضو علی الوضوء کی صورت پر محمول کیا جائے گا، یعنی پہلے وضو تھا برکت کے لئے دوبارہ وضو کیا اس میں صرف عمامہ پر مسح کیا، اس لئے کہ وضو علی الوضوء میں کبھی تخفیف کرلی جاتی ہے، اگر سرے سے یہ وضو نہ کیا جاتا تو بھی درست تھا ایک رکن میں تخفیف بدرجہ اولیٰ درست ہونی چاہئے۔

اس توجیہ پر جمہور اس لئے مجبور ہوئے کہ سر کا مسح کتاب اللہ کی نص قطعی سے ثابت ہے، اور کتاب اللہ کے مفہوم پر کسی متواتر دلیل سے تو زیادتی ہوسکتی ہے، خبر واحد سے نہیں، کتاب اللہ کہتی ہے کہ سر پر مسح کرو، اب سر کے قائم مقام عمامہ کو قرار دینا یہ تبھی جائز ہوسکتا ہے جب کہ حدیث متواتر یا مشہور سے ثابت ہو، اول تو صرف پگڑی پر مسح ثابت نہیں اور اگر ثبوت مان لیں اور حدیث صحیح مانیں تو بھی زیادہ سے زیادہ خبر واحد کا درجہ ہوگا، اور خبر واحد سے زیادۃ علی الکتاب جائز نہیں اس لئے جمہور محض پگڑی پر مسح کو کافی نہیں سمجھتے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التعلیق الصبیح: ۲۰۹/۱، فتح الملہم: ۴۳۵/۱، بذل: ۸۷/۱، اشرف التوضیح: ۲۷۲/۱)

مسح علی الخفین

البتہ مسح علی الخفین سب کے نزدیک صحیح ہے۔ روافض کے علاوہ تمام اہل سنت

والجماعت کے نزدیک مسح علی الخفین درست ہے۔چونکہ مسح علی الخفین کی روایات حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔

روافض چونکہ مسح علی الرجلین کے قائل ہیں،اس لئے وہ مسح علی الخفین کے قائل نہیں، اور مسح علی الرجلین پر استدلال وَاَرْجُلِكُمْ الخ میں جروالی روایت سے کرتے ہیں کہ وَاَرْجُلِكُمْ الخ کا رؤس پر عطف ہے۔اور وَامْسَحُوْا کے تحت میں ہے۔جمہور کے نزدیک اصل قرأت وَاَرْجُلَكُمْ میں نصب کی قرأۃ ہے،اور اَيْدِيَكُمْ الخ پر عطف ہوکر فَاغْسِلُوْا کے تحت ہے۔اور جروالی قرأت شاذ ہے،یا جر جوار کی بنا پر ہے،اور وضو سے متعلق تمام روایات سے بھی پیروں کا غسل ہی ثابت ہے۔اور جس روایت میں مسح ہے اس سے مراد غسل خفیف ہے۔تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

الابتداء بالیمین

﴿٣٦٩﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ فِيْ طُهُوْرِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ۔

(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ٦١/١، باب التيمن في دخول المسجد وغيره، كتاب الصلوة، حدیث نمبر:٤٢٦،مسلم شریف: ١٣٢/١، باب التيمن في طهوره وغيره، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:٢٦٨۔

حل لغات: ترجل باب تفعل سے،الشعر بالوں میں کنگھی کرنا،تنعل باب تفعل سے جوتا پہننا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا تمام کاموں میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے، پاکی حاصل کرنے میں کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں۔

تشریح: حدیث پاک سے یہ ادب معلوم ہوا کہ وضو، غسل میں دائیں سے ابتداء کرنا پسندیدہ ہے، مثلاً ہاتھ دھوتے وقت پہلے دایاں ہاتھ دھوئیں، پھر بایاں اسی طرح پیر دھوتے وقت پہلے دایاں پیر دھوئیں پھر بایاں، اسی طرح کنگھی کرنے کا ادب یہ ہے کہ پہلے دائیں جانب کریں پھر بائیں جانب، اسی طرح جوتا پہننے کا ادب یہ ہے کہ پہلے دائیں پیر میں پہنیں، پھر بائیں پیر میں۔

فِیْ طُھُوْرِہٖ وَتَرَجُّلِہٖ وَتَنَعُّلِہٖ الخ: ان تینوں چیزوں کو بطور مثال بیان فرمایا ورنہ تو اس سے پہلے فی شانہ کلہ میں قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ ہر ہر چیز میں یہی پسندیدہ اور افضل ہے، مثلاً کرتا پہنے تو اولاً دائیں آستین پھر بائیں آستین، یا پائجامہ پہنے تو اولاً دائیں پیر میں پھر بائیں میں وغیرہ وغیرہ۔

الفصل الثانی

لباس میں دائیں کی تقدیم

﴿٣٧٠﴾ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِاَیَامِنِکُمْ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ٢/٢١٥، باب فی الانتعال، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ٤١٤١، مسند احمد/ ٣٥٤/ ٢.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم لباس پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنی دائیں طرف سے شروع کرو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امور محاسنہ کے اندر میامن کو میاسر پر ترجیح دو، تمام اچھے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرو یہاں تک کہ لباس بھی دائیں طرف سے شروع کیا جائے۔ اور وضو میں بھی دائیں اعضاء کو پہلے دھویا جائے۔

فائدہ: حدیث شریف میں ایک ادب لباس کے تعلق سے بیان کیا گیا اور ایک وضو سے متعلق لباس سے متعلق کہ جب لباس پہنو تو دائیں طرف سے ابتدا کرو، وضو سے متعلق بھی یہ ادب بیان کیا گیا کہ وضو کرو دائیں طرف سے ابتدا کرو۔

اس سے قبل ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پاک گذری جو فعلی ہے، جس میں خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل مبارک ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا ہر ہر چیز میں دائیں سے ابتداء فرماتے تھے، یہ حدیث قولی ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل فرمایا ہے، جس میں امت کے لئے ہدایت فرمائی ہے، کہ امت کے لئے بھی یہی پسندیدہ اور افضل ہے، کہ ہر اچھے کام کی ابتداء دائیں جانب سے کی جائے۔ فقط

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

وضو میں بسم اللہ پڑھنا

﴿۳۷۱﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ) وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيْهِ وَزَادُوْا فِيْ أَوَّلِهِ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳/۱، باب فی التمسیۃ عند الوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۲۵،ابن ماجہ شریف: ۳۲، باب ماجاء فی التسمیۃ فی الوضوء کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۴۱،مسند احمد:۴۱۸/ ۲، ابوداؤد شریف: ۱۴/۱، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۱۰۱،دارمی:۱۸۷/۱، باب التسمیۃ فی الوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۶۹۱۔

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوا۔ (ترمذی ابن ماجہ)احمد وداؤد نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور دارمی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اورانہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، ان لوگوں نے اپنی روایت کے شروع میں ''لاصلوۃ الخ'' (اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے وضو نہیں کیا)کے الفاظ زائد ذکر کئے ہیں۔

تشریح: قولہ لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ:

حکم التسمیۃ فی الوضوء

اس بات پر اتفاق ہے کہ وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحسن ہے، لیکن اس کی حیثیت میں اختلاف ہوا ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ تسمیہ وضوء میں سنت ہے، اگر تسمیہ رہ گئی تو وضوء ہو جائے گا، داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ کے ہاں تسمیہ عند الوضو واجب ہے۔ امام احمدؒ کے دو قول ہیں۔ اشہر قول یہ ہے کہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ واجب ہے۔

امام اسحاق کے مسلک کی وضاحت یہ ہے کہ تسمیہ اگر بھول کر چھوٹ گئی یا تاویل سے چھوڑ دی تو وضو ہو جائے گا، تاویل کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا نظریہ ہو کہ تسمیہ واجب نہیں ہے۔

قائلین وجوب کی دلیل: جو حضرات وضو کے وقت تسمیہ کو واجب کہتے ہیں ان کی دلیل زیر بحث حدیث میں ہے: **"لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ"** ذکر اسم اللہ سے مراد بسم اللہ پڑھنا ہے، معلوم ہوا کہ جو شخص وضوء سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضوء نہیں ہوتا۔

جوابات: (۱)...... یہ حدیث درجہ صحت تک نہیں پہونچتی، خود امام احمدؒ کا ارشاد امام ترمذیؒ نے نقل فرمایا ہے۔ **"لا اعلم فی ھذا الباب حدیثا له اسناد جید"**

(۲)...... بنا بر تقدیر تسلیم صحت حدیث جواب یہ ہے کہ یہ لائے نفی جنس نفی کمال کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضوء کامل نہیں ہوگا، لائے نفی جنس دو معنی کے لئے آتا ہے، کبھی نفس شئی کی نفی کے لئے کبھی کمال شئی کی نفی کے لئے۔ کمال شئی کی نفی کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱)...... لا ایمان لمن لا امانة له. (۲)...... لا دین لمن لا عهد له.

(۳)......**لاصلوة لجار المسجد الا فی المسجد.** اسکی بہت امثلہ ملتی ہیں۔

(۴)......حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر مان لیں کہ انفس وضو کی نفی کے لئے ہے تو بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ یہ کلام **تنزیل الناقص بمنزلة المعدوم** کے قبیل سے ہے۔ بلغاء کے ہاں کبھی ناقص چیز کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے، بغیر بسم اللہ کے وضو ہو تو جاتا ہے، جیسے دوسرے دلائل بتاتے ہیں، لیکن اتنا ناقص ہوتا ہے کہ گویا کالعدم ہے۔

عدم وجوب تسمیہ کے دلائل: (۱)......مہاجر بن قنفذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس کی تخریج طحاوی، ابوداؤد ابن ماجہ، نسائی، ابن حبان ودیگر محدثین نے کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرمارہے تھے انہوں نے سلام کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو کے درمیان میں جواب نہیں دیا، بعد میں جواب دیا، اور تاخیر کی وجہ یہ بتائی کہ میں باوضوء نہیں تھا اور بغیر وضوء اللہ کا نام لینا مناسب نہیں معلوم ہوا اس سے استدلال اس طرح ہے کہ جب بے وضوء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلام کا لفظ نہیں کہا تو اس وضو سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی ہوگی۔ بسم اللہ میں تو اللہ کا نام سلام سے زیادہ ہے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو بسم اللہ سے خالی ہے تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیشہ وضوء سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر رخ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس فضیلت پر عمل کرنے کی طرف ہے کہ وضوء کے بغیر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔

(۲)...... حدیث مسئی الصلوۃ، ایک شخص نے تعدیل ارکان نہیں کیا، اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "**ارجع فصل**" اس کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں

"توضأ كما امرک اللہ" یہ لفظ ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ میں موجود ہیں،اس میں حکم ہے،ایسے وضو کر جیسے اللہ تعالیٰ کا امر ہے،اس سے معلوم ہوا کہ جن چار کاموں کا اللہ تعالیٰ نے آیت وضوء میں حکم دیا ہے ان سے واجبات ادا ہو جاتے ہیں،ان کے علاوہ اور واجب کوئی نہیں۔

(۳)......وجوب تسمیہ کا قول کریں تو خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی،قرآن میں چار واجبات ہیں،بسم اللہ ان میں نہیں۔

(۴)......حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نقل فرماتے ہیں،وہ وضوء میں بسم اللہ کو ذکر نہیں کرتے،اگر یہ واجبات کے قبیل سے ہوتی تو کوئی صحابی رضی اللہ عنہ بھی اس کو نہ چھوڑتے۔

(۵)......بیہقی اور دار قطنی کی حدیث "من توضأ وذكر اسم الله فانه يطهر جسده كله ومن توضأ ولم يذكر اسم الله لم يطهر الا موضع الوضوء" اس سے معلوم ہوا کہ تسمیہ کے بغیر موضع الوضو پاک ہو گیا،صاحب مشکوٰۃ نے اسی باب کے آخر میں اس حدیث کو بحوالہ دار قطنی نقل کیا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بذل:۶۳/۱،مرقاۃ:۲/۱۸،اشرف التوضیح:۱/۳۷۴)

اسباغ وضو

﴿۳۷۲﴾ وَعَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِى الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا۔ (رواه ابوداؤد والترمذى والنسائى) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِىُّ اِلٰى قَوْلِهٖ بَيْنَ الْاَصَابِعِ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۱/۱۹، باب فى الاستنثار، كتاب الطهارة،

حدیث نمبر:۱۴۲،ترمذی شریف: ۱۰۹/ ۱، باب ماجاء فی کراھیة مبالغة الاستنشاق للصائم، کتاب الصوم، حدیث نمبر:۲۸۸،نسائی شریف: ۱۲/ ۱، باب المبالغة في الاستنشاق، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۸۷،ابن ماجه: ۳۳، بــاب الـمبـالغة فـي الاستـنشـاق، كتـاب الـطهـارة، حدیث نمبر:۴۰۷، دارمی: ۱۹۱/ ۱۹۲.

ترجمه: حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے وضو کے بارے میں آگاہ فرمادیجئے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم وضو کو پورا کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو، اور اگر روزے سے نہ ہوتو ناک میں اچھی طرح پانی پہنچاؤ (ابو داؤد، ترمذی) نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو 'بين الاصابع' تک روایت کیا ہے۔

تشریح: اخبرني عن الوضوء: یہاں وضو سے وضو متعارف مراد ہے۔ اور سوال کا منشاء یہ ہے کہ وضو میں خاص طور پر کن چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے؟ تاکہ وضو کامل مکمل ہو، چونکہ وضو کا کامل ہونا مطلوب ہے جیسا کہ خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: ''اللهم انی اسألک تمام الوضوء وتمام الصلوٰة وتمام مغفرتک ورضوانک'' [اے اللہ میں کامل وضو اور کامل نماز اور تیری کامل مغفرت اور کامل خوشنودی کا سوال کرتا ہوں] تو صحابی نے اسی کے متعلق سوال کیا کہ وضو کامل کس طرح ہو؟ اس کو ارشاد فرمائیے اس کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں:

پہلی چیز ارشاد فرمائی: ''اسبغ الوضوء'' [کہ وضو کو کامل کرو] مطلب یہ ہے کہ ہر ہر عضو کو پورا پورا دھویا جائے مبادا کوئی حصہ خشک رہ جائے اور وضو نہ ہو۔

دوسری چیز ارشاد فرمائی: ''وخلل بین الاصابع'' [اپنی انگلیوں کے درمیان خلال کیا کرو] چونکہ انگلیوں کے اندرونی حصہ میں اگر خلال نہ کیا جائے اندیشہ ہے کہ کوئی حصہ خشک رہ جائے اور وضو نہ ہو اس لئے خاص طور پر انگلیوں میں خلال کا حکم فرمایا۔

تخلیل اصابع کا حکم

انگلیوں کے درمیان خلال کے حکم میں اختلاف ہے۔

مالکیہ کا مذہب: مالکیہ کے یہاں تخلیل اصابع یدین واجب اور اصابع رجلین کا خلال مستحب ہے۔

احناف وشوافع کا مذہب: حنفیہ، شافعیہ کے یہاں اصابع یدین اصابع رجلین دونوں کا خلال مستحب ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے دو قول ہیں ایک قول مثل جمہور دونوں کا خلال مستحب ہے یہی قول ان کے یہاں راجح اور اصح ہے، جیسا کہ مغنی میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مطلق یعنی ہاتھ اور پیر دونوں کی انگلیوں کا خلال واجب ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲۰-۲/۱۹، الطیبی: ۲/۸۱، الدر المنضود: ۲۸۱-۱/۲۸۲۔

تیسرا حکم فرمایا: ''وبالغ فی الاستنشاق'' [ناک میں پانی چڑھا کر اس کے صاف کرنے میں مبالغہ کرو]

استنشاق کو خاص طور پر الگ ذکر کیا کہ ناک میں ناک کی ریزش بھی نکلتی ہے وہ بعض دفعہ جم جاتی ہے ایسے ہی گرد وغبار ناک میں جمع ہو جاتا ہے، اور ناک ہی کے ذریعہ شیطان دماغ میں وساوس ڈالتا ہے اس کے اثرات بھی ہوتے ہیں اس لئے خاص طور پر ناک کو مبالغہ کے ساتھ صاف کرنے کا حکم فرمایا۔ اور یہ مسلک ظاہریہ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کی دلیل

ہے کہ مضمضہ سنت اور استنشاق واجب ہے۔

الا ان تکون صائما: [روزہ کی حالت میں چونکہ اندیشہ ہے کہ پانی اندر پہونچ کر روزہ فاسد نہ ہوجائے اس لئے روزہ کی حالت میں مبالغہ کو منع فرمادیا۔

ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کا خلال

﴿۳۷۳﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ۔ (رواه الترمذی) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۶، باب فی تخلیل الاصابع، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۹، ابن ماجه: ۳۵، باب الاذنان من الرأس، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۴۷۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرلیا کرو۔ (ترمذی) اور ایسے ہی روایت ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے، ترمذی میں ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: انگلیوں میں خلال کا مسئلہ اوپر گذر چکا، حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ اور پیر کی انگلیوں کا خلال ایک ساتھ کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب ہاتھوں کو دھویا جائے تو ہاتھوں کی انگلیوں میں اور جب پیروں کو دھویا جائے اس وقت پیروں کی انگلیوں میں خلال کیا جائے۔

وضو میں انگلیوں کا ملنا

﴿۳۷۴﴾ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ یَدْلُکُ أَصَابِعَ رِجْلَیْہِ بِخِنْصَرِہٖ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱؟ باب فی تخلیل الاصابع، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۴۰،ابوداؤد شریف: ۲۰/؟، کتاب الطھارۃ، باب غسل الرجلین، حدیث نمبر:۱۴۸،ابن ماجہ:۳۵، باب تخلیل الاصابع، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۴۴۔

حل لغات: یدلک دلک (ن) دلکاً رگڑنا،ملنا،خنصر چھوٹی انگلی، چھنگلیا،ج خناصر.

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی چھنگلیا سے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ملتے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ پیروں کی انگلیوں کا خلال اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے فرماتے تھے،حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ پیروں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے کرنا مستحب ہے ایک تو اس لئے کہ یہ زیادہ آسان ہے دوسرے اس لئے کہ بہتر یہی ہے کہ چھوٹا بڑوں کی خدمت کرے۔

دلک فی الوضو کا حکم

اور اگر **دلک** سے مراد اعضاء کا ملنا اور رگڑنا لیا جائے تو یہ بھی ہوسکتا ہے،امام شافعیؒ

کے یہاں دلک اعضاء کا رگڑ کر دھونا مندوب ومستحب ہے، مالکیہ کے یہاں واجب ہے، حنفیہ کے یہاں بھی مستحب ہے۔

دلک فی الوضو میں مسلک مالکیہ کی تحقیق

دلک! مالکیہ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں دلک یعنی امرار الید علی الاعضاء واجب ہے، علامہ دسوقی مالکیؒ الشرح الکبیر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ غسل کا تحقق بغیر دلک یعنی امرار الید کے ہوتا ہی نہیں، ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ افاضۃ الماء اور غسل۔ بغیر امرار الید کے غسل نہیں کہا جاتا بلکہ وہ افاضۃ الماء ہے اور مامور بہ وضو میں غسل ہے نہ کہ افاضۃ الماء. چنانچہ ان کے یہاں اگر کوئی شخص نہر یا حوض میں غوطہ لگائے اور دلک نہ کرے تو طہارت حاصل نہ ہوگی، بخلاف ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے یہاں حاصل ہو جائے گی۔

ابن عبد البرؒ نے کتاب الکافی میں اسی قول کو امام مالکؒ کا مذہب مشہور لکھا ہے، اور دوسرا قول انہوں نے امام مالکؒ کا یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے اور دیر تک اس میں ٹھہرا رہے تو یہ بھی کافی ہو جائے گا، اگرچہ امرار الید علی جسد نہ پایا گیا ہو۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک فرائض وضو کی تعداد

صاوی حاشیہ جلالین میں آیت وضو کے ذیل میں لکھا ہے کہ فرائض وضو حنفیہ کے یہاں صرف چار ہیں، جو آیت وضو میں مذکور ہیں، یعنی غسل اعضاء ثلثہ اور مسح رأس، اور شافعیہ کے یہاں فرائض وضو کل چھ ہیں، چار تو وہی فرائض قرآنیہ (یعنی جو آیت وضو میں مذکور ہیں) اور دو اس کے علاوہ نیت اور ترتیب۔ اور مالکیہ کے نزدیک فرائض وضو سات ہیں،

الاربعۃ القرآنیہ اور نیت، موالاۃ، دلک۔ (صاوی)

میں کہتا ہوں کہ حنابلہ کے یہاں بھی سات چیزیں فرض ہیں، مثل مالکیہ کے فرق یہ ہے کہ مالکیہ کے یہاں ساتویں چیز دلک ہے، حنابلہ کے نزدیک بجائے اس کے ترتیب ہے۔ (کما فی زاد المستقنع للحنابلۃ) (الدر المنضود:۲٦۸/۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ:۲/۲۰۔

داڑھی کا خلال

﴿۳۷۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ کَفًّا مِنْ مَاءٍ فَاَدْخَلَہٗ تَحْتَ حَنَکِہٖ فَخَلَّلَ بِہٖ لِحْیَتَہٗ وَقَالَ ھٰکَذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۹، باب تخلیل اللحیۃ، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر:۱۴۵۔

حل لغات: حنک تالو، منہ کے اندر کا بالائی حصہ، ج احناک.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لے کر اس کو اپنی تھوڑی کے نیچے پہنچاتے اور اس سے اپنی داڑھی کا خلال کرتے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھ کو میرے پروردگار نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح: حدیث پاک سے تخلیل لحیہ ثابت ہوا۔

وضو میں داڑھی کے متعلق دو مسئلوں کا بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔

تخلیل لحیہ کا حکم

شوافع مالکیہ وحنابلہ کا مسلک: امام شافعیؒ امام احمد اور اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ داڑھی کا خلال سنت ہے، امام مالک سے روایات مختلف ہیں۔

(۱)......تخلیل لحیہ مندوب ہے۔

(۲)......جائز ہے۔

(۳)......بعض روایات میں کثیفہ اور خفیفہ کا فرق ہے۔

حنفیہ کا مسلک: امام ابو یوسفؒ سنت سمجھتے ہیں۔امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک آداب وضوء میں سے ہے۔ادب کا درجہ مستحب سے بھی نیچے ہوتا ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تخلیل لحیہ کے سلسلہ میں روایات ضعیف ہیں، چنانچہ امام احمدؒ اور ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں:"**لیس فیہ شیء صحیح**" یعنی اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ نے تخلیل لحیہ کے سلسلہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی:"**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخلل لحیتہ**" اور انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا:"**ھذا حدیث حسن صحیح**" نیز یہ حدیث صحیح ابن حبان وصحیح ابن خزیمہ ومستدرک حاکم میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا امام احمدؒ اور ابو حاتمؒ کا قول محل نظر ہے، نیز علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں چودہ صحابہ سے تخلیل لحیہ کی روایات ذکر فرمائی ہیں، اور امام ترمذیؒ نے بھی وفی الباب کے تحت متعدد صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں۔

مفتیٰ بہ اور راجح ہمارے یہاں سنت ہونا ہے۔قدر مشترک یہ ہے کہ داڑھی کا خلال سب کے یہاں مستحسن ہے، اور زیر بحث حدیث سب کے مسلک پر منطبق ہوسکتی ہے۔اس میں

صرف اتنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خلال فرمایا ہے، باقی حیثیت کیا ہے اس کی تصریح حدیث میں نہیں ہے، حیثیت کی تعیین ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد سے کی ہے۔

داڑھی کا حکم

وضو میں داڑھی کا حکم کیا ہے، دھونا ہے یا مسح کرنا ہے؟

اس میں صرف فقہ حنفی کا مسلک ہی بیان کیا جائے گا، داڑھی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)...... **لحیه خفیفه**: بال اتنے ہلکے ہوں کہ اس میں سے کھال نظر آ رہی ہو۔

(۲)...... **لحیه کثیفه**: ایسی گنجان ہو کہ اس میں سے کھال نظر نہ آتی ہو۔

لحیہ خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کھال تک پانی پہچانا ضروری ہے۔ لحیہ کثیفہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے اندر نیچے کھال تک پانی پہچانا ضروری تو نہیں ہے، ڈاڑھی کے بالوں کا کیا حکم ہے؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ لحیہ کثیفہ کے دو حصے ہیں ایک وہ جو چہرے کے دائرہ سے نیچے لٹک رہا ہے اس کو لحیہ مسترسلہ کہتے ہیں، ایک وہ حصہ ہے جو دائرہ سے نیچے نہیں لٹک رہا ہے، اس کو لحیہ غیر مسترسلہ کہتے ہیں۔

اس باب پر مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ لحیہ مسترسلہ کا نہ غسل ضروری ہے نہ مسح ضروری ہے، البتہ خلال سنت یا مستحب ہے، لحیہ غیر مسترسلہ کے حکم میں احناف کی آٹھ روایات ہیں۔

(۱)...... وجوب مسح الکل۔ (۲)...... وجوب مسح الثلث۔

(۳)...... وجوب مسح الربع۔ (۴)...... وجوب مسح ما یلاقی البشرۃ

(۵)...... وجوب غسل الثلث۔ (۶)...... وجوب غسل الربع۔

(۷)...... عدم وجوب الغسل والمسح۔

یہ سات روایات مرجوح عنہا ہیں، غیر مفتی بہا ہیں، مرجوح الیہ اور مفتی بہ روایت

آٹھویں ہے۔

(٨)......وجوب غسل الکل۔

یہ تفصیل البحر الرائق سے ماخوذ ہے۔ صاحب البحر نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ بہت سے اصحاب متون نے بھی مرجوع الیہ روایت کو چھوڑ کر مرجوع عنہ کو ذکر کر دیا ہے۔ (البحر الرائق: ١٦/١، اشرف التوضیح: ١/٣٧٥)

تخلیل لحیہ کا طریقہ

تخلیل لحیہ کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑی کے نیچے سے داڑھی کے اندر انگلیوں کو داخل کیا جائے، مسح کے وقت تقاطر الماء من الاصابع شرط نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

ایضاً

﴿٣٧٦﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ۔ (رواه الترمذی والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ١/١٦، باب ماجاء فی تخلیل اللحیة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ٢٩، دارمی: ١/١٩١، باب فی تخلیل اللحیة، کتاب الوضوء، حدیث نمبر: ٧٠٤۔

ترجمه: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کا خلال فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ بالا کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

وضو کا بچا ہوا پانی

﴿۳۷۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ حَیَّۃَ قَالَ رَأَیْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ کَفَّیْہِ حَتّٰی اَنْقَاھُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلَاثًا وَذِرَاعَیْہِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِہٖ مَرَّۃً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْہِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَھُوْرِہٖ فَشَرِبَہٗ وَھُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ طُھُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

حواله: ترمذی شریف:۱/۱۷، باب فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۴۸،نسائی شریف:۱/۱۳، باب عدد غسل اليدين، حدیث نمبر:۹۶۔

ترجمه: حضرت ابو حیہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دھویا، یہاں تک کہ انہیں اچھی طرح صاف کرلیا پھر تین مرتبہ کلی کی، پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، تین مرتبہ اپنا چہرہ مبارک دھویا، تین مرتبہ اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، پھر کھڑے ہوئے اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پی لیا اور پھر فرمایا: کہ میں نے یہ پسند کیا کہ تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کس طرح تھا۔

تشریح: حَتّٰی اَنْقَاھُمَا: دونوں ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ خوب صاف کرلیا معلوم ہوا کہ ہاتھوں کو اچھی طرح رگڑ کر دھونا چاہئے۔

ثم مضمض ثلثا: پھر مضمضہ اور استنشاق بھی تین تین مرتبہ کیا، چہرہ اور ہاتھوں کو بھی تین تین مرتبہ دھویا۔

مسح برأسه مرة: ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا۔ حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ مسح رأس میں تثلیث نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ہی مرتبہ ہے۔

تثلیث فی المسح میں اختلاف مذاہب

جمہور کا مسلک یہی ہے کہ مسح رأس ایک دفعہ ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

شوافع کا مذہب: حضرت امام شافعیؒ تثلیث فی المسح کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کی مشہور روایت بھی یہی ہے۔

دلائل شوافع: (۱)...... حضرت امام شافعیؒ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جن میں تثلیث فی المسح کا ذکر ہے۔

(۲)...... ایسے ہی بعض روایات میں ہے: "توضأ ثلثاً" کہ تین تین مرتبہ سب اعضاء کو دھویا، مسح رأس بھی اس سب میں داخل ہے۔

(۳)...... تیسری دلیل قیاس ہے کہ جب تمام اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا جاتا ہے تو مسح بھی تین مرتبہ کیا جائے گا۔

جوابات: امام شافعیؒ کے دلائل کے جوابات یہ ہیں۔

(۱)...... امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں فرمایا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے جتنی صحیح روایات ثابت ہیں ان سب میں مسح رأس مرۃ ہے۔ اور وہ روایات جن میں تثلیث فی المسح کا ذکر ہے ان میں کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔

(۲)......توضأ ثلاثا: یہ مسلم شریف کی روایت مجمل ہے، اس کی تفصیل دیگر صحیح روایات سے ہے جن میں تفصیل بیان کی گئی ہے اوران میں مسح رأس مرۃ کا ذکر ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت تغلیب پر محمول ہے، کہ اکثر اعضاء تین مرتبہ دھوئے جاتے ہیں، اس لئے ثلثا فرمایا۔

(۳)......تیسرا جواب یہ ہے کہ ثلثا اعضائے مغسولہ کے ساتھ خاص ہے۔

(۴)......امام شافعیؒ کی تیسری دلیل قیاس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے، اعضاء ممسوحہ کو اعضائے مغسولہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

(۵)......دوسرا جواب یہ ہے کہ اعضائے مغسولہ میں اصل مقصد اکمال فرض ہے اور وہاں چونکہ ایک مرتبہ استیعاب فرض ہے لہٰذا ان کے اکمال کی صورت تثلیث سے ہوگی، اور مسح میں اکمال استیعاب محل سے ہو جاتا ہے اس لئے تثلیث کی ضرورت نہیں اس لئے تثلیث فی المسح مسنون نہیں۔

دلائل احناف

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا استدلال یہ ہے کہ جن احادیث میں وضو مبارک کا ذکر ہے سب میں تمام اعضاء کو تین تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے، مگر مسح رأس مرۃ ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سر کے اندر مسح کا حکم دینے سے مراد تخفیف ہے، اگر مسح رأس میں تثلیث ہو تو وہ یا تو ایک مرتبہ پانی لیکر ہوگی سو وہ بے فائدہ ہے اس لئے کہ جب ایک مرتبہ مسح کرلیا دوبارہ اس تری سے مسح کرنا غیر مفید ہے اور اگر ہر مرتبہ جدید پانی لیا جائے تو مسح مسح نہیں رہے گا، بلکہ غسل ہو جائے گا۔ اور جو شریعت کا منشا تھا تخفیف وہ ہی فوت ہو جائے گا۔ اس لئے مسح رأس میں تثلیث نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التعلیق الصبیح: ۲۱۲/۱،

الدر المنضور: ٢٤٢-٢٤٨/١۔

ثم غسل قدميه الی الکعبین: اس سے روافض پر رد ہو جاتا ہے۔ جو قدمین پر بغیر خف بھی مسح کے جواز کے قائل ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔

زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کا حکم

ثم قام فاخذ فضل طهوره فشربه الخ: وضو کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لیا اس سے معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا بھی درست ہے۔

جس طرح زمزم کا پانی کھڑے ہو کر بھی پینا درست ہے۔ چونکہ اصل تو پانی کو کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت ہے، اور اس حدیث سے جواز معلوم ہوا، پس نہی والی روایت کراہت تنزیہی پر محمول ہوگی، اور مطلب یہ ہوگا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینے میں کراہت تنزیہی بھی نہیں ہے، بلکہ مباح ہے، مشہور یہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی اور زمزم کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے، ممکن ہے کہ بعض مشائخ کا یہ قول ہو، لیکن علامہ شامیؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہو کر پینا مباح ہے، مستحب نہیں۔ (ردالمحتار: ١/٩٥)

ثم قال احببت ان اريكم كيف كان طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم: [میں نے چاہا کہ میں تم کو دکھادوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وضو کس طرح ہوتا تھا۔]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کے بعد ارشاد فرمایا: کہ میں نے چاہا کہ تم کو دکھادوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کس طرح ہوتا تھا۔

فوائد حدیث

(۱)......اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ تعلق تھا کہ جہاں جاتے جہاں ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کا ذکر ہی ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا۔

(۲)......اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اشاعت سنت کا کس درجہ غلبہ تھا۔ جہاں جاتے ان کا جذبہ یہی ہوتا تھا کہ کسی سنت کو سیکھیں یا سکھائیں۔

(۳)......حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اساتذہ اور مشائخ کو چاہئے کہ اپنے طلباء اور مریدین و متعلقین کو سنتوں کی تعلیم دیا کریں۔

اور طلباء اور مریدین کو چاہئے کہ اپنے اساتذہ اور اپنے مشائخ سے ان چیزوں کو سیکھا کریں۔

(۴)......نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کوئی کام سیکھے بغیر نہیں آتا۔ جس طرح دنیوی معمولی چیزوں کو سیکھنے سکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح دین کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی سیکھنے سے ہی آتی ہیں، اس لئے ہر چھوٹی بڑی چیز کو سیکھنے سکھانے کی ضرورت ہے۔ مگر افسوس اب مدارس میں خانقاہوں میں یہ سلسلہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے منتہی طلباء اور پرانے مشاق ذاکرین حضرات بھی وضو نماز کے فرائض سنن و مستحبات سے ناواقف ہوتے ہیں۔

کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت کا بیان

﴿۳۷۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ نَحْنُ جُلُوسٌ نَنْظُرُ إِلَى عَلِيٍّ حِينَ تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فَمَلَأَ فَمَهُ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَنَثَرَ بِيَدِهِ الْيُسْرَى فَعَلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى طُهُورِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُورُهُ۔ (رواه الدارمي)

حواله: سنن دارمي: ۱۹۹/۱، باب في المضمضة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷۰۱۔

ترجمه: حضرت عبد خیر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب وضو کر رہے تھے تو وہاں ہم لوگ بیٹھے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو دیکھ رہے تھے، انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اپنا منہ بھرا اور کلی کی، پھر ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کی اور اس طرح انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر فرمایا: جو شخص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو دیکھ کر مسرت حاصل کرنا چاہے تو وہ دیکھ لے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وضو یہی ہے۔

تشریح: اس حدیث پاک سے بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اشاعت سنت کا ذوق وشوق معلوم ہوا۔

قوله نَحْنُ جُلُوسٌ نَنْظُرُ إِلَى عَلِيٍّ رضی الله عنه حِينَ تَوَضَّأَ الخ: اس سے معلوم ہوا کہ طلباء کو چاہئے کہ اسی طرح طالبین ومریدین کو اپنے اساتذہ، اپنے مشائخ کی عبادات اور ان کے دیگر دینی امور کو بغور دیکھ کر سیکھنا چاہئے، اور اپنی زندگی میں لانا اور اپنی زندگی ان کے مطابق گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ایک چلو سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنا

﴿۳۷۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱٦، باب صفة وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۱۹، ترمذی شریف: ۱/۱۴، باب المضمضة والاستنشاق من کف واحد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کیا۔

مضمضہ واستنشاق کی کیفیت میں اختلاف

تشریح: مضمضہ واستنشاق کی کیفیت کے بارے میں پانچ صورتیں ہیں۔

(۱)...... ایک غرفہ سے دونوں کو فصل کے ساتھ کیا جائے کہ پہلے تین دفعہ کلی کی جائے پھر تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا جائے۔

(۲)...... ایک غرفہ سے تین دفعہ کیا جائے وصل کے ساتھ۔

(۳)...... دو غرفہ سے فصل کے ساتھ کیا جائے۔

(۴)...... تین غرفہ سے وصل کے ساتھ کیا جائے۔

(۵)...... چھ غرفہ سے فصل کے ساتھ کیا جائے کہ پہلے تین غرفہ سے کلی کرلے، پھر تین غرفہ

سے ناک صاف کیا جائے۔

سب کے نزدیک یہ سب صورتیں جائز ہیں، البتہ اولویت میں اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک صورت رابعہ افضل ہے۔ یعنی وصل کے ساتھ تین دفعہ کیا جائے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانچویں صورت افضل ہے یعنی چھ غرفہ سے فصل کے ساتھ کیا جائے۔

دلیل شوافع: شوافع حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال پیش کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں: **فمضمض واستنشق من کف واحدة فعل ذالک ثلاثاً. (رواه البخاری)** [کلی فرمائی اور ناک صاف فرمائی ایک چلو پانی سے (یا ایک ہاتھ سے) اسی طرح تین مرتبہ فرمایا۔]

دلائل احناف: امام ابوحنیفہؒ دلیل پیش کرتے ہیں: (۱)...... شقیق بن سلمہ کی حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں: **شهدت علیا وعثمان انهما توضاء ثلاثا ثلاثا وافردا المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هکذا رأینا النبی صلی الله علیه وسلم لیتوضأ. (رواه ابن السکن فی صحیحه)** [میں حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھا، دونوں نے تین تین مرتبہ وضو فرمایا، اور مضمضہ کو استنشاق سے الگ کیا، یعنی کلی الگ پانی سے کی اور ناک کو الگ پانی لیکر صاف کیا، پھر دونوں نے ارشاد فرمایا: "ہم نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔"]

(۲)...... دوسری دلیل طلحہ بن مصرف رضی اللہ عنہ کی حدیث: **انه علیه السلام توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا فاخذ لکل واحدة ماءً جدیداً (رواه ابوداؤد)** [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، تین مرتبہ کلی فرمائی، تین مرتبہ ناک کو صاف فرمایا، ہر ایک کے لئے نیا پانی لیا۔]

(۳)......تیسری دلیل عن ابن ابی ملیکة قال رأیت علیا رضی اللہ عنه توضأ ثم مضمض ثلاثا و استنشق ثلاثاً (رواہ الترمذی) [میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے وضو فرمایا، اور انہوں نے تین مرتبہ کلی فرمائی، اور تین مرتبہ ناک کو صاف فرمایا۔]

(۴)......دوسری بات یہ ہے کہ جب دو عضو ہیں لہٰذا دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا چاہئے جیسے دوسرے اعضاء کے لئے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے۔

دلیل شوافع کے جوابات: حضرت امام شافعیؒ نے جو دلیل پیش فرمائی ہے، اس کے مختلف جوابات ہیں۔

(۱)......سب سے آسان جواب یہ ہے کہ بیان جواز کے لئے کیا۔

(۲)......ایک ہاتھ سے دونوں کے لئے پانی لیا یعنی دونوں ہاتھ استعمال نہیں کئے۔

(۳)......ایک ہی ہاتھ سے پانی لیا یعنی دائیں ہاتھ سے کیونکہ کسی کو وہم ہوسکتا تھا کہ شاید کلی کا پانی لیا دائیں ہاتھ سے اور ناک کے لئے پانی لیا بائیں ہاتھ سے اس وہم کو دور کیا۔

(۴)......یہ عبارت تنازع فعلین کے باب سے ہے، دراصل "من کف واحد" کا لفظ دو دفعہ تھا، ایک کو حذف کردیا دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے۔ "مضمض" کے بعد "من کف واحد" محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: "مضمض من کف واحد و استنشق من کف واحد" مضمضہ الگ چلو سے ہوا اور استنشاق الگ چلو سے۔ ایسے ہی "مضمض و استنشق ثلثاً" میں "مضمض اور واستنشق" دونوں فعلوں کا ثلثا میں تنازع ہے، ایک کا معمول محذوف مانا جائے گا، تقدیر عبارت یوں ہوگی: "مضمض ثلثاً و استنشق ثلثاً" اب یہ حدیث وصل پر دال نہ رہی۔ (اشرف التوضیح: ۱/۳۶۱)

(۵)...... پانی بہت کم تھا چنانچہ نسائی کی روایت میں ہے: "وکان قدر مد" ایک مد کے بقدر پانی تھا، تو جس روایت میں اتنے احتمالات ہیں اس سے اولویت پر استدلال کیسے درست ہوگا۔

سر اور کانوں کا مسح

﴿۳۸۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ۔

(رواه النسائي)

حواله: نسائی شریف: ۱/۱۴، باب مسح الاذنين مع الرأس، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۰۲۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اور اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا، دونوں کانوں کے اندر شہادت کی دونوں انگلیوں سے کیا اور دونوں کانوں کے اوپر کے حصہ کا مسح اپنے دونوں انگوٹھوں سے کیا۔

تشريح: سباحتين: سباحة کا تثنیہ ہے عرب میں زمانہ جاہلیت کے اندر اس انگلی کا نام سبابہ تھا، چونکہ لوگ اسی سے گالی دیتے تھے یعنی گالی دیتے وقت اسی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اسلام کے بعد اس کا نام مسبحہ اور سباحہ رکھ دیا گیا یعنی تسبیح پڑھنے کی انگلی۔ اور اس کو انگشت شہادت بھی کہتے ہیں، چونکہ التحیات میں کلمہ شہادت پر اسی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔

حدیث پاک سے سر کے ساتھ ساتھ کانوں کے مسح کا علم ہوا۔

(۱)...... کہ کانوں کا مسح کیا جائے گا۔

(۲)...... کانوں کا مسح سر کے مسح کے ساتھ ہی کریں گے۔

(۳)...... کانوں کے مسح کی کیفیت معلوم ہوئی کہ اندرونی حصہ کا مسح شہادت کی انگلی سے اور اوپر کے حصہ کا مسح انگوٹھوں سے کیا جائے گا۔

(۴)...... کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی نہیں لیا جائے گا، بلکہ جو پانی سر کے مسح کے لئے لیا تھا اسی سے کانوں کا مسح بھی کیا جائے گا۔

باقی سر کے مسح اور کانوں کے مسح کی تفصیل اوپر گذر چکی۔

صدغین کا مسح

﴿۳۸۱﴾ وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا رَأَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ۔ (رواه ابوداؤد) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ الثَّانِيَةَ۔

حواله: ابوداؤد شريف: ۱۷/ ۱، باب صفة وضوء النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۲۹، ترمذی شريف: ۱۵/ ۱، باب ماجاء ان مسح الرأس مرة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۴، مسند احمد: ۳۵۹/ ۱، ابن ماجه: ۳۵، باب ماجاء فی مسح الاذنين، حدیث نمبر: ۴۴۱۔

حل لغات: صدغیه تثنیہ ہے، واحد صدغ، کنپٹی، کنپٹی کے بال، ج اصداغ واصدغ.

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے اگلے حصہ، پچھلے حصہ، کنپٹیوں پر اور اپنے کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔ (ابوداؤد) ترمذی نے پہلی حدیث کو اور احمد و ابن ماجہ نے دوسری حدیث کو روایت کیا ہے۔

تشریح: حدیث پاک سے سر کے مسح کی کیفیت معلوم ہوئی کہ سر کے اگلے حصہ اور پچھلے حصہ کا مسح فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ سر کے کل حصہ کا مسح فرمایا۔

حنفیہ کے یہاں یہی مستحب ہے، کہ کل رأس کا استیعاب کیا جائے۔

مالکیہ اس کو واجب کہتے ہیں۔ تفصیل پہلے گذر چکی۔

حدیث پاک سے دوسری چیز صدغین (پیشانی اور کانوں کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں) پر مسح کرنا بھی ثابت ہوا اور ساتھ ساتھ کانوں پر مسح کرنا بھی۔ ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ مسح ایک مرتبہ فرمایا: یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں اپنی دونوں انگلیوں کو داخل فرمایا، چونکہ کانوں کے اندر بسا اوقات گرد وغبار داخل ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ کانوں کے مسح کے ساتھ ساتھ سوراخوں میں گرد وغبار اور میل کچیل کو بھی صاف کر لینا چاہئے۔

ما اقبل منہ وما ادبر منہ: آگے پیچھے۔

صدغیہ: دونوں کنپٹیوں کا، دوسری حدیث میں صدغیہ کا لفظ نہیں گذرا تھا۔

سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کا مسئلہ

﴿۳۸۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَاَنَّهٗ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ۔ (رواه الترمذى) وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدَ۔

حواله: ترمذى شريف: ۱/۱٦، باب انه ياخذ لرأسه ماء جديدا، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۵، مسلم شريف: ۱/۱۲۳، باب آخر فى صفة الوضوء، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۳٦۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا۔ (ترمذی) اور مسلم نے اس روایت کو الفاظ کی کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح رأس کے واسطے ماء جدید لینا چاہئے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کی تری پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ماء جدید سے مسح کیا۔

اور ایک روایت یا بعض نسخ میں غیر کی جگہ لفظ غبر ہے۔ با کے ساتھ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو تری ہاتھوں پر باقی رہ جاتی ہے اسی سے آپ نے مسح فرمایا۔

اس پر یہ شبہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تو ماء مستعمل ہو جاتا ہے تو پھر کس طرح اس سے آپ نے مسح کرلیا۔ کیونکہ پانی مستعمل اس وقت ہوتا ہے جب کہ عضو سے ٹپک کر نیچے گر جائے یعنی عضو سے منقطع ہو جائے اور تری چونکہ ابھی جدا نہیں ہوئی اس لئے وہ مستعمل بھی نہیں ہوئی،

لہٰذا یہ شبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

بہر حال حدیث پاک سے دوصورتیں معلوم ہوئیں۔

(۱)...... ماءِ جدید سے سر کا مسح کرنا۔

(۲)...... ہاتھوں پر جوتری باقی رہ جاتی ہے اس سے سر کا مسح کرنا حنفیہ کے یہاں دونوں صورتیں جائز ہیں، البتہ افضل ماءِ جدید سے مسح کرنا ہے۔ شافعیہ کے یہاں ماءِ جدید لازم واجب ہے۔

پہلی روایت شافعیہ کے موافق ہے اور دوسری روایت ان کے خلاف ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۲۳۔

دونوں کان سر میں داخل ہیں

﴿۳۸۳﴾ وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ (رواه ابن ماجة وابوداؤد والترمذی) وَذَكَرَ حَمَّادٌ لَا اَدْرِیْ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حواله: سنن ابی داؤد: ۱۱/۱، باب صفة وضوء النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۳۴، ترمذی شریف: ۱۶/۱، باب ماجاء ان الاذنین من الرأس، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۷، ابن ماجه: ۳۵، باب الاذنان من الرأس، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۴۴۔

حل لغات: الماقین آنکھوں کے گوشے۔

ترجمه: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آنکھوں کے گوشوں کو بھی ملا کرتے تھے، اور کہا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی) ابوداؤد اور ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ حماد نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ "الاذنــان مـن الـرأس" [دونوں کان سر میں داخل ہیں] ابوامامہ کا قول ہے یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

تشریح: قوله وكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ الخ:

آنکھوں کے کونوں کا مسح

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسباغ وضو کے واسطے ایسا فرماتے تھے۔ تاکہ وہاں تک پانی پہونچ جائے اور وہ حصہ خشک نہ رہ جائے اور عام طور پر اہتمام کئے بغیر وہاں تک پانی نہیں پہونچتا اور بعض دفعہ آنکھوں کے کونوں میں چیپڑے بھی جم جاتے ہیں ان کو صاف کئے بغیر وہاں پانی نہیں پہونچتا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل سے اس کی طرف متوجہ فرمایا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں بوڑھوں کی کھال چڑھ جاتی ہے تو وہاں اچھی طرح احتیاط کئے بغیر پانی نہیں پہنچتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ بوڑھوں کے واسطے بھی پیغمبر تھے، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بوڑھوں کی تعلیم کے لئے یہ عمل فرمایا کہ بوڑھے حضرات بطور خاص اس کا اہتمام کیا کریں۔

الاذنان من الرأس پر تفصیلی بحث

وقال الاذنان من الرأس: کان سر سے ہیں جو مسح میں سر کے تابع ہیں۔ اس سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں۔

اول تو یہ کہ جس طرح سر پر مسح ہوتا ہے کانوں پر بھی مسح ہوگا۔ کیونکہ یہ سر کا ہی جز ہیں۔
دوسرا حکم یہ کہ سر کا پانی ہی کانوں کے واسطے کافی ہو جائے گا، کیونکہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ اذنان رأس کے تابع ہیں۔

ابو داؤد اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حماد نے کہا ہے کہ یہ جملہ **الاذنان من الرأس** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا راوی ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یعنی اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔ لہٰذا قابل استدلال نہیں۔

دلیل شوافع: شوافع کی دلیل طبرانی کی ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے **اخذ ماءً جدیداً** جس سے کانوں کے لئے ماء جدید لینا ثابت ہے، حضرات شوافع دلیل میں قیاس بھی پیش کرتے ہیں، کہ کان مستقل عضو ہیں اور جب ہر عضو کے لئے ماء جدید لیا جاتا ہے لہٰذا کانوں کے لئے بھی ماء جدید لیا جائے گا۔

امام اعظمؒ کی دلیل: امام اعظمؒ کی طرف سے دلیل **"الاذنان من الرأس"** حدیث پیش کی جاتی ہے، کہ کان مسح میں سر کے تابع ہیں، لہٰذا ماء جدید کی ضرورت نہیں۔ رہا حماد کا قول یہ ان کے خیال کے مطابق ہے دوسرے مجتہدین پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نیز یہ اگر قول صحابی بھی ہو یعنی حدیث موقوف ہو تو بھی حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے، چونکہ **"غیر مدرک بالرای"** میں صحابی کا قول حدیث مرفوع کے درجہ میں ہی ہوتا ہے۔

نیز ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **"عن ابی امامة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الاذنان من الرأس الخ"** اس حدیث میں صراحت ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور

صحابی کا قول نہیں ہے، اس طرح ابن ماجہ نے عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو حدیثیں بیان کی ہیں ان میں بھی اس کی تصریح ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے قول صحابی نہیں ہے۔

نیز معارف السنن میں علامہ بنوریؒ نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کے چودہ متابع موجود ہیں، لہذا اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں اس لئے کانوں کے لئے ماء جدید کی ضرورت نہیں۔

دلیل شوافع کا جواب: اور حضرت امام شافعیؒ کی حدیث طبرانی جس میں کانوں کے لئے ماء جدید لینے کا ذکر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ہاتھوں کی تری ختم ہوگئی ہو اس لئے ماء جدید لیا، یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عام طور پر احادیث وضو میں کانوں کے لئے الگ سے پانی لینے کا ذکر نہیں اور اس کو اصل قرار دیا جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل قیاس کہ کان مستقل عضو ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب حدیث مرفوع سے کانوں کا سر کے تابع ہونا معلوم ہو گیا تو اب قیاس کی کوئی گنجائش نہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۲۴۔

شافعیہ کا اعتراض اور اس کا جواب

شافعیہ اس حدیث پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں خلقت کا بیان ہے، احکام کا نہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ کان سر کے ساتھ ہیں پیدائشی طور سے۔

حنفیہ کی طرف سے اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں۔

(۱)......حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بیان احکام کے لئے ہوئی ہے نہ کہ بیان

خلقت کے لئے اس لئے جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان احکام پر محمول کیا جا سکتا ہو اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

(۲)...... کانوں کا سر کے ساتھ ہونا پیدائشی طور پر اور سر کے تابع ہونا ایک بدیہی چیز ہے۔ ایسی بدیہی چیز کے بیان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو محمول کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شان و مرتبہ کے خلاف ہے۔

اعضاء کو تین سے زائد مرتبہ دھونے کی مذمت

﴿۳۸۴﴾ وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ۔ (رواہ النسائی وابن ماجۃ) وَرَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ مَعْنَاهُ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۸، باب الوضوء ثلاثا، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۱۳۵، نسائی شریف: ۱۳، باب الاعتداء فی الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۱۰۴، ابن ماجہ: ۳۴، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۴۲۲۔

حل لغات: تعدیٰ الشیء تجاوز کرنا، علیہ ظلم کرنا، زیادتی کرنا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دیہات سے ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے بارے میں سوال کرنے لگا، چنانچہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھو کر دکھلایا اور فرمایا کہ وضو اس طرح ہے، تو جس شخص نے اس پر اضافہ کیا اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔ (نسائی، ابن ماجہ)
ابو داؤد نے بھی اسی مطلب کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی بتانے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ وضو کر کے دکھایا۔ چونکہ دیکھنے سے چیز اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ اور مشائخ کو طلباء اور طالبین کے مزاج اور ان کے ذہن کی رعایت رکھتے ہوئے طریقۂ تعلیم اختیار کرنا چاہئے۔

اگر کسی عمل کو کر کے دکھانے کی ضرورت ہو تو کر کے بھی دکھا دینا چاہئے ایسے ہی طلباء اور طالبین کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس پر زیادتی کی اس نے "اساء" برا کیا، چونکہ سنت کے خلاف کیا اور گویا سنت کو کامل و مکمل نہیں سمجھا۔ "تعدی" اس نے حد سے تجاوز کیا، چونکہ اصل سنت کی حد تین مرتبہ ہے، اس سے بڑھنا یہ حد سے تجاوز ہے، اور "ظلم" تین مرتبہ سے زائد دھونے میں پانی کا اسراف بھی ہے عمل بھی بے فائدہ ہے۔ چونکہ اس میں کوئی ثواب نہیں ہے اس لئے یہ اپنے اوپر ظلم بھی ہوا۔

اسی وجہ سے عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ تین عدد پر زیادتی کرنے والے کو میں گناہ سے بری نہیں جانتا اور امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ تین پر زیادتی وہی شخص کر سکتا ہے جس کو جنون ہو یا وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہو۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۲۴، بذل: ۱/۸۱۔

طہارت اور دعا میں غلو کی مذمت

﴿٣٨٥﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْمُغَفَّلِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ ابْنَہٗ یَقُوْلُ اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْقَصْرَ الْاَبْیَضَ عَنْ یَمِیْنِ الْجَنَّۃِ قَالَ یَابُنَیَّ سَلِ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ وَتَعَوَّذْ بِہٖ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ یَعْتَدُوْنَ فِی الطُّھُوْرِ وَالدُّعَاءِ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ)

حوالہ: مسند احمد: ٨٧، ابوداؤد شریف: ١٣/١، باب الاسراف فی الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ٩٦، ابن ماجہ: ٢٨٣، باب کراهیة اعتداء فی الدعاء، کتاب الدعاء. حدیث نمبر: ٣٨٦٤۔

حل لغات: القصر محل، ج قُصُوْرٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا اے اللہ میں تجھ سے جنت میں دائیں جانب قصر ابیض مانگتا ہوں، تو عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کہا اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو اور جہنم سے اس کی پناہ چاہو، بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو حصول طہارت اور دعا مانگنے میں حد سے تجاوز کریں گے۔

تشریح: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ طہور (وضو وغسل) میں اور دعا میں حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ اس سے بچنا چاہئے۔

قولہ یَعْتَدُوْنَ فِی الطُّھُوْرِ الخ: اعتداء فی الطهور سے اسراف فی الطهور یعنی وضو غسل وغیرہ میں اسراف کرنا مراد ہے۔

اسراف فی الوضوء کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)......ضرورت سے زائد پانی بہانا، خواہ وضو میں ہو یا غسل میں یہ بھی اسراف ہے۔

(۲)......تثلیث پر زیادتی یعنی اعضاء کو تین بار سے زیادہ دھویا جائے یہ بھی اسراف ہے۔

اور اسراف کی جو بھی صورت ہو بالاتفاق مکروہ ہے۔ خواہ آدمی نہر کے کنارہ پر یا حوض پر بیٹھا ہوا وضو یا غسل کر رہا ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "ما هذا السرف يا سعد" اے سعد یہ اسراف کیسا۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے یا رسول اللہ! رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نعم وان كنت على نهر جار" [ہاں اگر چہ تم نہر جاری کے کنارہ پر ہو۔] یہ حدیث آگے آرہی ہے۔ البتہ گرمی کی شدت کی وجہ سے ٹھنڈک حاصل کرنا مقصود ہو تو وہ اسراف میں داخل نہیں۔

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہم نے الدر المنضود میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اسراف فی الوضو اگر ماء مباح یا مملوک میں ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر مال وقف میں ہو جیسے مدارس کے حمام وغیرہ کا پانی تو وہ حرام ہے۔ (الدر المنضود: ۱/۲۳۲)

مگر عام طور پر طلباء اس میں مبتلا ہیں۔

اعتداء فی الدعاء

دعاء میں حد سے تجاوز کے سلسلہ میں چند صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱)......بہت زور سے اور چلا کر دعا مانگنا کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

(۲)......اپنی حاجات میں ضرورت سے زائد شرطیں اور قیود لگانا اس لئے کہ یہ بھی حاجتمند

سائل کے ادب کے خلاف ہے۔

(۳)......دعاء کے الفاظ وکلمات میں تجع کی رعایت کرنا۔

اشکال اور جواب

اشکال: اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اکثر میں تجع پایا جاتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں تجع بلاقصد اور بلا تکلف تھا، کمال فصاحت اور کمال بلاغت کی وجہ سے بلاقصد مسجع کلمات زبان مبارک سے نکلتے تھے۔ اور ممانعت بالقصد اور بہ تکلف مسجع کلمات لانے کی ہے اور وجہ یہ ہے کہ بالقصد مسجع کلمات کی رعایت کرنے میں خشوع وخضوع جاتا رہتا ہے، جو دعا میں مطلوب ہے، اس لئے اس کی ممانعت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ صاحبؒ نے دعا میں کیا حد سے تجاوز کیا تھا؟ جس پر انہیں ان کے والد نے تنبیہ فرمائی اس میں شراح نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں مثلاً

(۱)......قصر ابیض یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲)......اپنے مقام سے زائد سوال تھا۔

(۳)......داعی کی اپنے کمال پر نظر تھی وغیرہ مگر صاحب بذل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سب تکلفات بعیدہ ہیں، اصل یہ ہے کہ اندیشہ اعتداء فی الدعاء کی وجہ سے ممانعت فرمائی یعنی والد صاحب کو اندیشہ ہوا کہ صاحبزادہ کہیں اعتداء فی الدعاء میں مبتلا نہ ہوجائیں اس اندیشہ کی وجہ سے ان کو تنبیہ فرمائی۔ تفصیل کے لئے

ملاحظہ ہو: بذل: ۶۱/۱، الدر المنضود: ۲۳۲/۱۔

فوائد: (۱)...... حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ والدین کو اپنی اولاد کی تربیت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ ان کی پوری پوری نگرانی کرنی چاہئے، اور ان کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھنی چاہئے، اور حکمت کے ساتھ ان کو تنبیہ و نصیحت کرتے رہنا چاہئے جس میں آج بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔

(۲)...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی چیز فی نفسہ جائز ہو مگر اس میں کسی مصیبت کا سبب اور ذریعہ بننے کا اندیشہ ہو تو اس سے بھی ممانعت کر دی جاتی ہے۔

(۳)...... حضرات سرپرستان اور مربیان کو ضروری ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی ایسی چیزوں کی بھی نگرانی فرمائیں، کہ یہ چیز جو جائز ہے کسی معصیت کا سبب اور ذریعہ تو نہیں بن جائے گی، اگر اس کا اندیشہ ہو تو اس سے بھی اپنے ماتحتوں کو روک دینا چاہئے۔

(۴)...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرپرست حضرات اپنے ماتحتوں کو اگر ایسی چیز پر جو فی نفسہ جائز ہے مگر اندیشہ ہے کہ وہ کسی معصیت کے ارتکاب کا ذریعہ بن سکتی ہے، تنبیہ کریں اور روک ٹوک کریں تو ماتحتوں کو خوشدلی سے قبول کرنا چاہئے، اور یہ حجت نہ کرنی چاہئے کہ یہ کوئی ناجائز تھوڑا ہی ہے۔

پانی کے وسوسہ سے بچنا چاہئے

﴿۳۸۶﴾ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ الْوَلْهَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ۔ (رواه الترمذي وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ لِاَنَّا لَانَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ غَيْرَ خَارِجَةَ وَهُوَ لَيْسَ

بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا۔

حواله: تـرمذی شریف: ۱/۱۹، باب کراهية الاسراف في الوضوء بالماء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۷، ابـن ماجه: ۳۴، باب ماجاء في القصد في الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۲۱۔

حل لغات: الولهان شیطان، ولـه فـلانا یله ولها (ض) زیادتی غم سے نیم پاگل ہو جانا، عقل و ہوش زائل ہو جانا۔

ترجمه: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو پر ایک شیطان مسلط ہے اس کو ولہان کہتے ہیں، تو تم پانی کے وسوسے سے بچو۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، محدثین کے نزدیک اس کی اسناد قوی نہیں ہے، اس وجہ سے کہ خارجہؒ کے سوا کسی اور سند سے اس حدیث کا نقل ہونا ہمارے علم میں نہیں اور خارجہ ہمارے اصحاب کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔

تشریح: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ شیاطین کے مختلف شعبے ہیں اور مختلف کاموں پر شیاطین مقرر ہیں۔

وضو پر متعین افسر شیطان

وضو بھی ایک شعبہ ہے اس پر بھی شیطان مقرر ہے، جس کو ولھان کہا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ وضو کے شعبہ پر شیاطین کا جو افسر مقرر ہے اس کا نام ولہان ہے اس کے ماتحت اس کی پوری فوج اور ذریت ہے جن کا کام یہ ہے کہ وضو کرنے والوں کو وساوس میں مبتلا کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو خیال ہی نہیں رہتا کہ عضو کو کتنے مرتبہ دھویا اس لئے برابر پانی بہاتا

رہتا ہے، بعض کو یہی خیال رہتا ہے کہ منہ اچھی طرح نہیں دھلا ہاتھ نہیں دھلے اسی طرح ہر ہر عضو سے متعلق، اور برابر پانی بہاتے رہتے ہیں۔ جس سے تجاوز عن الثلث بھی ہوتا ہے اور اسراف بھی ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وضو حد کراہت میں داخل ہو جاتا ہے۔

حدیث پاک کا منشاء مبارک یہ ہے کہ جب اس کام پر شیاطین کی پوری جماعت لگی ہوئی ہے کہ وضو کرنے والوں کو وساوس میں مبتلا کریں پس وضو کرنے والوں کو بھی ضروری ہے کہ اس قسم کے وساوس اور اوہام سے اپنے آپ کو بچائیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۲۵۔

وضو کے بعد کپڑے کا استعمال

﴿۳۸۷﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۸، باب فی المندیل بعد الوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۵۴۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنے کپڑے کے کونے سے اپنا منہ پونچھ لیتے۔

تشریح: حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ وضو کے بعد کپڑے وغیرہ سے منہ وغیرہ صاف کرنا درست ہے۔

ایضاً

﴿۳۸۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا اَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوْءِ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَاَبُوْمُعَاذٍ الرَّاوِيُّ ضَعِيْفٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۸ ، باب فی المندیل بعد الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۳۔

حل لغات: خرقة پرانے پھٹے ہوئے کپڑے کا ٹکڑا، ج خرق ینشف نشف الشیء خشک کرنا، الماء تولیہ سے پانی خشک کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد اپنے اعضاء پونچھتے تھے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے، اس کے راوی ابو معاذ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

تشریح: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ وضو کے بعد کپڑے وغیرہ سے اعضاء وضو کو صاف کرنا نہ یہ کہ جائز ہے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس مقصد کے لئے مستقل کپڑا ہوتا تھا جس سے اعضاء وضو کو بعد الوضو صاف فرمایا کرتے تھے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، اور اس کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ اس حدیث کی سند میں ابو معاذ راوی ضعیف ہے۔

وضوء کے بعد استعمال منديل کا حکم

وضوء کرنے کے بعد اعضاء کو خشک کرنے کیلئے رومال وغیرہ کو استعمال کرنا اسکا کیا حکم ہے؟ صاحب المنیہ نے استعمال المندیل بعد الوضوء کو مستحب قرار دیا ہے۔(ردالمحتار: ۱/۹۷) صاحب درمختار نے اسے آداب میں سے شمار کیا ہے۔(درمختار: ۱/۹۷، علی ہامش ردالمحتار) قاضی خان نے اسے مباح قرار دیا ہے۔(کذا فی معارف السنن: ۱/۲۰۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے بعد کپڑے سے اعضاء صاف کرنا ثابت ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی، کبھی استعمال کیا اور کبھی ترک کیا، قائلین استحباب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خرقہ استعمال کرنے کے فعل کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، اور جہاں آپ نے ترک کیا وہ بیان جواز کے لئے کیا، یا کسی عذر کی وجہ سے ترک کیا۔

معتمد علیہ قول فقہ حنفی میں یہ ہے کہ استعمال مندیل بعد الوضوء مباح ہے۔ یعنی نہ مستحب ہے نہ مکروہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خرقہ استعمال فرمانا بیان جواز کے لئے ہے۔(کذا فی معارف السنن: ۱/۲۰۳)

امام نوویؒ نے اس مسئلہ میں شافعیہ کے پانچ اقوال لکھے ہیں۔

(۱)......ترک مندیل مستحب ہے، اور یہی شافعیہ کے ہاں اشہر ہے۔

(۲)......استعمال مندیل مکروہ ہے۔

(۳)......استعمال مندیل مباح ہے۔

(۴)......استعمال مندیل مستحب ہے۔

(۵)......استعمال مندیل گرمیوں میں مکروہ ہے، سردیوں میں مباح ہے۔

(کذا فی عمدۃ القاری: ۳/۱۹۴)

کراہت کے قائلین کراہت کی کوئی وجہیں پیش کرتے ہیں۔ایک یہ کہ جس پانی سے وضو کیا جاتا ہے وہ میزان میں تلے گا، حسنات میں شمار ہوگا اس لئے اس کو بدن پر باقی رہنے دینا چاہئے، لیکن یہ وجہ معقول نہیں، اس لئے کہ رومال سے صاف کرلینا تو لے جانے کے منافی نہیں، رومال میں آکر بھی خشک ہو جائے گا، بدن پر رہنے کی صورت میں بھی خشک ہو جائے گا اس لئے صحیح بات یا تو استعمال مندیل کا استحباب ہے یا اباحت ہے۔

قائلین کراہت صحیح بخاری کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ غسل کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تولیہ پیش کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا۔(بخاری شریف: ۱/۴۰) لیکن اس سے کراہت پر استدلال درست نہیں اس لئے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ کراہت ہی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تولیہ قبول نہ فرمایا ہو؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے نجس ہونے کا احتمال ہو اس لئے رد فرمادیا ہو، یا گرمیوں کا موسم ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسم کو تر رکھنا چاہتے ہوں۔(اشرف التوضیح: ۱/۳۷۸)

﴿الفصل الثالث﴾

وضو میں اعضاء کو ایک مرتبہ دھونا جائز ہے

﴿۳۸۹﴾ وَعَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِیْ صَفِیَّةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدُ الْبَاقِرُ حَدَّثَكَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَمَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ۔(رواه الترمذی وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۷، باب ماجاء فی الوضوء مرة ومرتین وثلاثا، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۵، ابن ماجه: ۳۳، باب ماجاء فی الوضوء مرة مرة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۱۰۔

ترجمہ: حضرت ثابت ابن ابوصفیہؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجعفر یعنی محمد باقر سے کہا کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو کبھی ایک ایک بار دھویا، کبھی دو دو بار دھویا، اور کبھی تین تین بار دھویا۔ ابوجعفر محمد باقرؒ نے فرمایا ہاں۔

تشریح: محمد باقر جو امام محمد باقر کے نام سے مشہور ہیں، ائمہ اثنا عشریہ میں سے ایک ہیں، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ دو دو مرتبہ تین تین مرتبہ وضو فرمایا، انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک ایک مرتبہ کبھی دو دو مرتبہ کبھی تین تین مرتبہ وضو میں اعضاء کو دھویا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایک مرتبہ بھی وضو درست ہے، جو فرض کا درجہ ہے اور دو دو مرتبہ سنت کا ایک درجہ ہے اور تین تین مرتبہ سے سنت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بعض اعضاء کو تین بار بعض کو دو بار بعض کو ایک بار دھویا اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب صورتیں بلا شبہ جائز ہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التعلیق الصبیح: ۱/۲۱۵۔

اعضاء کو دو بار دھونا مسنون ہے

﴿۳۹۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هُوَ نُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ۔

حواله: رزين ونووی علی مسلم: ۹۴/ ۱، باب فضل الوضوء والصلوة عقبه، كتاب الطهارة.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو دو بار کیا یعنی وضو کے اعضاء دو دو بار دھوئے اور فرمایا یہ نور کے اوپر نور ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ دھونے سے ایک نور حاصل ہوا اور دوسری مرتبہ دھونے سے ایک نور حاصل ہوا اس لئے یہ نور علی نور ہو گیا۔

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ دھونے سے فرض کا نور حاصل ہوا، دوسری مرتبہ دھونے سے سنت کا نور حاصل ہوا۔ اور تین مرتبہ دھونے سے تکمیل سنت کا نور حاصل ہوتا ہے، اور نور وضو کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۲۷۔

اعضاء کا تین بار دھونا اصل سنت ہے

﴿۳۹۱﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَالنَّوَوِيُّ ضَعَّفَ الثَّانِيْ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ۔

حـوالـه: رزيـن ونـووی عـلـی مسـلـم: ۹۴/ ۱، بـاب فضل الوضوء والصلوة عقبه، کتاب الطهارة.

تـرجـمـه: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء کو تین تین بار دھو کر وضو کیا اور فرمایا: یہ میرا وضو ہے، اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وضو ہے، ان دونوں روایتوں کو رزین نے نقل کیا ہے اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں دوسری روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: وضوء الانبیاء قبلی کے بعد وضوء ابراهیم کا ذکر کرنا یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، حدیث پاک سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل عادت مبارکہ تین تین مرتبہ وضو فرمانے کی تھی۔

(۲)...... دوسری یہ چیز کہ وضو اس امت کی خصوصیت نہیں انبیاء سابقین میں بھی وضو تھا: البتہ غرة وتحجیل اس امت کی خصوصیت ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مرقاۃ: ۲/۲۷۔

ہر نماز کے لئے وضو فرض نہیں

﴿۳۹۲﴾ **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ وَکَانَ اَحَدُنَا یَکْفِیْہِ الْوُضُوْءُ مَالَمْ یُحْدِثْ۔ (رواه الدارمی)

حواله: دارمی: ۱۹۸/ ۱، باب الوضوء لکل صلوة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷۲۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے، اور ہم لوگوں کو ایک ہی وضو کافی ہوتا تھا، جب تک کہ وہ وضو ٹوٹ نہ جاتا تھا۔

تشریح: قوله يتوضأ لكل صلوة: حدیث شریف میں اس بات کی خبر ہے کہ تجدید وضو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب تھا پھر وہ منسوخ ہو گیا جیسا کہ آنے والی حدیث شریف اس کی شہادت دیتی ہے، علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں تجدید وضو دو باتوں کا محتمل ہے۔

(۱)......ایک تو یہ کہ وضو آپ پر واجب ہو پھر فتح مکہ کے موقع پر وہ منسوخ ہو گیا ہو، جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔"صلى الصلوات يوم الفتح بوضوء واحد" کہ فتح مکہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے، ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نسخ کو مانا جائے تو یہ فتح مکہ سے ایک زمانہ پہلے کا واقعہ ہے۔

(۲)......دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کو استحباباً فرماتے ہوں پھر اس کے وجوب کا خوف و اندیشہ ہوا ہو اس لئے اس اندیشہ کی وجہ سے یا بیان جواز کیلئے اس کو چھوڑ دیا ہو، ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ دوسرا احتمال زیادہ راجح ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۷)

ہر نماز کے لئے نیا وضو و مسواک

﴿۳۹۳﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ

عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ اَرَأَیْتَ وُضُوْءَ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ طَاھِرًا کَانَ اَوْ غَیْرَ طَاھِرٍ عَمَّنْ اَخَذَہٗ فَقَالَ حَدَّثَتْہُ اَسْمَاءُ بِنْتُ زَیْدِ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنِ حَنْظَلَۃَ ابْنِ اَبِیْ عَامِرٍ الْغَسِیْلِ حَدَّثَہَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ طَاھِرًا کَانَ اَوْ غَیْرَ طَاھِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِکَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُمِرَ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ وَوُضِعَ عَنْہُ الْوُضُوْءُ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَکَانَ عَبْدُاللّٰہِ یَرٰی اَنَّ بِہٖ قُوَّۃً عَلٰی ذٰلِکَ فَفَعَلَہٗ حَتّٰی مَاتَ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۲۲۵.

حل لغات: شق (ن) شقاً علیہ دشوار ھونا، دشوار سمجھنا.

ترجمہ: حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا یہ بتائے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے خواہ وہ باوضو ہوتے یا بے وضو تو یہ عمل انہوں نے کس دلیل سے اخذ کیا تھا؟ حضرت عبید اللہ نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے بیان کیا کہ ان سے حضرت حنظلہ بن ابو عامر غسیل کے بیٹے حضرت عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (پہلے) یہ حکم تھا کہ ہر نماز کے لئے خواہ باوضو ہوں یا بے وضو نیا وضو کریں اور جب ہر نماز کے لئے وضو کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشکل ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو کو موقوف کر دیا گیا، مگر جب کہ حدث لاحق ہو، اس کے بعد عبید اللہ نے کہا کہ چونکہ عبداللہ بن عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ نیا وضو کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہے، لہذا مرتے دم تک وہ اس پر عمل پیرا رہے۔

تشریح: "غسیل" حنظلہ کی صفت ہے مراد غسیل ملائکہ ہے۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا، مگر جب مشغولیاں بڑھ گئیں تو اس کو ساقط کر دیا اور ہر نماز کے لئے وضو کے بجائے مسواک کا حکم دیا گیا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر نماز کے لئے مسواک فرض تھی، اسی وجہ سے آپ کا دل چاہتا تھا کہ امت پر بھی ہر نماز کے لئے فرض کر دوں مگر امت کی دشواری کا خیال تھا اس وجہ سے فرض نہیں فرمایا، جیسا کہ اس سے متعلق پہلے حدیث گذر چکی۔

حدیث پاک سے ہر نماز کے لئے تجدید وضو کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی کہ گو فرضیت ساقط ہوگئی لیکن اس کی فضیلت تو باقی رہے گی۔

اسی طرح حدیث پاک سے ہر نماز کے لئے مسواک کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی کہ اس کو ایک فرض و واجب کے قائم مقام بنایا گیا ہے، جو اس کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الطیبی: ۲/۹۰، مرقاۃ: ۲/۲۸۔

وضو میں اسراف

﴿۳۹۴﴾ **وَعَنْ** عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَاهٰذَا السَّرَفُ يَاسَعْدُ قَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ۔ (رواه احمد وابن ماجة)

[1] حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ ابن ابو عامر کی بیوی سے حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پوچھا کہ حنظلہ کس حالت میں تھے، تو انہوں نے بتایا حنظلہ رضی اللہ عنہ جنبی تھے، غسل کرنے کے لئے بیٹھے کہ اچانک جہاد کی اطلاع ہوئی اور دشمن کے غلبہ کی خبر معلوم ہوئی۔ تو اس حالت میں نکل کھڑے ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ملائکہ کو انہیں غسل دیتے ہوئے دیکھا ہے، اسی لئے ان کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔

حوالہ: مسند احمد: ۲/۲۲۱، ابن ماجہ: ۳۴، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر:۴۲۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس گذرے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت وضو کررہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سعد! یہ اسراف کیا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگرچہ تم بہتی ہوئی نہر پر ہو۔

تشریح: سعد جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال تھا کہ وضو تو عبادت ہے، عبادت میں اسراف نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے۔

دوسری چیز مزید ارشاد فرمادی کہ اسراف پانی کی قلت کے وقت ہی نہیں بلکہ پانی کی کتنی ہی کثرت ہو یہاں تک کہ نہر جاری کے کنارہ پر ہوں تب بھی اسراف ہوتا ہے، اسراف کی حقیقت پہلے گذرچکی کہ ضرورت سے زائد پانی بہانا اور تثلیث وغیرہ پر زیادتی کرنا اسراف ہے۔

ماتحتوں کی نگرانی

حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کی نگرانی بھی رکھنی چاہئے۔ کہ اساتذہ اپنے طلباء پر اور مشائخ اپنے مریدین کے حالات کی نگرانی بھی رکھیں اور خوبصورتی اور شفقت کے ساتھ ان کو تنبیہ بھی کرتے رہیں اور ان کی اصلاح وتربیت بھی

فرماتے رہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔مرقاۃ:۲/۲۹۔

وضو کے لئے بسم اللہ

﴿۳۹۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ یُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ یُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔

حوالہ: سنن دار قطنی:۷۳ تا ۷۵، باب التسمیة علی الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۱/۱۲/۱۳۔

حل لغات: جسد جسم، باڈی، ج اجساد۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور بسم اللہ پڑھی تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنا سارا بدن پاک کیا اور جس شخص نے وضو کیا اور بسم اللہ نہ پڑھی تو اس نے صرف اعضاء وضو کو پاک کیا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بلا بسم اللہ وضو تو ہو جاتا ہے کہ وہ وضو مفتاح صلوۃ ہو جاتا ہے نماز اس سے درست ہو جاتی ہے مگر پورا پورا ثواب نہیں ملتا۔

تمام جسم کے لئے طہارت سے مراد طہارت عن الذنوب ہے۔ کہ تمام جسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور بسم اللہ نہ پڑھنے کی صورت میں صرف وضو کے اعضاء کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس نوع کی احادیث میں صغائر مراد ہوا کرتے ہیں، یہ حدیث شریف حنفیہ کے

لئے حجت ہے کہ وضو کی صحت کے لئے بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔
مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ بذل: ۶۳/۱، مرقاۃ: ۲/۲۹۔

وضو میں انگوٹھی کو حرکت دینا

﴿۳۹۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوۃِ حَرَّکَ خَاتَمَہٗ فِیْ اِصْبَعِہٖ۔ (رواھما الدارقطنی) وروی ابن ماجة الاخیر۔

حوالہ: سنن دار قطنی: ۸۳/۱، باب الوضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۱۶، ابن ماجہ: ۳۵، باب تخلیل الاصابع، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۴۴۹۔

حل لغات: حرک تحریک باب تفعیل سے، حرکت دینا، ہلانا۔

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے وضو کرتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے۔ دونوں روایتیں دارقطنی نے نقل کی ہیں، اور اس دوسری روایت کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔

تشریح: چونکہ وضو میں استیعاب فرض ہے کوئی حصہ اگر خشک رہ گیا تو وضو نہیں ہوگا، انگوٹھی کے نیچے پانی پہونچانا بھی فرض ہے، اس لئے انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے، تاکہ نیچے پانی پہونچ جائے اگر انگوٹھی کے نیچے پانی پہونچنے کا گمان غالب ہو تو انگوٹھی کو حرکت دینا صرف سنت ہے اور اگر پانی نہ پہونچنے کا گمان غالب ہو تو حرکت دینا واجب ہے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۲۹۔

باب الغسل

رقم الحدیث:...... ۳۹۷/ تا ۴۱۵/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الغسل

﴿الفصل الاول﴾

دخول حشفہ سے غسل فرض ہوجاتا ہے

﴿۳۹۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَاِنْ لَمْ یُنْزِلْ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف:۴۳/۱، باب اذا التقی الختان، کتاب الغسل، حدیث نمبر:۲۹۱،مسلم شریف:۱/۱۵٦، باب بیان کان فی اول الاسلام لایوجب الغسل الا ان ینزل المنی وبیان نسخه و ان الغسل یجب بالاجماع، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۴۸۔

حل لغات: شعب شعبة کی جمع ہے،شاخ، یہاں مراد فرج کے چاروں جوانب ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم میں سے کوئی شخص جب عورت کے چاروں کونوں کے بیچ میں بیٹھا پھر

اس پر زور لگایا تو غسل واجب ہو گیا اگر چہ انزال نہ ہو۔

تشریح: غَسل، غُسل: دونوں مصدر ہیں اصطلاح میں غُسل سے مراد بدن کا دھونا یعنی نہانا ہے۔اور غَسل کا اطلاق کپڑے وغیرہ دھونے پر ہوتا ہے۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ دخول حشفہ سے مطلقاً بغیر انزال کے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ: شعب اربع سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

(۱)......دونوں ہاتھ دونوں پیر۔

(۲)......دونوں پیر اور دونوں ران۔

(۳)......دونوں ران اور فرج کی دونوں طرف۔

(۴)......فرج کی جوانب اربع۔

پھر جلوس سے کنایہ ہے جماع کرنا۔اور جَهَدَ وغیرہ سے مراد حشفہ کا داخل کرنا۔

احتلام وجوب غسل کا سبب ہے

﴿۳۹۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ۔ (رواہ مسلم) قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِی الْاِحْتِلَامِ۔ (رواہ الترمذی) وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِیْحَیْنِ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱۵۵/۱، باب انما الماء من الماء، کتاب

الحیض، حدیث نمبر:۳۴۳،(وعن ابن عباس) ترمذی شریف: ۱/۳۱، باب ماجاء ان الماء من الماء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۱۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانی پانی سے ہے۔'' (مسلم) حضرت امام محی السنہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پانی پانی سے ہے'' کا حکم احتلام کی صورت میں ہے، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے، بخاری ومسلم میں یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ غسل انزال سے واجب ہوتا ہے۔ بغیر انزال کے صرف دخول حشفہ سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

یہ روایت اور سابق روایت دونوں روایتوں میں چونکہ تعارض ہے اس لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا ایک جماعت اس کی قائل تھی کہ صرف دخول حشفہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال نہ ہو۔ اور ایک جماعت دوسری حدیث کی وجہ سے اس کی قائل تھی کہ جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہو گیا کہ صرف دخول حشفہ سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے اور ''الماء من الماء'' کا حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ ہے کہ یہ حالت احتلام پر محمول ہے، یعنی آدمی خواب میں جماع کرنا دیکھے لیکن انزال نہ ہو تو غسل واجب نہ ہوگا۔

چنانچہ شیخ محی السنہؒ فرماتے ہیں: ''الماء من الماء'' یعنی [غسل صرف انزال سے ہوتا ہے] یہ منسوخ ہے۔ اور ناسخ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے، جو پہلے گذری، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہ حدیث ''الماء من الماء'' احتلام کے بارے میں ہے، یعنی جماع کی دو قسمیں ہیں جماع فی الیقظہ اور جماع فی المنام۔

دخول حشفه اوراذا جاوز الختان الختان والی حدیث جماع فی الیقظہ کی صورت میں ہے۔

اور ’’الماء من الماء‘‘ والی حدیث جماع فی المنام کے بارے میں ہے۔

ایک تیسری توجیہ یہ ہے کہ ’’الماء من الماء‘‘ والی حدیث یہ مباشرت فی غیر الفرج پر محمول ہے یعنی اگر کوئی شخص فرج کے علاوہ کسی اور جگہ مباشرت کرتا ہے تو انزال ہونے پر ہی غسل واجب ہوگا، اس کے بغیر نہیں اس صورت میں یہ حکم بالاتفاق ہے اس پر سب حضرات کا اتفاق ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ حدیث ’’الماء من الماء‘‘ سے مراد انزال ماء عام ہے، اور انزال ماء حقیقی اور انزال ماء حکمی دونوں کو شامل ہے۔ اور دخول حشفہ انزال ماء حکمی ہے لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ بذل: ۱/۱۳۳، فتح الملہم: ۱/۴۸۶، التعلیق الصبیح: ۱/۲۱۷۔

عورت کو احتلام سے غسل

﴿۳۹۹﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا۔ (متفق علیه) وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ أُمِّ سُلَيْمٍ إِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ أَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ أَصْفَرُ فَمِنْ أَيِّهِمَا عَلَا أَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ۔

حواله: بخاری شریف: ۱/۲۴، باب الحياء في العلم، كتاب العلم،

حدیث نمبر:۱۳۰ مسلم شریف: ۱۴۶/۱، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، كتاب الحيض، حدیث نمبر: ۳۱۲۔

حل لغات: لا یستحي استحيي استحياء باب استفعال سے، شرم کرنا، احتلمت باب افتعال سے، مصدر احتلام، خواب دیکھنا، احتلام ہونا، غطت تغطية باب تفعیل سے، ڈھانکنا، چھپانا، پردہ پوشی کرنا، تربت ترب (س) تربا غبار آلود ہونا، يشبهها، اشبه الشيء الشيء مشابہ ہونا، غليظ موٹا، گاڑھا، ج غلاظ، رقيق پتلا، ج ارقاء.

ترجمه: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! حق بات میں اللہ تعالیٰ شرم نہیں فرماتے، اگر عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں بشرطیکہ اس کو پانی (منی) نظر آئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ ڈھانک لیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، پھر اس کا بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت جو ام سلیم سے منقول ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: "بلاشبہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے، اور عورت کی منی پتلی زرد ہوتی ہے، تو ان دونوں میں سے جس کی منی غالب آجاتی ہے یا جس کی منی سبقت کرتی ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

تشریح: ان الله لا يستحيي من الحق: یہ تمہید ہے جو اپنی شرم کو دور کرنے کے واسطے لائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیاء نہیں کرتا یعنی حیاء کی وجہ سے اس کو ترک نہیں کرتا تو سوال کرنے سے میں کیوں حیاء کروں۔

او تحتلم المرأة الخ: ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تعجب ہوا کہ عورتوں کو بھی

احتلام ہوتا ہے؟

اشکال مع جوابات

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عورتوں کو احتلام ہونا ایک بدیہی چیز ہے تو پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تعجب کیوں ہوا۔

جوابات: اس کے متعدد جوابات ہیں۔

(۱)...... اولاً تو مردوں کی نسبت عورتوں کو احتلام بہت کم ہوتا ہے اور بعض مرد بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو شاذ و نادر ہی اس کی نوبت آتی ہے۔ اس لئے ممکن ہے بعض عورتیں ایسی ہوتی ہوں کہ ان کو بالکل اس کی نوبت ہی نہ آتی ہو اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان ہی میں سے ہوں، اس لئے ان کو تعجب ہوا۔

(۲)...... دوسرا جواب یہ ہے کہ احتلام عامۃً شیطان کے تصرف سے ہوتا ہے اور شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ نبی کی شکل بنا کر خواب میں آسکے اور جس طرح بیداری میں حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن غیر کی طرف توجہ نہیں کر سکتی تھیں اسی طرح خواب میں بھی وہ غیر کی طرف توجہ نہیں کر سکتی تھیں، اس لئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن احتلام سے محفوظ تھیں۔

(۳)...... احتلام کبھی پراگندہ خیالات کی وجہ سے ہوتا ہے، چنانچہ حضرات اکابر اور مشائخ پراگندہ خیالات سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی اس کی نوبت بہت کم آتی ہے، اور بعض کو سالوں بھی نوبت نہیں آتی اور بعض کو زندگی بھر بھی اس کی نوبت نہیں آتی، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی پراگندہ خیالات سے محفوظ تھیں اس لئے ان کو بھی اس کی نوبت نہیں آتی تھی۔

(۴)......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وعظمت کی وجہ سے حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس سے محفوظ رکھا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل بھی اور زوجیت کے بعد بھی۔ واللہ اعلم

تربت یمینک الخ: تیرا ہاتھ خاک آلود ہو، یہ کنایہ ہوتا ہے فقر و فاقہ سے اور اس کے اصل معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ عرب اس کو اظہار تعجب اور اظہار محبت کے وقت استعمال کرتے ہیں۔

(۲)...... یہ کنایہ ہے تواضع وعبدیت سے جو عمدہ اور پسندیدہ خصلت ہے گویا اس کو تواضع وعبدیت کی دعا دی ہے۔

(۳)......یا یہ کنایہ ہے نماز سے گویا نماز کی دعا ہے۔ کہ اللہ تجھ کو ہمیشہ نمازی رکھے۔ چونکہ نماز کے وقت ہاتھ زمین پر رکھے جاتے ہیں، تو وہ خاک آلود ہو جاتے ہیں۔

(۴)......یا یہ جملہ صرف نکیر کے لئے بولا جاتا ہے۔

اور بھی متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔

فبم یشبهها ولدها الخ: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کبھی والد کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی والدہ کے مشابہ ہوتا ہے یہ مشابہت اس کی دلیل ہے کہ مرد وعورت دونوں کا نطفہ اس میں شامل ہوتا ہے جس کا نطفہ غالب ہو گیا یا جس کا نطفہ سبقت کر گیا بچہ اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اگر عورت میں منی نہ ہوتی تو بچہ اس کے مشابہ کیسے ہوتا اور جب عورت کے اندر نطفہ اور منی کا ثبوت ہو گیا تو احتلام میں بھی استبعاد نہیں اس لئے کہ برتن میں جب کوئی چیز موجود ہوتی ہے وہ کبھی چھلک بھی جاتی ہے۔

پس عورت کے اندر منی ہونے پر جمہور علمائے امت کا اتفاق ہے صرف بعض فلاسفہ ارسطاطالیس اور بوعلی سیناوغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے، مگر محققین فلاسفہ بھی عورت کے اندر منی

ہونے کے قائل ہیں۔

اشکال مع جواب

اب ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ یہاں حدیث شریف میں جن کو تعجب ہوا وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور بعض میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے جواب کے لئے بعض نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا ہے بعض نے جمع بین الروایتین کو اختیار کیا ہے کہ دونوں ہی بوقت سوال موجود تھیں، اور دونوں نے ہی اظہار تعجب اور انکار فرمایا تھا، مگر اختصار کی وجہ سے کسی نے ان کو ذکر کر دیا کسی نے ان کو، لہذا کوئی اشکال نہیں۔

اور بعض نے تعدد واقعہ پر محمول کیا ہے، اس میں بھی کوئی استبعاد نہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم:۴۶۶/۱، بذل:۱۴۵/۱، مرقاۃ:۳۲/۲، الدر المنضود:۳۶۵/۱۔

غسل کا مسنون طریقہ

﴿۴۰۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ۔ (متفق علیه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهُمَا الْإِنَاءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔

حواله: مسلم شریف: ۱۴۷/ ۱، باب صفة غسل الجنابة، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۱۶، بخاری شریف: ۳۹/ ۱، باب الوضوء قبل الغسل، کتاب الغسل، حدیث نمبر: ۲۴۸۔

حل لغات: یصب صَبَّ (ن) صَبًّا پانی ڈالنا، یفیض اَفَاضَ افاضةً الماء، پانی ڈالنا، بہانا، جلد، ج جُلُوْدٌ چمڑا، کھال، مراد جسم، یفرغ اَفْرَغَ الافراغ باب افعال سے، الماء پانی انڈیلنا، نکالنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھ دھوتے، پھر جس طرح نماز کیلئے وضو فرماتے تھے، وضو فرماتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اسکے بعد ان انگلیوں کے ذریعہ سے بالوں میں خلال فرماتے، پھر تین چلو اپنے ہاتھ سے اپنے سر مبارک پر ڈالتے پھر اپنے بقیہ تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے، اسکے بعد اپنا ستر دھوتے، پھر وضو کرتے۔

تشریح: غسل یدیہ: اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے، کیونکہ پورے جسم کو دھونے کے واسطے یہ آلہ بنتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا جائے، اسی طرح غسل کرتے وقت بھی وضو سے قبل دونوں ہاتھوں کو دھونا چاہئے۔

ثم یتوضأ الخ: پہلے وضو کرنا سنت ہے، جمہور علماء کا مذہب یہی ہے البتہ داؤد ظاہری کے نزدیک واجب ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت بھی وجوب کی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم: ۴۶۹/ ۱، مرقاۃ: ۲/۳۲۔

غسل سے قبل وضو کے سلسلہ میں ایک اختلاف اس میں یہ ہے کہ وضو مکمل کیا جائے گا

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل قدمین کو مؤخر کریں گے۔حضرات شافعیہ نے اسی کو افضل کہا ہے۔لیکن دوسرا قول شافعیہ کا تکمیل وضو ہے، مطلقاً یعنی بلا تاخیر قدمین۔

حنفیہ کے اس میں تین قول ہیں۔

(۱)......افضلیت تاخیر قدمین مطلقاً۔

(۲)......عدم تاخیر مطلقاً۔

(۳)......اگر پانی وہاں جمع ہوتا ہو تو تاخیر افضل ہے ورنہ تقدیم افضل ہے، اور یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے، ورنہ جائز بلاشبہ دونوں طرح ہے۔

ایضاً

﴿۴۰۱﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلاً فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْباً فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ۔ (متفق علیه) وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حواله: بخاری شریف: ۱/۴۱، باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة، كتاب الغسل حديث نمبر: ۲۷۶، مسلم شریف: ۱/۱۴۷، باب صفة غسل الجنابة، كتاب الحيض، حديث نمبر: ۳۱۷.

حل لغات: سترته، ستر (ن) ستراً، چھپانا، ڈھانکنا، تنحى، عن، ہٹنا،

ایک طرف ہونا، تنحیٰ عن مکانه، اپنی جگہ چھوڑنا، ناولته، نَاوَلَ یُنَاوِلُ، باب مفاعلة سے الشئی، سپرد کرنا، دینا، ینفض، نفض، ینفض، (ن) جھٹکنا، جھاڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لئے پانی رکھا اور کپڑا ڈال کر پردہ کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ زمین پر مار کر اس کو رگڑا، پھر اس کو دھویا، پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور اپنا چہرہ مبارک اور دونوں مبارک ہاتھوں کو دھویا پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور تمام بدن پر بہایا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں مبارک دھوئے اس کے بعد میں نے کپڑا دیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا نہیں لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہوتی ہیں، اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے بھی ہیں۔

پردہ کی چادر کے اوپر سے ان کو نظر آ رہا تھا، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی کیفیت کو ملاحظہ فرما رہی تھیں، یا پھر عورت کو اپنے شوہر کے جسم کو دیکھنا جائز بھی ہے، اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں۔

کیفیت غسل کی پوری تفصیل اوپر والی حدیث شریف کے تحت گذر چکی۔

غسل میں استنشاق ومضمضہ احناف کے نزدیک فرض ہے، ایک تو اس کے واسطے مؤید ہے وہ حدیث جس میں تحت کل شعرة جنابة کے الفاظ آئے ہیں اس لئے کہ ناک میں بھی بال ہوتے ہیں۔

دوسرے قرآن شریف کی آیت: "وان کنتم جنبا فاطهروا" میں صیغہ مبالغہ ہے اور مبالغہ کا تقاضہ ہے مضمضہ واستنشاق کیا جائے۔

مضمضہ واستنشاق کی پوری تفصیل وضو کے بیان میں گذر چکی۔

تمسح بالمندیل کی بحث

یہاں حدیث پاک میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے غسل کے بعد کپڑا پیش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا، اور ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: "کانت لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرقة ینشف بها بعد الوضوء" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی کے موافق ہے، روایات میں اختلاف کی وجہ سے علماء کے مابین بھی اس میں اختلاف ہوگیا، چنانچہ شافعیہ کے پانچ اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱)......اصح یہ ہے کہ ترک تنشف اولیٰ ہے۔

(۲)......تنشف مکروہ ہے۔

(۳)......مباح ہے۔

(۴)......مستحب ہے۔

(۵)......مکروہ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک تنشف مباح ہے۔

حنفیہ کا ایک قول مستحب ہونے کا ہے، پس خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے یہاں ترک تنشف اولیٰ ہے، مالکیہ حنابلہ کے یہاں مباح ہے، حنفیہ کے یہاں راجح قول میں مباح اور دوسرے قول میں مستحب۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۳۳، فتح الملہم: ۱/۴۷۰،

بذل:۱۵۰/۱،الدر المنضود:۳۷۲/۱۔

غسل حیض کا طریقہ

﴿۴۰۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ امْرَأَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ سَأَلَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِیْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِیْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِیْ بِهَا فَاجْتَذَبْتُهَا اِلَیَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِیْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۴۵/ ۱، باب دلک المرأة نفسها اذا تطهر من الحیض، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۱۴،مسلم شریف: ۱۵۰/ ۱، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض، فرصة من مسک فی موضع الدم، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۳۲۔

حل لغات: المحیض، حیض، قرآن کریم میں ہے یسئلونک عن المحیض قل ھو اذی، فرصة، اون یا روئی کا ٹکڑا یا کپڑا جس سے عورتیں حیض کا خون پونچھتی ہیں،مسک، خوشبو،مشک،اجتذبتھا، جذب، یجذب، (ض) جذبا، واجتذب، کھینچنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انصار میں کی ایک عورت نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ حیض کا غسل کس طرح کرے،تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بتایا کہ وہ کس طرح غسل کرے،

پھر فرمایا مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرو، اس عورت نے کہا میں اس ٹکڑے کے ذریعہ کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرو، اس عورت نے کہا میں اس ٹکڑے کے ذریعہ کیسے پاکی حاصل کروں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ [اللہ کی ذات پاک ہے] اسکے ذریعہ پاکی حاصل کرو، (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں) میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کو بتایا کہ خون نکلنے کی جگہ پر اس کو لگا دو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ الخ: فِرْصَةٌ کے معنی ٹکڑا، مراد پھایہ یعنی مشک کا پھایہ جس پر مشک لگا ہوا اس کو خون آنے کی جگہ لگانا مراد ہے۔

مِسک بالکسر کے بجائے اس کو میم کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، جس کے معنی چمڑہ کے آتے ہیں اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ چمڑہ کا ٹکڑا لیکر جہاں جہاں خون لگا ہوا اس کو رگڑ کر صاف دھولیا کرے۔

لیکن پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اور ایک روایت میں مُمَسَّكَة کالفظ آیا ہے، جس کے معنی مشک میں بسایا ہوا یا مشک لگا ہوا، اسلئے اس سے معنی اول کی تائید ہوتی ہے۔

مشک کا پھایہ استعمال کرنے کا حکم

اول: مشک کا پھایہ استعمال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ خون آنے کی وجہ سے وہاں بدبو آنے لگتی ہے، خوشبو وہاں لگانے سے اس بدبو کے اثر کو زائل کرنا مقصود ہے، تا کہ اس بدبو کی وجہ سے شوہر کو اس سے نفرت نہ ہو جائے، اس لئے خوشبو استعمال کرنے کو فرمایا تا کہ شوہر کو اس کی رغبت ہو اور اس کی طرف میلان ہو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیوی کو ایسی حالت میں نہیں رہنا چاہئے جو اس کی طرف بے رغبتی کا ذریعہ ہو، بلکہ ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے

شوہر کو اس کی رغبت ہو پسندیدہ ہے۔

دوم: دوسری وجہ یہ بھی کہ خوشبو اس مقام پر استعمال کرنا جماع میں زیادتی لذت کا بھی سبب ہے۔

سوم: فرج میں مشک کا استعمال اسرع الی الحبل ہے، امام نوویؒ نے اس کی تردید بھی فرمائی ہے۔ اللہ اعلم

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم: ۱/۴۷۶، الدر المنضود: ۱/۴۲۱۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں اس کی بھی دلیل ہے کہ اگر ایک طالب علم کسی مسئلہ کو نہ سمجھ رہا ہو تو دوسرا طالب علم استاد کی موجودگی میں یا اس کو الگ لیجا کر سمجھا سکتا ہے۔

غسل میں بالوں کا کھولنا

﴿۴۰۳﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي اِمْرَأَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا إِنَّمَا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِيَ عَلَىٰ رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۵۰، باب حکم ضفائر المغتسلۃ، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۳۔

حل لغات: ضفر، یضفر، ضفرا، (ض) بال گوندھنا، چوٹی کرنا، ضفیرۃ، ج ضفائر، چوٹی، انقضہ، نقض، ینقض، نقضاً، الشعر و الحبل، بالوں یا رسی کو بٹنے کے بعد کھولنا، تحثی، حثی، (ض) لہ حثیا، ڈالنا، گرانا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال بہت مضبوط گوندھتی ہوں تو کیا میں غسل جنابت کے لئے اس کو کھولا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ تم تین چلو پانی لے کر اپنے سر پر ڈال لیا کرو، پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہالیا کرو پاک ہو جاؤ گی۔

تشریح: عورت کے لئے اپنے بالوں کو دھونا ضروری نہیں ہاں اصول شعر یعنی بالوں کی جڑوں میں پانی پہونچانا ضروری ہے۔

نقض ضفر رأس: عورت کو غسل میں نقض ضفر رأس ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک نقض ضفائر مطلقاً ضروری ہے۔

امام احمدؒ ابن حنبل کے نزدیک غسل جنابت میں ضروری ہے، غسل حیض میں نہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک عورت کو بالوں کی جڑوں کا تر کرنا ضروی ہے، اگر بالوں کو کھولے بغیر بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں تو کافی ہے۔ پھر بالوں کا کھولنا ضروری نہیں اور اگر بالوں کو کھولے بغیر جڑوں کو تر کرنا ممکن نہ ہو تو پھر بالوں کا کھولنا ضروری ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کی دلیل: وہ حدیث ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو بالوں کے کھولنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

جمہور کی طرف سے اس کے چار جواب ہیں۔

(۱)......ممکن ہے کہ بالوں کی جڑوں میں پانی نہ پہونچنے کی صورت میں حکم فرماتے ہوں۔

(۲)......بطور استحباب حکم فرماتے ہوں۔

(۳)......ہوسکتا ہے یہ ان کا مذہب ہو۔

(۴)......فرمان نبی کے مقابلہ میں قول صحابی حجت نہیں۔

نیز یہ حکم عورتوں کے لئے ہے، اگر مرد کے ضفائر ہوں تو تمام بالوں کو کھولنا اور ان کو تر کرنا ضروری ہے۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔مرقاۃ:۲/۳۵، فتح الملہم:۱/۴۷۵، الدر المنضود:۱/۲۷۶۔

غسل میں پانی کی مقدار

﴿۴۰۴﴾ **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ۔

(متفق علیہ)

حواله: بخاری شریف:۱/۳۳، باب الوضوء بالمد، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۲۰۱، مسلم شریف:۱/۱۴۹، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۲۵۔

حل لغات: صاع، ج اصواع و صیعان، ایک قسم کا پیانہ، المد، ج امداد ومداد، یہ بھی ایک قدیم پیانہ ہے۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع سے پانچ صاع پانی تک سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: حدیث مذکورہ اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے، ایک روایت میں

"ثلثی مد" یعنی ایک ثلث کم ایک مد بھی آیا ہے، اور ایک روایت میں نصف مد بھی وارد ہے، لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔ (کمافی البذل)

جمہور کے یہاں وضو یا غسل کے لئے پانی کی مقدار حتمی طور سے متعین نہیں ہے کہ اس میں کمی وزیادتی جائز نہ ہو بلکہ اس کا مدار دراصل اس پر ہے کہ جتنا پانی تمام بدن کو تر کرنے کے لئے اور وضو میں اعضاء وضو کو تر کرنے کے لئے کافی ہو جائے بس وہی مقدار ضروری ہے، ابتداءً اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، وضو میں دو رکن ہیں غسل اور مسح، غسل کی حقیقت "اسالة الماء" ہے، یعنی اتنا پانی بہانا جس سے تقاطر ہو جائے، اس حقیقت غسل کا پایا جانا ضروری ہے، اور یہی اس کا معیار ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہتر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مقدار ماء منقول ہے جہاں تک ہو سکے اس کی متابعت کی جائے۔

فقہاء نے کلی طور پر یہ بات لکھی ہے کہ جتنا پانی بغیر اسراف وتقتیر کے کافی ہو جائے اتنا ہی استعمال کیا جائے، اسراف وتقتیر دونوں مکروہ ہیں، غرضیکہ مسئلہ تقریباً اجماعی ہے، البتہ ابن شعبان مالکی کا خلاف اس میں مشہور ہے، وہ یوں کہتے ہیں کہ جو مقدار پانی کی حدیث میں وارد ہے اس سے کم جائز نہیں ہے، حضرت شیخ نے اوجز میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے مغنی میں اس مسئلہ میں حنفیہ کا جو اختلاف نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ حنفیہ کا مسلک اس میں وہی ہے جو جمہور علماء کا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ وہ جو ہمارے یہاں ظاہر الروایۃ ہے کہ غسل کے لئے ادنیٰ مقدار ایک صاع اور وضو کے لئے ایک مد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقدار مسنون کا ادنی درجہ ہے، مقدار جائز مراد نہیں ہے۔

صاع اور مد کی مقدار کی بحث اور اس میں اختلاف علماء و دلائل فریقین

یہاں صاع اور مد کی مقدار کے سلسلہ میں ایک مشہور بحث ہے جس کو شراح حدیث اور

فقہاء سب ہی بیان کرتے ہیں، صاع اور مد یہ دو مشہور پیمانے ہیں، اسپر تو سب کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مد کے برابر ہوتا ہے، لیکن من حیث الوزن مقدار مد میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مد رطل وثلث رطل کا ہوتا ہے، لہٰذا ایک صاع پانچ رطل وثلث رطل کا ہوا، طرفین کے نزدیک ایک مد کی مقدار دو رطل ہے، لہٰذا صاع آٹھ رطل کا ہوا، جمہور کا صاع صاع حجازی اور ہمارا صاع صاع عراقی کہلاتا ہے، اور صاع عراقی صاع حجاجی بھی کہلاتا ہے، اسلئے کہ منقول ہے کہ جب صاع عمری مفقود ہوگیا تھا تو حجاج بن یوسف نے اس کا پتہ لگایا تھا، وہ اس بات کا اہل عراق پر احسان بھی جتلایا کرتا تھا اور اپنے خطبہ میں کہا کرتا تھا: ”یا اهل العراق یا اهل الشقاق والنفاق ومساوی الاخلاق الم اخرج لکم صاع عمر“ اور ظاہر ہے کہ صاع عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے موافق ہوگا۔

ہمارے علماء کہتے ہیں کہ صاع عراقی جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے مطابق ہے، جمہور کا دعویٰ یہ ہے کہ صاع حجازی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے موافق ہے، اب فریقین کی دلیل سن لیجئے، جمہور نے اپنے مسلک پر چند دلیلیں قائم کی ہیں۔

دلیــــل اول: یہ ہے کہ صحیحین کی روایت[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرق (جو ایک بڑے پیمانہ کا نام ہے) مساوی ہوتا ہے تین صاع کے اور یہ بات پہلے سے مشہور ہے کہ ایک فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے، لہٰذا سولہ کو تین پر تقسیم کریں گے تو پانچ اور ثلث ہوگا، پس معلوم ہوا کہ صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے۔

---

[1] اس لئے کہ حدیث فدیہ میں وارد ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کو نصف صاع لہٰذا کل تین صاع ہوگئے اور دوسری روایت میں ہے کہ چھ مسکینوں کے درمیان ایک فرق تقسیم کیا جائے، دونوں حدیثوں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک فرق مساوی ہوتا ہے تین صاع کے۔

جواب احناف: ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ بات یقینی نہیں کہ ایک فرق سولہ رطل کے برابر ہوتا ہے اور نہ کسی حدیث سے ثابت ہے، اور اگر وہ یہ کہیں کہ بعض لغویین کے قول سے یہ ثابت ہے تو ہم کہیں گے کہ اہل لغت کا قول ائمہ احناف پر حجت نہیں ہے۔ ''**لانهم قدوة في اللغة ايضا**'' اسی طرح ہمیں یہ بھی تسلیم نہیں کہ ایک فرق مساوی ہے تین صاع کے، بلکہ ہمارے نزدیک یہ بات محل نظر ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ راوی کا استنباط ہے چونکہ راوی کے ذہن میں یہ بات تھی کہ تین صاع ایک فرق کے برابر ہوتا ہے تو اس نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے بجائے صاع کے لفظ فرق کو ذکر کر دیا۔

دلیل ثانی: جمہور نے امام ابو یوسفؒ کے قصہ رجوع سے استدلال کیا ہے وہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اہل مدینہ سے مقدار صاع کی تحقیق فرمائی اور اس کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ''**صاعنا صاع النبي صلى الله عليه وسلم**'' [یعنی ہمارے پاس جو صاع ہے یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے] امام ابو یوسفؒ نے پوچھا ''**ماحجتكم فيه؟**'' [کہ اس بارے میں تمہاری دلیل کیا ہے؟] تو انہوں نے کہا ''**نأتيك بالحجة غدا**'' [یعنی دلیل ہم آئندہ کل پیش کریں گے] چنانچہ دوسرے دن ان کی خدمت میں ابناء مہاجرین میں سے پچاس شیوخ ہر ایک اپنے ساتھ صاع کو لے کر حاضر ہوئے۔ ''**وهو يخبر عن ابيه او عن امه ان هذا صاع النبي صلى الله عليه وسلم**'' [یعنی ان میں سے ہر ایک یہ خبر دے رہا تھا کوئی اپنے والد کے حوالہ سے کوئی اپنے چچا کے حوالہ سے کوئی اپنی ماں کے حوالہ سے کہ یہی صاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع تھا] چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے اس

کا وزن کیا تو وہ پانچ رطل اور ثلث رطل تھا، اس پر امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ کا قول ترک کر دیا۔ "اخرجه البیهقی بسنده" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس موقعہ پر امام مالکؒ نے امام ابو یوسفؒ سے مناظرہ کیا ان ہی صیعان کی بناء پر جو یہ حضرات اہل مدینہ لے کر آئے تھے۔

جواب احناف: (۱)......اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ قواعد محدثین کے پیش نظر اس قصہ سے استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ مجاہیل پر مشتمل ہے: "خمسون شیخا من ابناء المهاجرین و الانصار" کون تھے؟ یہ سب مجہول ہیں، ثانیاً یہ کہ اگر یہ واقعہ اس هیئته کذائیه کے ساتھ جو بیان کی گئی ہے ثابت ہوتا تو عوام اور خواص سب کے درمیان مشہور ہو جاتا، حالانکہ امام محمدؒ نے نہ تو اس قصہ کو ذکر کیا جس میں امام ابو یوسفؒ کا رجوع ذکر کیا جاتا ہے اور نہ ہی انہوں نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف بیان کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں طرفین ہی کے ساتھ ہیں۔

(۲)......ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ نے اس صاع کو جس کو ابناء مہاجرین لے کر آئے تھے جس رطل سے وزن کیا تھا وہ رطل مدنی تھا، اور اہل مدینہ کا رطل اہل بغداد و عراق کے رطل سے زائد ہوتا ہے، اس لئے کہ رطل مدنی تمیں استار کا ہوتا ہے اور رطل بغدادی بیس استار کا۔ اس حساب[1] اور لحاظ سے پانچ رطل و ثلث رطل اور آٹھ رطل دونوں کی مقدار برابر ہو جاتی ہے، دلائل

[1] یعنی ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اس طور پر کہ ہر رطل بیس استار کا ہو اور پانچ رطل وثلث رطل کا ہوتا ہے، اس طور پر کہ ہر رطل تمیں استار کا ہو آٹھ کو اگر بیس میں ضرب دیا جائے تو وہی عدد نکلے گا جو پانچ اور ثلث کو تمیں میں ضرب دینے سے نکلتا ہے، یعنی ایک سو ساٹھ استار۔

کی یہ تمام تفصیلی بحث حضرتؒ نے بذل المجہود میں کتاب الغسل میں پہنچ کر بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائی ہے، ہم نے بطور خلاصہ کے اس کو وہیں سے لیا ہے، امام ابو یوسفؒ کے مسلک اور ان کے قصہ رجوع کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب شیخ ابن الہمامؒ سے منقول ہے، ان کے نزدیک راجح اور اصح یہی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ نہیں ہیں، بلکہ امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دلیل ثالث: امام طحاویؒ نے جمہور کی جانب سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن جس کو فرق کہتے ہیں، اس سے غسل کرتے تھے، اور پہلے سے معلوم ہے کہ فرق تین صاع کے برابر ہوتا ہے، تو اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہر ایک کے غسل کے پانی کی مقدار ایک صاع اور نصف صاع ہے، اور دوسری روایت میں یہ ثابت ہے کہ آپ آٹھ رطل سے غسل فرماتے تھے، تو ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے نتیجہ نکلا کہ ڈیڑھ صاع برابر ہوتا ہے، آٹھ رطل کے جس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کی مقدار پانچ رطل وثلث رطل ہے۔

جواب احناف: ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ فرق کا تین صاع کے برابر ہونا کوئی تحقیقی بات نہیں ہے، دوسرا جواب وہ ہے جو امام طحاویؒ نے دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ تو فرمایا کہ ہم دونوں ایسے برتن سے غسل کرتے تھے جو بقدر فرق ہوتا تھا لیکن انہوں نے یہ نہیں بیان کیا کہ وہ برتن جس کو وہ فرق کہہ رہی ہیں مملوء ہوتا تھا، یا اس سے کم ہو سکتا ہے، وہ مملوء نہ ہو مثلاً پونا ہو اور برابر ہو دو صاع کے تو پھر اب یہ حدیث ان احادیث کے موافق ہو جائے گی جن میں یہ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے۔

احناف کا استدلال: حنفیہ کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں ان کے مسلک کی تصریح ہے، یعنی مد کی تفسیر رطلین کے ساتھ اور صاع کی تفسیر آٹھ رطل کے ساتھ واقع ہے، چنانچہ امام طحاویؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بسند جید نقل کیا ہے: ''**قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغتسل بمثل ھذا**'' اور ایک برتن کی طرف اشارہ فرمایا، مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے اس برتن کا اندازہ لگایا تو وہ آٹھ رطل تھا، یا نو یا دس، غرضیکہ آٹھ تو یقیناً تھا، اس میں وہ کوئی تردد نہیں فرمارہے ہیں۔

اور نسائی میں موسیٰ الجہنی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد کے پاس ایک قدح (پیالہ) لایا گیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا اندازہ لگایا تو وہ آٹھ رطل تھا، مجاہد کہنے لگے کہ مجھ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غسل فرماتے تھے اس میں ہمارے مذہب کی تصریح ہے۔

نیز دار قطنی نے دو طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے: ''**کان صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیة ارطال**'' اس روایت کو اگرچہ دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے؛ لیکن تعدد طرق سے اس کے ضعف کا انجبار ہو جاتا ہے۔

فائدہ اولیٰ: حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صاع عراقی بھی رائج تھا، (جو کہ صاع حجازی سے بڑا ہوتا ہے) اس لئے صدقۃ الفطر میں احوط یہ ہے کہ صاع عراقی کا لحاظ کیا جائے، عرف الشذی میں بھی لکھا ہے کہ صاع عراقی وحجازی دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پائے جاتے تھے، روایات صحیحہ اس پر دال ہیں۔

فائدہ ثانیہ: صاع اور مد کی بحث و تحقیق واہتمام کے ساتھ حضرات فقہاء ومحدثین اس لئے کرتے ہیں کہ یہ دونوں معیار شرعی یعنی شرعی پیمانے ہیں، بہت سے احکام شرعیہ ان سے وابستہ ہیں جیسے صدقۃ الفطر اور فدیہ وکفارات ایسے ہی وضوء وغسل کے پانی کی مقدار۔ کما لایخفیٰ. (الدر المنضود:۲۲۹)

عورت کے بچے ہوئے پانی کا مسئلہ

﴿۴۰۵﴾ وَعَنْ مُعَاذَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ فَيُبَادِرُنِيْ حَتّٰى اَقُوْلُ دَعْ لِيْ دَعْ لِيْ قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ۔

(متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۳۹/۱، باب غسل الرجل مع امرأته، کتاب الغسل، حدیث نمبر: ۲۵۰، مسلم شریف: ۱۴۸/۱، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۲۱۔

حل لغات: یبادرنی، بادر، یبادر، مُبَادَرَةً، مفاعلۃ سے، عجلت کرنا، سبقت کرنا، دع، امر ہے، وَدَعَ یَدَعُ، باب فتح سے، الشیئ چھوڑنا، قرآن پاک میں ہے، ماودعک.

ترجمہ: حضرت معاذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا، میں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے برتن سے جو میرے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہوتا تھا، غسل کرتے

تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانی لینے میں مجھ سے سبقت فرماتے، تو میں کہتی میرے لئے بھی پانی چھوڑ دیجئے، میرے لئے بھی پانی چھوڑ دیجئے، حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ دونوں جنبی ہوتے تھے۔

تشریح: **قوله وهما جنبان الخ:** مطلب یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ غسل جنابت کا بیان فرما رہی ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل سے بچے ہوئے پانی سے مرد کا طہارت کرنا جائز ہے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کر سکتے ہیں، یا نہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱)...... مرد اور عورت دونوں ایک برتن میں اکٹھے طہارت یعنی وضو یا غسل کریں، اس صورت کے جواز پر امام نوویؒ وغیرہ حضرات نے اجماع نقل کیا ہے۔

(۲)...... مرد کسی برتن سے وضو یا غسل کرے اس کے بچے ہوئے پانی سے عورت طہارت حاصل کرے، اس صورت کے جواز پر بھی امام نووی نے اجماع نقل کیا ہے، ان دونوں صورتوں میں اگرچہ خلاف قول ملتے ہیں، لیکن چونکہ وہ شاذ اور غیر معتد بہ ہیں اس لئے ایسے خلاف کا ہونا منافی اجماع نہیں۔

(۳)...... پہلے عورت کسی برتن سے وضو یا غسل کرے اس کے بچے ہوئے پانی سے مرد طہارت حاصل کرے اس میں اختلاف ہے۔

جمہور علماء کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جماہیر فقہاء اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک اگر عورت نے تنہائی میں طہارت حاصل کی ہو تو بچے ہوئے پانی کا استعمال مرد کے لئے مکروہ ہے، اگر عورت نے مرد

کے سامنے طہارت کی ہوتو بچے ہوئے پانی کو مرد بلا کراہت استعمال کرسکتا ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: امام احمدؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو اس باب کی فصل ثالث میں مذکور ہے: "**نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يتوضأ الرجل بفضل طهور المرأة**" فضل سے مراد وہ پانی ہے جو وضو یا غسل کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہے، جمہور کی دلیل ابن عباسؓ کی حدیث زیر بحث ہے، جس کو صاحب مشکوۃ نے بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ ذکر کیا ہے۔

جوابات احادیث نهی: نہی کی حدیث کے جمہور کی طرف سے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔

(۲)...... فضل الطہور کے دو معنی ہیں ایک وہ پانی جو وضو یا غسل کرنے کے بعد برتن میں بچا رہے، دوسرے معنی وہ پانی جو وضو یا غسل کرتے ہوئے اعضاء پر سے گرے علامہ خطابی نے نہی کی اس حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں فضل کے دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی "**انما الماء المتاسقط من الاعضاء**" اور اس سے وضو کرنا ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ مستعمل پانی ہے، اور مستعمل پانی مختار قول کے مطابق طاہر تو ہے، لیکن طہور نہیں ہے، اس لئے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ اختلاف فضل بالمعنی الاول میں ہے اور حدیث میں فضل کا دوسرا معنی مراد ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۳)...... سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ یہاں فضل سے پہلا معنی ہی مراد ہے، لیکن نہی تنزیہی ہے، بتانا یہ مقصود ہے کہ اگرچہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، لیکن خلاف اولیٰ اور خلاف احتیاط ہے، اس لئے کہ عورت کی طبیعت میں نظافت

کا مادہ کم ہے۔

(۴)......اصل میں یہ حدیث باب الطہارۃ سے نہیں بلکہ باب العفۃ سے ہے، عورت سے مراد اجنبیہ ہے، مطلب یہ کہ اجنبیہ کے بچے ہوئے پانی سے وضو غسل نہیں کرنا چاہئے، اس لئے نہیں کہ وہ پانی ناپاک ہوگیا ہے بلکہ اس لئے کہ اس سے غلط تصورات پیدا ہوں گے، جو عفت کے منافی ہیں۔ (اشرف التوضیح:۳۸۷م۱)

﴿الفصل الثانی﴾

بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر تری پانا

﴿۴۰۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ اِحْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ يَرٰى اَنَّهُ قَدْ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ تَرٰى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد) وروی الدارمی وابن ماجة الی قوله لاغسل عليه۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۳۱، باب فيمن يستقيظ فيری بللا ولم يذكر احتلاما، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۱۳، ابو داؤد شریف: ۱/۱۳، باب فی الرجل يجد البلة فی منامه، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۳۶، دارمی: ۱/۲۱۵، ابن ماجه: ۴۵، باب من احتلم ولم ير بللا، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۶۱۲۔

حل لغات: البلل، بَلّۃٌ کی جمع ہے،تری،بَلَّ (ن) بَلًّا وَبَلَلاً، پانی وغیرہ سے تر کرنا،شقائق، شقیقۃ کی جمع ہے،مثل،مانند آدھا چیرا ہوا حصہ،کسی کلمہ سے نکلا ہوا لفظ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے تری کو تو دیکھا مگر اس کو احتلام یاد نہیں رہا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غسل کرے، اور جب اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کو احتلام تو یاد رہا، لیکن اس نے تری نہیں پائی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر غسل واجب نہیں ہے، حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ اگر عورت تری دیکھے تو کیا اس پر بھی غسل واجب ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور ارشاد فرمایا کہ عورتیں مردوں ہی کے مشابہ ہیں۔

تشریح: نیند سے بیدار ہونے کے بعد کپڑوں پر اگر تری نظر آئے تو اس میں علامہ ابن عابدینؒ نے چودہ صورتیں لکھی ہیں۔

(۱)......منی ہونے کا یقین ہو۔

(۲)......مذی ہونے کا یقین ہو۔

(۳)......ودی ہونے کا یقین ہو۔

(۴)......منی اور مذی میں شک ہو۔

(۵)......مذی اور ودی میں شک ہو۔

(۶)......منی اور ودی میں شک ہو۔

(۷)......منی مذی اور ودی تینوں میں شک ہو۔

اب ان میں سے ہر ایک میں احتلام یاد ہوگا یا نہیں اس طرح یہ چودہ صورتیں ہو جائیں گی، ان میں سے سات صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب ہے۔

(۱)......منی ہونے کا یقین ہو، اور احتلام یاد ہو۔

(۲)......منی ہونے کا یقین ہو، اور احتلام یاد نہ ہو۔

(۳)......مذی ہونے کا یقین ہو، اور احتلام یاد ہو۔

(۴)......منی اور مذی میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔

(۵)......مذی اور ودی میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔

(۶)......منی اور ودی میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔

(۷)......منی مذی اور ودی تینوں میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔

اور چار صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب نہیں۔

(۱)......ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو۔

(۲)......ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۳)......مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۴)......مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

اور تین صورتوں میں اختلاف ہے۔

(۱)......منی اور مذی میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔

(۲)......منی اور ودی میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔

(۳)......منی اور مذی اور ودی تینوں میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔

ان تینوں صورتوں میں طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔ (شامی: ۱/۳۰۱)

قولہ إنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ الخ: مطلب یہ ہے کہ عادت وخصلت میں عورتیں مردوں ہی کے مشابہ ہیں، گویا عورتیں مردوں سے ہی نکلی ہیں، چونکہ

حضرت حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام سے ہی نکلی اور پیدا ہوئی ہیں، اس لئے ان کا حکم بھی مردوں جیسا ہی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۶۳/۲، بذل: ۱۴۴/۱۔

دخولِ حشفہ سے غسل

﴿۴۰۷﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا۔ (رواه الترمذي وابن ماجة)

حواله: ترمذی شریف: ۳۰/ ۱، باب اذا التقى الختانان وجب الغسل، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۰۸، ابن ماجه شریف: ۴۵، باب فی وجوب الغسل اذا التقى الختانان، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۰۸۔

حل لغات: جاوز، مجاوزةً، باب مفاعلت سے، تجاوز کرنا، پار کرنا، آگے بڑھنا۔

ترجمه: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مرد کے ختنہ کا مقام عورت کے ختنہ کے مقام سے آگے بڑھ گیا تو غسل واجب ہو گیا، چنانچہ میں نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔

تشریح: إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ وَجَبَ الْغُسْلُ: یعنی مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کی ختنہ کی جگہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جائے گا، ختان مرد و عورت کی

شرمگاہ میں ختنہ کی جگہ کو کہتے ہیں، اور وہ عام ہے، خواہ مختون ہو یا غیر مختون اس لئے کہ عورت کے ختان سے تجاوز کرنا یہ لطیف کنایہ ہے جماع سے اسی کو حشفہ کا چھپ جانا کہتے ہیں اور حشفہ ذکر کے سر کو کہتے ہیں اگر چہ دبر میں ہی کیوں نہ ہو اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ غیوبت حشفہ سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، کچھ صحابۂ کرام کا اس میں اختلاف تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وجوب غسل پر اجماع منعقد ہو گیا۔

اس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ:۲/۳۷، عرف الشذی: ۱/۳۰۔

عظیم معجزہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور پھر دونوں نے غسل کیا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں بلکہ مبارک زندگی میں پیش آنے والی ایک ایک چیز خلوت کی ہو یا جلوت کی سب محفوظ ہے، اور یہ خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے، دنیا کا کوئی دوسرا انسان ایسا نہیں کہ اس کی زندگی اس طرح محفوظ ہو اور اس کی جلوت کی طرح خلوت کی باتیں۔ یہاں تک کہ گھریلو باتیں میاں بیوی کے درمیان پیش آنے والی باتیں بھی جن کا بیان کرنا بھی حیا کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اس طرح محفوظ ہوں اور حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا کتنا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے خلوت میں پیش آنے والی باتوں کی حفاظت کی اور ان کو امانت جان کر امت کے حوالہ کیا۔ اور حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا کیسا یقین کامل تھا، اور ان کو اس کا بھی یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم جو بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ایک عمل دنیا کے لئے سبب ہدایت ہے۔فقط

ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے

﴿۴۰۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَالْحَارِثُ بْنُ وَجِیْهٍ الرَّاوِیُّ وَهُوَ شَیْخٌ لَیْسَ بِذَاكَ۔

حواله: ترمذی شریف: ۲۹/ ۱، باب تحت کل شعرة جنابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۰۶،ابوداؤد شریف: ۳۳/ ۱، باب الغسل من الجنابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۴۸،ابن ماجه شریف: ۴۴، باب تحت کل شعرة جنابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۵۹۷۔

حل لغات: انقوا، امر ہے،انقیٰ انقاءً، الشئی، صاف کرنا،البشرة، کھال،ظاہری سطح،الشعر، بال،جنابةٌ، جَنُبَ (ک) جنابةً، جنبی ہونا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے،لہٰذا بالوں کو دھوؤ، اور جسم کو پاک کرو، (ابوداؤد،ترمذی، ابن ماجہ)ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اس حدیث کے راوی حارث ابن وجیہ ہیں، یہ بہت بوڑھے شخص تھے ان کا اعتبار نہیں۔

تشریح: حدیث پاک سے غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشاق کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ناک میں بھی بال ہوتے ہیں، اسی طرح سر کے بالوں کی

جڑوں کوتر کرنے کا وجوب بھی معلوم ہوتا ہے، باقی نقض ضفائر اور اس میں مرد وعورت میں فرق اس کی پوری تفصیل اوپر گذر چکی۔

بال برابر جگہ کا خشک رہ جانا

﴿۴۰۹﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ ثَلَاثًا۔ (رواه ابوداؤد واحمد والدارمی) إِلَّا أَنَّهُمَا لَمْ يُكَرِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۳/۱، باب الغسل من الجنابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۴۹، مسند احمد: ۹۴/۱، دارمی: ۲۱۰/۱، باب من ترک موضع شعرة من الجنابة، کتاب الوضوء، حدیث نمبر:۷۵۱۔

حل لغات: عادیت، عاداه، معاداة وعداء، دشمنی کرنا، دشمن بنانا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غسل جنابت میں ایک بال کے بقدر بھی جگہ چھوڑ دی کہ اسے دھویا نہیں تو اسے اس کی وجہ سے اس طرح اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی، اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی، تین بار کہا۔ (ابوداؤد، احمد، دارمی) امام احمدؒ نے یہ الفاظ ''اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی'' مکرر ذکر نہیں کئے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل حلق

رأس نقل کیا گیا ہے۔

التفضیل بین حلق الرأس واتخاذ الشعر

اس حدیث شریف سے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے حلق کے سنت ہونے پر استدلال کیا ہے، کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے طریقہ پر قائم و برقرار رکھا اور ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ ان خلفاء راشدین میں سے ایک ہیں جن کی اتباع و پیروی کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بقیہ خلفائے راشدین کے عمل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بقیہ تمام خلفائے راشدین کا عمل عدم حلق بلکہ اتخاذ شعر ہے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل مباح تو ہو سکتا ہے، سنت نہیں البتہ اس کو سنت علوی کہہ سکتے ہیں نہ کہ سنت نبوی اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے حاشیہ بذل میں ابن قدامہ حنبلیؒ سے نقل کیا ہے کہ اتخاذ شعر ازالۂ شعر سے افضل ہے۔ یعنی بالوں کا رکھنا بالوں کے منڈانے سے افضل ہے۔

اور امام احمدؒ کی ایک روایت میں حلق رأس مکروہ ہے، چونکہ ایک حدیث شریف میں خوارج کی علامت حلق رأس بیان فرمائی ہے۔ سیماهم التحليق.

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۳۸، بذل: ۱/۱۵۲، الدر المنضود: ۱/۳۷۶۔

غسل کے بعد وضو

﴿۲۱۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ۔ (رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجة)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۳، باب الوضوء بعد الغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۵۰، ترمذی شریف: ۱/۳۰، باب الوضوء بعد الغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۰۷، نسائی شریف: ۱/۲۹، باب ترک الوضوء بعد الغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۶۰، ابن ماجه: ۴۳، باب فی الوضوء بعد الغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۵۷۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ غسل میں خود بھی وضو شامل ہے کہ غسل کرنے سے وضو بھی ہو ہی جاتا ہے اور غسل سے قبل وضو کرنا سنت بھی ہے اس لئے غسل کرنے کے بعد جب نماز وغیرہ پڑھنا چاہے تو وہی غسل کافی ہے، تجدید وضو کی ضرورت نہیں۔

البتہ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر جنبی جنابت سے قبل محدث تھا تو اس کو غسل جنابت کے ساتھ وضو کرنا بھی واجب ہے، خواہ غسل جنابت سے قبل کرے یا بعد۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۳۸۔

خطمی سے سر کو دھونا

﴿۴۱۱﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذَالِكَ وَلَايَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ۔

(رواہ ابو داؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۳۴/ ۱، باب فی الجنب یغسل رأسہ بالخطمی، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۵۶۔

حل لغات: الخطمی، ایک نفع بخش بوٹی جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے، اس کے خشک پتوں کو کوٹ کر اس کے پانی سے سر دھویا جاتا ہے۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا سر خطمی سے دھوتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔ اسی پر اکتفا کرتے، سر پر دوسرا پانی نہ ڈالتے۔

تشریح: خطمی: مشہور بکسر الخاء ہے، اور فتح خاء کے ساتھ بھی آتا ہے، یہ ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے، جو دواؤں میں بھی استعمال ہوتی ہے، اس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کو پانی میں بھگونے سے پانی میں لعاب پیدا ہو جاتا ہے، پھر اس سے سر اور داڑھی کے بالوں کو دھوتے ہیں، جس سے بال ملائم اور جلد صاف ہو جاتے ہیں، اس کے بیج بھی اسی کام آتے ہیں جو تخم خطمی کے نام سے مشہور ہیں، فقہاء نے بھی غسل میت میں خاص طور سے سر کے بال اور داڑھی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو ماء خطمی سے دھویا جائے، اور باقی بدن کو بیری کے پانی سے، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں ہندوستان میں لوگوں نے عملاً ماء خطمی کو میت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے، حالانکہ اس میں میت کی خصوصیت نہیں، زندگی میں بھی اس کا استعمال کرنا چاہئے، خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک عرصہ تک غسل میں اس کے استعمال کا معمول رہا جیسا کہ حدیث شریف سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطمی سے سر کے بالوں کو دھونا معلوم ہوا، لہٰذا اس کا استعمال سنت ہوا۔

يَجْتَزِئُ بِذٰلِكَ وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ الخ: یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر مبارک کو ماء خطمی سے دھونے پر اکتفا فرماتے تھے، اور خالص پانی نہ

بہاتے تھے۔

ماء مخلوط بشی طاہر سے طہارت کا حکم

پانی میں کوئی پاک چیز مل جائے جس سے پانی کی بو، مزہ، رنگ بدل جائے مگر اس میں رقت سیلان باقی رہے، جیسے خطمی، صابن، اشنان وغیرہ سے ہوتا ہے تو اس سے طہارت حاصل ہونے میں اختلاف ہے۔

جمہور علماء عدم جواز کے قائل ہیں اور احناف جواز کے قائل ہیں۔

یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اور ایسے ہی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غسل فرمایا **بماءٍ فیہ اثر العجین**، جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے، اور امام نسائیؒ نے اس پر مستقل ترجمہ قائم کیا ہے، اور اسی طرح غسل میت میں "**ماء سدر**" کا استعمال یہ سب چیزیں مسلک حنفیہ کی مؤید ہیں، مگر غسل میت والی روایت کا حافظ نے شافعیہ کی طرف سے یہ جواب نقل کیا ہے کہ غسل میت تنظیف کے لئے ہے نہ کہ تطہیر کے لئے، حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ حافظ کا یہ کہنا کہ غسل میت تنظیف کے لئے ہے، یہ امام شافعیؒ وغیرہ کا قول ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ غسل تطہیر کے لئے ہے، اس لئے کہ حلول موت کی وجہ سے آدمی ناپاک ہوجاتا ہے جس طرح اور دوسرے حیوانات جن میں دم سائل ہے، موت سے ناپاک ہوجاتے ہیں، مگر آدمی کی خصوصیت یہ ہے کہ "**اکراماً لہ**" کہ وہ غسل دینے سے پاک ہوجاتا ہے، حدیث الباب کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک رجل مجہول ہے، اس کے علاوہ ابن رسلان نے اس حدیث کی ایک تاویل بھی کی ہے وہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر پر خطمی رکھ کر پھر اوپر سے پانی بہاتے ہوں، لیکن یہ خلاف ظاہر ہے اس لئے کہ ماء خطمی سے بالوں کو دھونے کا فائدہ اسی وقت ہوسکتا

ہے جب پہلے اس کو کچھ دیر پانی میں تر رکھا جائے تا کہ پانی میں لعاب پیدا ہو، اور اصل اس کا لعاب ہی مطلوب ہوتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ بذل: ۱/۱۵۴، الطیبی: ۲/۱۰۲، الدر المنضود: ۱/۳۷۹۔

غسل میں پردہ

﴿۴۱۲﴾ وَعَنْ يَعْلىٰ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی) وَفِیْ رِوَايَتِهٖ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ سِتِّيْرٌ فَإِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْءٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۰۱، باب النھی عن التعری، کتاب الحمام، حدیث نمبر: ۴۰۱۲۔

حل لغات: صعد، (س) صعودا، اوپر ہونا، الجبل والسلم وفیہ وعلیہ، پہاڑ یا سیڑھی پر چڑھنا، المنبر، بلند جگہ، واعظ وخطیب کے لئے مسجد کا منبر، ج منابر، ستیر، پاکدامن، حیادار، ج ستراء۔

ترجمہ: حضرت یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلی جگہ میں سب کے سامنے غسل کررہا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت حیا والے، پردہ پوشی فرمانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ حیا اور پردہ کو پسند کرتے ہیں، لہذا تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو اس کو چاہئے کہ کسی چیز کے ذریعہ

پردہ کرے۔

تشریح: براز،میدان۔

فائدہ: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کھلی جگہ میں غسل کرے جہاں ستر پر دوسروں کی نظر پڑسکتی ہے تو پردہ کرنا واجب ہے اور تنہائی میں اگر غسل کرے جہاں کسی کی ستر پر نظر نہ پڑسکے تو پردہ کرنا واجب نہیں صرف افضل ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔مرقاۃ:۲/۳۹۔

﴿الفصل الثالث﴾

ابتدائے اسلام میں غسل انزال کے بعد تھا

﴿۴۱۳﴾ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُخْصَةً فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا۔

(رواه الترمذی وابو داؤد والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۳۱، باب ماجاء ان الماء من الماء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۱۰،ابو داؤد شریف: ۱/۳۱، باب فی الاکسال، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۱۴،دارمی: ۱/۲۱۳، باب الماء من الماء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''پانی پانی سے ہے'' کا حکم ابتدائے اسلام میں رخصت دینے کے لئے تھا، پھر اس سے منع کر دیا گیا۔

تشریح: ابتدائے اسلام میں غسل صرف انزال منی سے ہوتا تھا، جماع ناقص یعنی

دخول حشفہ سے غسل نہ تھا، یہ رخصت تھی بعد میں اس سے منع کردیا گیا، اور جماع ناقص یعنی صرف دخول حشفہ سے بھی غسل کا حکم دیا گیا، یہ بھی ان قوانین میں سے ہے جو پہلے ہلکے تھے اور بعد میں ذرا اور سخت ہوگئے، اس کی پوری تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

غسل میں بال برابر جگہ خشک رہ گئی

﴿۴۱۴﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اِغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفْرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ أَجْزَاكَ۔ (رواه ابن ماجة)

حواله: ابن ماجه شريف: ۴۸، باب من اغتسل من الجنابة فبقى من جسده لمعة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۶۴۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے جنابت کا غسل کیا اور فجر کی نماز پڑھی، پھر میں نے دیکھا کہ ناخن کے برابر جگہ ہے، وہاں پانی نہیں پہنچ سکا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اگر ایسا کرتے کہ اپنے ہاتھ سے اس جگہ کا مسح کر لیتے تو کافی ہوجاتا۔

تشریح: لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ الخ: اس سے غسل خفیف مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ غسل کے دوران اس جگہ ذرا سا ہاتھ پھیر لیتے ہلکا سا اس کو دھو لیتے کافی ہوجاتا، لیکن چونکہ اس وقت ایسا نہیں کیا، اور اتنا حصہ خشک رہ گیا اس لئے غسل نہیں ہوا اور نماز بھی نہیں ہوئی، اس لئے اس جگہ کا غسل جدید اور نماز فجر کی قضا لازم ہے۔ پس حدیث شریف

سے معلوم ہوا کہ ناخون کے برابر بھی خشک جگہ رہ جائے تو غسل نہیں ہوتا۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۴۰۔

نجس کپڑے کو پاک کرنے کا مسئلہ

﴿۴۱۵﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسِيْنَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغَسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۳۳، باب الغسل من الجنابة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۴۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرض نمازیں پچاس تھیں اور جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے لئے سات بار غسل بھی کرنا تھا، اور کپڑے پر لگا ہوا پیشاب بھی سات بار دھونا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر درخواست کرتے رہے، یہاں تک کہ پانچ نمازیں فرض قرار پائیں، اور جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا ایک مرتبہ اور کپڑے پر لگا ہوا پیشاب دھونا ایک بار فرض قرار پایا۔

تشریح: نماز میں تخفیف کا مسئلہ تو مشہور ہے کہ لیلۃ المعراج میں پیش آیا، بقیہ دو چیزیں جن کا اس حدیث پاک میں ذکر ہے اس میں دونوں احتمال ہیں یہ بھی کہ ان میں بھی تخفیف اس شب میں ہوئی ہو اور یہ بھی کہ کسی اور وقت ہوئی ہو۔

ثوب نجس کی تطہیر میں مذاہب ائمہ

اس حدیث میں ثوب نجس کی تطہیر کا جو مسئلہ مذکور ہے وہ مختلف فیہ ہے۔

امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے یہاں اس حدیث کے مطابق صرف ایک بار دھونا کافی ہےاور امام احمدؒ کی اس میں دو روایت ہیں۔

ایک یہ کہ سات بار دھونا ضروری ہے دوسرے یہ کہ ایک بار کافی ہے۔

مغنی میں ان کا مذہب مثل شافعیہ لکھا ہےاور ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک تمام نجاسات کا سات بار دھونا ضروری ہےاور حنفیہ کے یہاں تین بار دھونا ضروری ہے،اس لئے کہ حدیث میں ولوغ کلب کے سلسلہ میں ایک روایت میں تطہیر اناء ثلثاً وارد ہوا ہے،نیز استیقاظ من النوم میں تین بار غسل یدین کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے جب کہ وہاں صرف احتمال نجاست ہے، ظاہر ہے کہ تحقق نجاست کی شکل میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا، اورحدیث الباب مالکیہ اور شافعیہ کے موافق ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں ایوب ابن جابر اور عبداللہ بن عصم دونوں ضعیف ہیں، جاننا چاہئے کہ ہمارے یہاں تقدیر بالثلاث لازم نہیں ہے، بلکہ اصل میں مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے، جب اس کوطہارت کا ظن غالب ہوجائے تب کپڑا پاک ہوگا،لیکن چونکہ عامۃً تین مرتبہ میں ظن غالب ہو ہی جاتا ہے،اس لئے تین کی قید ہے،نیز یہ حکم نجاست غیر مرئیہ کا ہے، اورنجاست مرئیہ میں طہارت کا مدار عین نجاست کے زوال پر ہے، جب تک اس کا ازالہ نہ ہوگا،طہارت حاصل نہ ہوگی۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔الدر المنضود:۳۷۵/۱،مرقاۃ:۲/۴۰،بذل:۱/۱۵۱۔

باب مخالطة الجنب وما يباح له

رقم الحدیث:...... ۴۱۶/ تا ۴۳۶/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مخالطة الجنب وما يباح له

﴿الفصل الاول﴾

حکمت جنابت

﴿٤١٦﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَیْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَیْنَ کُنْتَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَایَنْجَسُ۔ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ لَقِیْتَنِیْ وَاَنَا جُنُبٌ فَکَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰی اَغْتَسِلَ وَکَذَا الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۲، باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق وغیرہ، کتاب الغسل، حدیث نمبر: ۲۸۵، مسلم شریف: ۱/۱۶۲، باب الدلیل علی ان المسلم لاینجس، حدیث نمبر: ۳۷۱۔

حل لغات: انسللت، انْسَلَّ، اِنْسِلَالاً، باب انفعال، من مکان، آہستہ

سے نکلنا، آنکھ بچا کر نکل جانا، الرحل، ج رحال، اونٹ کا کجاوہ، قیام گاہ، لاینجس، نَجِسَ (س) الشئی نجسًا، گندہ ہونا، ناپاک ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی، درانحالیکہ میں جنبی تھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک آپ بیٹھ گئے، چنانچہ میں دبے پاؤں نکلا اور ٹھکانہ پر آیا، پھر میں نے غسل کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سبحان اللہ" [اللہ کی ذات پاک ہے] بلاشبہ مومن تو ناپاک ہوتا ہی نہیں ہے۔ روایت کے یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم نے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے، اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول "فقلت لہ" [میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا] کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے "لقد لقینی الخ" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میری ملاقات ایسی حالت میں ہوئی تھی کہ میں جنبی تھا تو مجھے غسل کئے بغیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا برا لگا، بخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ زائد ہیں۔

تشریح: انسللت: انسلال کہتے ہیں نیام سے تلوار نکالنے کو، کیونکہ وہ بہت جلدی سے نکالی جاتی ہے اس وجہ سے چپکے اور جلدی سے چلے جانے کو بھی انسلال کہتے ہیں، جب آپ واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کہاں تھے، معلوم ہوا کہ غیر حاضری پر باز پرس بھی ہونی چاہئے۔

فقلت لہ: پس میں نے ان کو سارا قصہ کہہ سنایا۔

فقال سبحان اللہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور اظہار تعجب فرمایا: جملہ عیوب ونقائص سے پاک تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے علاوہ تمام چیزیں نقائص سے مملو اور بھری ہوئی ہیں۔ رہا مومن تو یہ جنابت سے صرف حکماً ناپاک ہوجاتا ہے، حقیقۃً ناپاک نہیں ہوجاتا، ایسا نہیں کہ اس سے ملاقات بھی نہ کیجا سکے، حالت جنابت میں صرف چند چیزوں کی ممانعت ہوجاتی ہے، جیسے نماز، تلاوت قرآن، اور طواف کعبہ، اس کے علاوہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ فقط

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم: ۴۹۱/۱، مرقاۃ: ۴۱/۲، التعلیق الصبیح: ۲۲۲/۱۔

فوائد

حدیث پاک سے متعدد فوائد معلوم ہوئے۔

(۱)...... کسی عذر کی وجہ سے غسل جنابت میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔

(۲)...... حالت جنابت میں بازار وغیرہ جاسکتے ہیں۔

(۳)...... بات کرسکتے ہیں، بدن چھو سکتے ہیں، پاس میں بیٹھ سکتے ہیں۔ ساتھ میں کھا پی سکتے ہیں، ان کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں ہے۔

(۴)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیسا مشفقانہ تعلق تھا کہ ازخود ان سے ملاقات میں پیش قدمی فرماتے تھے، جیسا کہ "لقینی" کا جملہ بتا رہا ہے کہ ملاقات میں ابتداء آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ازخود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، معلوم ہوا کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ اسی طرح شفقت کا معاملہ کرنا چاہئے۔

(۵)...... اپنے چھوٹوں کی نگرانی بھی رکھنی چاہئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غائب ہو گئے تو دریافت فرمایا: "اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ" ابو ہریرہ تم کہاں تھے، کہاں غائب ہو گئے تھے۔

(٦)......اگر کسی شخص کے بارے میں کسی بدگمانی کا خدشہ ہو تو متعلقہ شخص سے دریافت کر لینا چاہئے اور دوسرے شخص کو بھی صاف صاف بتا دینا چاہئے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اصل بات صاف صاف بتا دی اخفاء نہیں کیا۔

اشکال مع جواب

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاقات میں پیش قدمی فرمائی جب کہ جملہ "لقيني الخ" سے ظاہر ہو رہا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش قدمی کیوں نہیں کی جب کہ بڑوں سے ملاقات میں پیش قدمی چھوٹوں کی طرف سے ہونی چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جنابت کی وجہ سے ملاقات سے حجاب ہو رہا تھا، اور اس حالت میں ملاقات کو بے ادبی سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے پیش قدمی نہیں کی۔ واللہ اعلم

حالت جنابت میں وضو کر کے سونا

﴿۴۱۷﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔

(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۴۳/ ۱، باب الجنب یتوضأ ثم ینام، کتاب الغسل، حدیث نمبر:۲۹۰،مسلم شریف: ۱۴۴ / ۱، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج، کتاب الحیض، حدیث نمبر:۳۰۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ ان کو رات میں غسل جنابت کی ضرورت پڑتی ہے،تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وضو کرلو اور اپنے عضو مخصوص کو دھولو پھر سو جاؤ۔

تشریح: مقصد یہ تھا کہ رات کو جب غسل کی حاجت ہو جائے تو کیا اسی وقت غسل کرنا واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: وضو اور استنجا کرلیا کرو، پھر سو جایا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ فوراً غسل کرنا واجب نہیں، بلکہ اس وقت وضو کرلیا، ذکر کو دھولیا اور سو گئے پھر صبح کو غسل کرلیا اس کی بھی گنجائش ہے،مگر افضل تو یہی ہے کہ فوراً غسل کرلیا جائے۔

تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ الخ: جمہور علماء فقہاء کی رائے یہی ہے کہ جنبی کے لئے سونے سے پہلے اپنے ذکر کو دھونا اور وضو کرلینا مستحب ہے، یہی قول ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے،لیکن بعض اہل ظاہر وجوب کے قائل ہیں اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے، کہ احناف وشوافع کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، الا یہ کہ شوافع کے نزدیک استحباب تاکیدی ہے، اور ہمارے نزدیک استحباب غیر تاکیدی ہے،لہٰذا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ حدیث شریف میں ہمارے مذہب کی صراحت ہے، یہ قول بے معنی ہے،اس لئے کہ اس میں کسی کا اختلاف ہی نہیں بلکہ اختلاف تو صرف اس میں ہے کہ وضوء عرفی پر اکتفا جائز ہے، یا نہیں؟ وہ اگر چہ وضوء شرعی کے ترک کو مکروہ سمجھتے ہیں، لیکن حنفیہ اور سفیان

ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں بغیر وضو کے جنبی کے لئے سونے میں کوئی حرج نہیں پھر علماء جمہور کے نزدیک شرعی وضو کی حکمت تخفیف حدث ہے۔

مومن کی روح کا بحالت نوم عرش کے نیچے سجدہ کرنا

حافظ ابن القیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب مومن بندہ سوجاتا ہے، تو اس کی روح کو اوپر لیجایا جاتا ہے تا کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرے اب اگر آدمی پاک ہوتا ہے تو روح کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور اگر وہ جنبی ہوتا ہے تو اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنبی کو سوتے وقت وضو کرنے کا حکم فرمایا ہے، چونکہ حدث کو ہلکا کردیتا ہے، اور بعض وجوہ سے اس کو پاک کردیتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۴۲، التعلیق الصبیح: ۱/۲۲۳، فتح الملہم: ۱/۴۶۴،

جنبی کا وضو کر کے کھانا پینا

﴿۴۱۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جُنُبًا فَاَرَادَ اَنْ يَّاكُلَ اَوْ يَنَامَ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۴۳، باب الجنب یتوضأ ثم ینام، کتاب الغسل، حدیث نمبر: ۲۸۸، مسلم شریف: ۱/۱۴۴، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضو له الخ، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۷۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب غسل کی ضرورت پیش آتی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے وضو کی طرح وضو فرمالیتے تھے۔

تشریح: جمہور علماء کا مذہب یہی ہے اور وضو سے وضو شرعی مراد ہے، چونکہ حدیث الباب میں "یتوضأ وضوئه للصلوة" ہے، جو جمہور کی دلیل ہے۔

باقی ظاہر یہ اور امام مالکؒ کی بھی ایک روایت ہے کہ کھانے کے لئے وضو لغوی صرف ہاتھ دھونا کلی کرنا مراد ہے، اور سونے کے لئے وضو شرعی۔

جمہور کی طرف سے ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ تو کھانے کا ادب ہے، یہ جنبی کی کیا تخصیص ہوئی، اور جس روایت میں صرف ہاتھ دھوکر حالت جنابت میں کھانا کھانا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ بیان جواز پر محمول ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم: ۱/۴۶۳۔

دو جماع کے درمیان وضو کرنا چاہئے

﴿۴۱۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَهْلَهٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّعُوْدَ فَلْیَتَوَضَّأْ بَیْنَهُمَا وُضُوْءً۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۴۴، باب جواز نوم الجنب الخ، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی عورت سے جماع کرے اور پھر دوبارہ ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ ان دونوں کے درمیان وضو کرلے۔

تشریح: اتیان فعل کنایہ ہے جماع کرنے سے۔ جماع جائز تو بغیر غسل کے بھی ہے۔ مگر درجہ وسطی یہ ہے کہ درمیان میں کم از کم وضو کرلے۔

جمہور کے نزدیک یہ وضو مستحب ہے، چونکہ حدیث پاک میں یہ جملہ بھی نقل کیا جاتا ہے "فانه انشط للعود" کہ یہ زیادتی نشاط کا باعث ہے، ظاہر یہ کے نزدیک یہ وضو واجب ہے، وہ حضرات اس کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم: ۴۶۴/۱، التعلیق الصبیح: ۲۲۳/۱۔

متعدد ازواج سے صحبت کے بعد غسل

﴿۴۲۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ عَلٰى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱۴۴/۱، باب جواز نوم الجنب الخ، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۰۹۔

حل لغات: یطوف، طاف (ن) طوفاً، بالمکان وحوله، ارد گرد گھومنا، چکر لگانا، یہاں مراد جماع کرنا ہے۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے پاس ہو آتے تھے اور ایک ہی غسل فرماتے تھے۔

تشـــریـــح: مطلب یہ ہے کہ کبھی بیانِ جواز کے لئے ایسا بھی فرمایا ہے، ورنہ تو عادت مبارکہ ایسے موقعہ پر ہر ایک سے ملاقات فرمانے کے بعد غسل فرمانے کی تھی، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اخیر میں ایک ہی غسل کیوں نہ فرمالیا تو ارشاد فرمایا: ''ھذا ازکیٰ واطیب'' [یہ زیادہ عمدہ اور زیادہ پاکیزہ ہے۔]

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم: ۴۶۴/۱، التعلیق الصبیح: ۲۲۳/۱۔

اشکالات مع جوابات

اس حدیث شریف پر تین اشکال ہوتے ہیں، تینوں کو مع جواب نقل کیا جاتا ہے۔

اشـکـال (۱): جب متعدد بیویاں ہوں تو تقسیم واجب ہے اور تقسیم کا کم سے کم حصہ ایک بیوی کے لئے ایک رات ہے، تو پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں تمام بیویوں کو کیسے جمع فرمایا؟

جـواب: (۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تقسیم واجب نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تقسیم کر رکھی تھی وہ تبرعاً بیویوں کی دلجوئی کے لئے تھی۔

(۲)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ان کی رضا و اجازت سے کیا تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تیمارداری اور علاج کے لئے تمام بیویوں سے اجازت لی تھی، اور انہوں نے برضا و رغبت اجازت دیدی تھی۔

(۳)...... یہ واقعہ حجۃ الوداع میں احرام باندھنے سے پہلے کا ہے، جس کا مقصد بیویوں کی حاجت کو پورا کرنا تھا، اور اتنا موقع نہیں تھا کہ سب کے پاس ایک ایک رات گذارتے، اگرچہ اس کو راوی نے لفظ ''کـان'' سے تعبیر کیا ہے، جو مضارع پر داخل

ہوکر استمرار وعادت کا فائدہ دیتا ہے۔

(۴)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کسی سفر سے واپسی پر فرمایا کہ وہ دن کسی کے لئے متعین نہیں تھا، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کرنے کی تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دن تمام بیویوں سے ملاقات کی، تاکہ سب کی دلجوئی ہوجائے۔

(۵)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا اس بیوی کی رضاوخوشنودی کے بعد کیا جس کی باری تھی۔

(٦)...... ابن العربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک ایسی گھڑی عطا کی تھی جو ازواج مطہرات میں سے کسی کا حق نہیں تھی، وہ گھڑی صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے منتخب تھی، اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے یہاں چاہتے جاتے، کبھی تمام بیویوں کے پاس ہوآتے، اور کبھی بعض کے پاس جاتے تھے، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے کہ وہ گھڑی عصر کے بعد تھی۔

(۷)...... سفر میں تشریف لیجاتے ہوئے ایسا فرمایا تاکہ سب کی دلجوئی ہوجائے۔

(۸)...... باری کادور پورا ہونے کے بعد دوسرا دور شروع فرمانے سے قبل ایسا فرمایا، لہٰذا ان سب جوابات سے اشکال مذکورہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

اشکال (۲): بخاری شریف میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اتنی قوت وطاقت تھی کہ ایک وقت میں اپنی تمام بیویوں سے ملاقات کرلیتے تھے۔؟

جواب: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی تھی، اور ایک جنتی مرد میں سو مردوں کی قوت ہوتی ہے، تو گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرقاۃ: ۲/۴۲، فتح الملہم: ۱/۴۶۵، بذل المجہود: ۱/۱۳۴، عمدۃ القاری: ۳/۳۹۔

تیسرا اشکال: یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان کو اس کا کیسے علم ہوا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات خادم تھے، اور پانی وغیرہ کا انتظام کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی اس لئے ان کو اس کا علم ہوا۔

ہر حالت میں ذکر اللہ

﴿۴۲۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلىٰ كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ (رواه مسلم) وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ سَنَذْكُرُهٗ فِيْ كِتَابِ الْاَطْعِمَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۶۲، باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابة وغيرها، كتاب الحيض، حدیث نمبر: ۳۷۳۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں ذکر فرماتے تھے۔ (مسلم) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ہم ان شاء اللہ ''كتاب الاطعمة'' میں ذکر کریں گے۔

تشـــریح: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ہر حالت میں ذکر اللہ کی اجازت ہے، یہاں تک کہ بحالت حدث و بحالت جنابت یعنی وضو بلا وضو غسل بلا غسل ذکر اللہ کی اجازت ہے، لیکن ایک دوسری حدیث پاک میں ہے: "**کرهت ان اذ کر الله علی غیر طهور**" [کہ بغیر طہارت کے میں نے اللہ کا ذکر کرنا مکروہ جانا] لہٰذا دونوں حدیثوں میں تعارض ہوگیا، اس کے متعدد جوابات دئے گئے ہیں۔

جوابات

اول: کراہت تنزیہی مراد ہے، کراہت خلاف اولیٰ پر محمول ہے، اور حدیث الباب بیان جواز پر محمول ہے، کہ بیان جواز کے لئے بلا طہارت بھی ذکر فرماتے تھے۔

دوم: جہاں کراہت کا ذکر ہے وہاں ذکر لسانی مراد ہے، اور جہاں ہر وقت ذکر کا ذکر ہے، وہاں ذکر قلبی مراد ہے۔

سوم: احیان سے مراد احیان طہارت مراد ہے۔

چہارم: احیانہ میں ضمیر کا مرجع ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس ذکر کا جو وقت ہے اس وقت میں وہ ذکر فرماتے تھے۔

ذکر لسانی اور ذکر قلبی میں کون افضل ہے؟

ابن حجر علیہ الرحمہ ذکر لسانی کو ذکر قلبی سے افضل فرماتے ہیں۔ مگر علماء ظاہر و باطن کا اس پر اجماع ہے کہ ذکر قلبی ذکر لسانی سے بہتر ہے، یہ حدیث شریف محدث کے لئے تلاوت ذکر تسبیح وتہلیل تکبیر وتحمید وغیرہ اذکار کے جائز ہونے میں اصل ہے، اور اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، البتہ جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت کلام پاک کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، علماء جمہور دونوں کے لئے تلاوت کلام پاک کو حرام قرار دیتے ہیں، امام مالک علیہ الرحمہ

نے حائضہ کے لئے تلاوت کلام پاک کو جائز قرار دیا ہے، اس اندیشہ اور خوف سے کہ کہیں بھول نہ جائے، چونکہ حیض کو ختم کرنا اس کے اختیار میں نہیں جب کہ جنبی اپنی جنابت کو ختم کرنے پر قادر ہے، لہذا اس کے لئے تلاوت کلام پاک جائز نہیں، امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں پیشاب پاخانہ اور جماع کی حالت میں ذکر کرنا مکروہ ہے، جمہور کا قول یہی ہے، پس یہ حدیث شریف ان حالات کے علاوہ کے لئے مخصوص ہوگی۔

(مرقاۃ: ۲/۴۳، فتح الملہم: ۱/۱۹۸، التعلیق الصبیح: ۱/۲۲۴)

﴿الفصل الثاني﴾

جنبی کے بچے ہوئے پانی کا استعمال

﴿۴۲۲﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَفْنَةٍ فَاَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَوَضَّاَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّيْ كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَاءَ لَايُجْنِبُ۔ (رواه الترمذى وابوداؤد وابن ماجة وروى الدارمى نحوه) فى شرح السنة عنه عن ميمونة بلفظ المصابيح۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۹، باب الرخصة فى فضل طهور المرأة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۵، ابو داؤد شریف: ۱/۱۰، باب الماء لايجنب، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۶۸، ابن ماجہ شریف: ۳۱، باب الرخصة بفضل وضوء المرأة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۷۰، سنن الدارمی: ۱/۲۰۳، باب

الوضوء بفضل وضوء المرأة، كتاب الطهارة، حدیث نمبر:۷۵۴،بغوی فی شرح السنه:۲/۲۷، باب الوضوء بفضل المرأة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۵۹۔

حل لغات: جفنة، الجفنة، بڑا پیالہ،ڈونگا، ج جِفَانٌ و جفنٌ.

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک برتن سے غسل کیا اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی برتن سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا،تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حالتِ جنابت میں تھیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کہ پانی جنبی نہیں ہوتا۔(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)اوردارمی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔)شرح السنۃ میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایسی ہی روایت مصابیح کے الفاظ میں منقول ہے،جس کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔

تشــریح: حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی برتن سے عورت نے حالت جنابت میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا تو وہ پانی نجس نہیں ہوتا اور عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال جائز ہے۔

بعض ازواج الخ: اس سے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں،اور یہ راوی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خالہ تھیں۔

جفنۃ: لگن کو کہتے ہیں،مطلب یہ ہے کہ پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس برتن میں بیٹھ کر غسل کیا۔

جــنبــاً: مذکر ومؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے اس پانی سے غسل جنابت کیا ہے، اور یہ پانی میرے غسل کے بعد بچا ہے، اس میں میرا ہاتھ پہونچا تھا۔

الـمـاء لايجنب: اس کو باب افعال اور باب نصر دونوں سے پڑھا گیا ہے، یا پر ضمہ اور نون پر کسرہ از افعال اور یا پر فتحہ اور نون پر ضمہ از نــصـــر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنبی کے استعمال سے پانی نجس نہیں ہوتا۔

یعنی استعمال سے باقی ماندہ جنابت سے متاثر نہیں ہوتا ہے، اسی سے ماء مستعمل کے پاک ہونے پر بھی استدلال کیا گیا ہے، یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے اور امام مالکؒ کا مذہب ہے، لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جفنہ سے پانی غرفہ غرفہ کر کے چلو سے لیا ہے، نہ یہ کہ اس میں داخل ہو کر اسے استعمال کیا، چونکہ اس میں داخل ہو کر غسل کرنا تو عادۃً بعید ہے، جبکہ غرفہ والی تاویل کرنا ضروری ہے، تا کہ حدیث شریف ان روایات کے مخالف نہ ہو جن میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت ہے، بلکہ دارقطنی کی روایت میں تو اس کی صراحت ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: **"اجنبت فاغتسلت من جفنة ففضلت فيه فضلة فجاء النبى ليغسل منها"** میں نے غسل جنابت کیا، میرے غسل جنابت کے بعد اس میں پانی باقی رہ گیا اچانک حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تا کہ اس سے غسل کریں، تو گویا یہ فضلہ فضلۂ ید ہے، جیسا کہ صاحب مرقاۃ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے "کــنــت جـنـبـاً" کہنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ میں نے اس پانی سے غسل کیا ہے اور یہ میرے ہاتھ کا فضلہ ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۴)

اور اسی سے استدلال کیا گیا ہے اس بات پر کہ محدث اپنے ہاتھ کو برتن میں داخل

کرے چلو سے پانی لینے کے لئے اور اپنے ہاتھ سے رفع حدث کی نیت نہ کی تو پانی مستعمل نہیں ہوگا، صاحب بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غالب یہ ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جفنہ میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دھولیا تھا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا جبکہ دھلانے سے پہلے داخل کرنے پر کوئی دلیل بھی نہیں۔(بذل المجہود:۱/۴۵)

عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال

غسل کے بعد جو پانی بچ جاتا ہے اس کے استعمال کرنے کی پانچ صورتیں ہیں جن میں سے چار صورتیں بالاتفاق جائز ہیں، اور ایک صورت میں اختلاف ہے۔

(۱)......مرد مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کرے۔

(۲)......عورت عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کرے۔

(۳)......عورت مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کرے۔

(۴)......دونوں اکٹھا پانی استعمال کریں، یہ چار صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

(۵)......مرد اپنی بیوی کا بچا ہوا پانی استعمال کرے، اسی پانچویں صورت میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد کے لئے عورت کے وضو اور غسل سے بچا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔

دلیل: حدیث الباب ہے۔

امام احمد واسحق وغیرہ کا مذہب: ان کے نزدیک مرد کے لئے بیوی کے غسل اور وضوء سے بچا ہوا پانی استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يتوضأ الرجل من فضل

طهور المرأة. (ابوداؤد)

جواب: (۱)...... یہ نہی تنزیہی ہے، اور خلاف اولی ہے، کیونکہ عورتوں میں بے احتیاطی زیادہ ہوتی ہے۔

(۲)...... یہ حدیث منسوخ ہے، اور ناسخ وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کر سکتا ہے۔

(۳)...... حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت دفع وساوس کے لئے ہے، اس لئے کہ عورتیں فطرۃً کم نظیف ہوتی ہیں، پھر طریقۂ استعمال ماء سے بھی ناواقف ہوتی ہیں، اور مرد فطرۃً نظیف ہوتا ہے، اس لئے وسوسہ کرے گا، اس لئے مرد کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فضل طہور مرأۃ سے منع فرمایا۔ اسی لئے تو بعض روایت میں ہے کہ اگر عورت نظیف ہو اور طریقۂ استعمال سے واقف ہو تو فرمایا: "لاباس". (مرقاۃ: ۲/۳۳۳)

(۴)...... ممانعت اجنبی کے لئے ہے، اور یہ ممانعت "سداً لباب الفتنة" ہے، چونکہ اجنبی مرد اس عورت کا تصور کر کے لذت حاصل کریگا، اور فتنہ کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لئے عورت کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنے سے ممانعت فرمادی، پس یہ ممانعت بر بنائے احتیاط سداً لباب الفتنة ہے۔ فقط

جنبی کا بدن نجس نہیں ہوتا

﴿۴۲۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ قَبْلَ اَنْ

اَغْتَسِلَ۔ (رواہ ابن ماجۃ) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۴۳، باب فی الجنب یستد فئی بامرأتہ قبل ان تغتسل، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۵۸۰، ترمذی شریف: ۳۲/ ۱، باب فی الرجل یستدفئی بالمرأۃ بعد الغسل، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۱۳۲، بغوی فی شرح السنۃ: ۳۰/ ۳۱/ ۲، باب مصافحۃ الجنب الخ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۲۶۲۔

حل لغات: یستدفئی، مصدر استدفاء، باب استفعال سے، گرمی حاصل کرنا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابت کا غسل فرماتے تھے، پھر میرے جسم سے گرمی حاصل کرتے تھے، جب کہ میں نے ابھی غسل بھی نہ کیا ہوتا تھا، (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، اور شرح السنہ میں بھی ایسی ہی روایت مصابیح کے الفاظ میں منقول ہے۔

تشریح: یہ حدیث شریف دلالت کرتی ہے کہ جنبی عورت کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے، یہی حکم حائضہ ونفساء کے بارے میں ہے، جیسا کہ جنبی مرد کا جھوٹا پاک ہے چونکہ مذکورین میں سے دونوں کی نجاست حکمی ہے، حقیقی نہیں، کیونکہ دونوں کا سبب متحد ہے، یعنی دونوں کا تولد گوشت سے ہے، پس جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گرمی حاصل کی جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنبیہ ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تر بدن سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کے بدن کا التماس ضروری ہوا اور یہ دلالت کرتا ہے جنبی کے پسینے اور جھوٹے کے پاک ہونے پر، نیز اس پر بھی دال ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے۔ (الکوکب الدری: ۱/۷۳)

ماء مستعمل وہ پانی ہے جو پاکی حاصل کرنے کے بعد بدن سے جدا ہو جائے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ جب جسم اطہر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسم سے ملا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن کی تری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بدن اور کپڑوں پر لگی پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسم کو لگنے کے بعد وہ پانی پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو لگنا یقینی ہے جب کہ قوی یا ضعیف روایات میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی لگنے کی جگہوں کو دوبارہ دھویا ہو۔ لہٰذا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ جنبی وحائضہ کا جھوٹا اور پسینہ پاک ہے، یہی قول جمہور علماء فقہاء کا ہے۔ (الکوکب الدری: ۱/۷۳)

بغیر وضو قرآن کریم کی تلاوت

﴿۴۲۴﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيَقْرِئُنَا الْقُرْآنَ وَيَاكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ اَوْ يَحْجُزُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ۔ (رواه ابو داؤد والنسائی) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ۔

حواله: ابو داؤد شريف: ۱/۳۰، باب فی الجنب يقرء القرآن، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۲۹، نسائی شريف: ۱/۳۰، باب حجب الجنب فی قراءة القرآن، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۶۵، ابن ماجه شريف: ۴۴، باب ماجاء فی

قراءة القرآن علی غیر طهارة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۵۹۴۔

حل لغات: یحجبه، حَجَبَ (ن) حَجْباً، چھپانا، رکاوٹ بننا، یحجز، حَجَزَ (ن) حجزاً، روکنا، ممانعت کرنا، راستہ بند کرنا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لاتے اور ہمیں قرآن پاک پڑھاتے، ہمارے ساتھ گوشت کھاتے، حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز روکتی نہیں تھی، یا یہ کہا کہ کوئی چیز مانع نہیں بنتی تھی سوائے جنابت کے۔ (ابوداؤد، نسائی) ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وضو اور قرآن کے مسئلہ میں گوشت کھانے کا ذکر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں فرمادیا، اس کو یہاں کیا مناسبت ہے؟

جواب: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اکل لحم کو قرآن کے ساتھ ممکن ہے اس لئے جمع فرمایا ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ بغیر وضو یا بغیر کلی کئے قران پڑھنا اور گوشت کھانا جائز ہے، جس طرح گوشت کھانے کے بعد بغیر وضو اور کلی کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (طیبی:۲/۱۰۸)

یحجبه او یحجزه الخ: یہ راوی کا شک ہے کہ اصل روایت میں "یحجزه" ہے یا "یحجبه" کا لفظ ہے۔ (مرقاۃ:۲/۳۳۳)

لیس الجنابة: لیس کا اسم اس کے اندر ضمیر مستتر ہے، اور "الجنابة" لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ لیس "الا" استثنائیہ کے معنی میں ہے، اور اس کی آسان مثال یہ ہے کہ جاء نی القوم لیس زیداً، اور مطلب ہے لیس الجاء نی زیداً۔ (طیبی:۲/۹۳، مرقاۃ:۱/۳۳۳)

حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محدث کے لئے قرآن پاک کی

تلاوت کرنا جائز ہے، البتہ جنبی کے لئے حدیث شریف سے ممانعت ثابت ہوتی ہے، جنبی اور حائضہ کے لئے تلاوت قرآن پاک کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں کہ جنبی اور حائضہ دونوں کے لئے تلاوت کرنا ممنوع ہے، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک حائض سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک روایت تو جنبی پر محمول کرتے ہوئے ممانعت کی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ حیض امر ضروری اور غیر اختیاری ہے، جبکہ اس کی مدت بھی طویل ہے، اگر اس کو روکا جائے گا تو سیکھا ہوا بھول جائے گی، برخلاف جنبی کے کیونکہ جنابت فعل اختیاری ہے، اور اس کا ازالہ بھی فی الفور ممکن ہے، اس لئے حائض کے لئے تلاوت جائز ہے، امام مالکؒ کی یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ (بذل المجہود:۱۳۹/۱، التعلیق الصبیح:۲۲۴/۱)

حائضہ اور جنبی کے لئے تلاوت قرآن

﴿۴۲۵﴾ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۳۴/۱، باب ماجاء في الجنب والحائض انهما لايقرء ان القرآن، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۱۳۱۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہیں پڑھیں۔

تشریح: حالت جنابت میں قرآن کریم کو بطور تلاوت پڑھنا جائز نہیں ہے، اور جس طرح حائض کا یہ حکم ہے اسی طرح نفساء کا بھی یہی حکم ہے۔ (مرقاۃ:۳۳۳/۱)

ہاں بطور دعاء پڑھ سکتے ہیں، جیسے سورۂ فاتحہ۔

لاتقرأ: اس کو نہی کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں ہمزہ مکسور ہوگا، اجتماع ساکنین کی وجہ سے، اور اس کو صیغہ منفی بھی پڑھا گیا ہے، اور اکثر نسخوں میں یہی ہے اس صورت میں ہمزہ مرفوع ہوگا، البتہ یہ نفی نہی کے معنی میں ہوگی۔ (التعلیق الصبیح: ۱/۲۲۵)

قرآن کریم شعائر اللہ میں سے ہے۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے، لہٰذا قرآن کریم کو بلا وضو پڑھنا جائز نہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ہر مرتبہ قرأت قرآن کے لئے وضو کرنے میں حرج عظیم لازم ہوگا اور حفظ القرآن میں خلل واقع ہوگا، "**والحرج مدفوع فی الدین**" بنابریں قرأت قرآن کے لئے وضو کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ مس قرآن میں اتنا حرج نہیں ہے، اس لئے جمہور کے نزدیک بلا وضو قرآن چھونا جائز نہیں، اور اہل ظواہر کے نزدیک جائز ہے، وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکین کے پاس خطوط ارسال کرتے تھے، جن میں آیت قرآنی ہوتی تھی، تو مشرکین مس کرتے تھے، تو جب ایک مشرک مس کرسکتا ہے تو ایک بے وضو مسلمان تو اس سے بہت افضل ہے، اس کو مس کرنا جائز کیوں نہ ہو۔

جمہور استدلال پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی آیت "**لایمسہ الا المطھرون**" **الآیۃ** سے۔ دوسری دلیل عبداللہ بن ابی بکر کی حدیث ہے، مؤطا امام مالکؒ میں اور دارقطنی میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو جو کتاب لکھ کردی تھی، اس میں یہ حکم بھی تھا: "**ان لایمس القرآن الا طاھر**"

اہل ظواہر کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں شدت ضرورت کی بناء پر خطوط میں آیت قرآنیہ لکھتے تھے، نیز اصل مقصد تو مضمون خط ہوتا ہے، اور آیت تابع تھی، لہٰذا کوئی حرج نہیں۔

قرأت کے بارے میں بھی اختلاف ہے، تو اہل ظواہر، امام بخاری اور ابن المنذر کے نزدیک جنب، حیض اور نفاس والی عورتوں کے لئے قرأت قرآن جائز ہے، اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں، البتہ امام مالک کے نزدیک آیت حرز وحفاظت پڑھ سکتے ہیں، اور ان سے اور ایک روایت ہے کہ حیض نفاس والی پڑھ سکتی ہے، کیونکہ ایام زیادہ ہوتے ہیں، نسیان کا اندیشہ ہے، امام احمدؒ کے نزدیک ایک آیت پڑھ سکتے ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک بغرض تلاوت نہیں پڑھ سکتے، بغرض ذکر وحرز پڑھ سکتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مادون الآیۃ پڑھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں، البتہ جن آیات میں دعا کا مضمون ہے ان کو بہ نیت دعا پڑھنے کی اجازت ہے، الغرض اجمالاً جمہور کے نزدیک ان لوگوں کو قرأت قرآن جائز نہیں، اہل ظواہر اور امام بخاری دلیل پیش کرتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے: **"کان یذکر اللہ علی کل احیانہ"** اور قرآن کریم سب سے اعلیٰ وافضل ذکر ہے۔ لہٰذا حالت جنب میں پڑھتے ہوں گے، جمہور دلیل پیش کرتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے: **"ولم یکن یحجزہ عن القرآن شیء الا الجنابۃ"** (رواہ ابوداؤد) دوسری دلیل حدیث مذکور فی الباب ہے۔

فریق مخالف کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ عام حدیث ہے، اور عام حدیث سے استدلال کرنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جب اس بارے میں کوئی خصوصی حدیث موجود نہ ہو، حالانکہ قرأت قرآن کے بارے میں خصوصی حدیث آگئی ہے، لہٰذا حدیث عام سے اس کو مستثنیٰ کرلیا جائے گا۔ (مرقاۃ: باب مخالطۃ الجنب ومایباح لہ)

مذہب حنفی کی چند وضاحتیں

(۱)......حنفیہ اور جمہور کے نزدیک جنب اور حائضہ کے لئے تلاوت قرآن جائز نہیں، پوری

آیت کا پڑھنا تو سب حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، مادون الآیۃ کے جواز یا عدم جواز میں امام کرخی اور امام طحاوی کا اختلاف مشہور ہے۔ امام کرخی کے نزدیک مادون الآیۃ کا پڑھنا بھی دونوں کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ جن نصوص میں نہی وارد ہے وہ مطلق ہیں، آیت یا مادون الآیت کی کوئی تفصیل نہیں، امام طحاوی کے نزدیک مادون الآیۃ کا پڑھنا جائز ہے، اس لئے کہ اتنی مقدار میں نظم اور معنی کے اعتبار سے قرآنیت کا تحقق یقینی نہیں یعنی اتنی مقدار پڑھنے والے کو یقینی طور پر قرآن خواں نہیں کہہ سکتے، صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اور قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اور ولوالجی نے اپنے فتاوی میں اور صاحب کنز نے اپنے مستصفی اور کافی میں قول کرخی کو ترجیح دی ہے، صاحب بدائع نے اس قول کو اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے، بہت سے مشائخ نے طحاوی کے قول کو بھی ترجیح دی ہے، تو تصحیح اور ترجیح میں بھی اختلاف ہوا۔ (البحر الرائق: ۱/۱۹۹) احتیاط کرخی کے مذہب میں ہے۔

(۲)...... اگر کوئی عورت معلمہ قرآن ہو اور حیض کے دن آجائیں تو کیا کرے چونکہ حیض کئی دن تک چلتا ہے، تعلیم کے ناغہ میں حرج ہے، فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو اپنی تعلیم مخصوص طریقہ سے جاری رکھنی چاہئے، قول طحاوی پر طریقہ تعلیم یہ ہے کہ وہ نصف آیۃ تک ایک سانس میں سبق پڑھا سکتی ہے، آیت کا تھوڑا سا حصہ پڑھے پھر رک جائے پھر تھوڑا سا حصہ پڑھے پھر رک جائے، یوں وقفات میں پڑھائے، متواتر پوری آیت نہ پڑھے، کرخی کے مسلک پر طریقۂ تعلیم یہ ہے کہ ایک ایک کلمہ کر کے پڑھائے، پہلے ایک کلمہ کی تلقین کرے پھر ٹھہر جائے علی ہذا القیاس، کرخی کے مذہب پر صاحب بحر نے اشکال کیا ہے کہ یہ مادون الآیۃ کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور ایک کلمہ بھی مادون الآیۃ میں داخل ہے تو ان کے مسلک پر طریقۂ تعلیم کی تفریع کیسے ہو سکتی ہے۔

سید محمد امین شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں اس اشکال کا جواب دیا ہے وہ یہ کہ امام کرخیؒ کے نزدیک اگر چہ مادون الآیۃ بھی جائز نہیں لیکن وہ مادون الآیۃ کو ناجائز تب کہتے ہیں جبکہ اتنا اور اس طرح سے پڑھے کہ اس کو 'تــالی' اور 'قــاری' سمجھا جا سکے، ایک ایک کلمہ پڑھنے میں یہ بات نہیں ہے اس لئے یہ انداز ان کے مسلک پر جائز ہونا چاہئے، پھر علامہ شامی نے یعقوب پاشا کا حوالہ دیا ہے انہوں نے کرخی کے مذہب کی تقریر یوں کی ہے کہ ان کے نزدیک مادون الآیۃ جب مرکبات ہوں تو ناجائز ہے، مفردات ناجائز نہیں ہیں۔ (البحر الرائق: ۱۹۹/۱، مع حاشیہ ابن عابدین: ۲۲۰/۱)

جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا

﴿۴۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَاأُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۰/۱، باب فی الجنب یدخل فی المسجد، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر: ۲۳۲۔

حل لغات: وجھوا، امر ہے، وَجَّهَ، توجیھاً، باب تفعیل سے، الی الشیء، کسی چیز کی طرف منہ کرنا، متوجہ ہونا، عن الشیء رخ موڑ دینا۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان گھروں کو مسجد کی طرف سے پھیر دو، اس لئے کہ میں کسی حیض والی عورت کے لئے اور کسی جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونا

جائز نہیں رکھتا ہوں۔

تشریح: بعض مکانوں کے دروازے مسجد کی طرف کو تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پھرانے کا حکم دیا، کیونکہ اس صورت میں مسجد کے صحن میں سے ہوکر گذرنا پڑتا تھا، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمادیا، کہ آدمی جنبی بھی ہوتا ہے اور عورتیں حائض ونفساء بھی ہوتی ہیں۔

وَجِّـهُ: کے صلہ میں چونکہ "عن" استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس کے معنی پھیرنے کے ہیں، اور اگر اس کے صلہ میں "الی" آتا ہے تو اس کے معنی متوجہ ہونے کے ہوتے ہیں، یہ رائے ہے امام لغت علامہ جوہری کی۔ (طیبی: ۲/۹۴)

نیز "البیوت" سے قبل اسم اشارہ "ھذہ" کولا کر ان کی تحقیر اور مسجد کی عظمت شان کی جانب اشارہ کردیا۔ (طیبی: ۲/۹۴)

اختلاف ائمہ

اہل ظواہر ابن المنذر کے نزدیک جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کے لئے مطلقاً دخول المسجد جائز ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک اگر وضو کرلے تو دخول مسجد بلا مکث بھی جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مرور کے لئے داخل ہوسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ: اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک مطلقاً ان لوگوں کے لئے دخول مسجد جائز نہیں۔

دلیل: اہل ظواہر دلیل پیش کرتے ہیں زید بن اسلم کی حدیث سے "**کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشون فی المسجد وھم جنب.**"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین جنبی ہونے کی حالت میں مسجد میں چلتے پھرتے تھے۔(رواہ ابن المنذر)

دوسری دلیل: حضرت امام جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "كان احدنا يمر في المسجد جنبا." [ہم میں ایک آدمی جنبی ہونے کی حالت میں مسجد میں گذرتا تھا۔]

اور امام شافعیؒ بھی انہی روایات سے استدلال کرتے ہیں، اور ان کو صرف مرور پر محمول کرتے ہیں، اور اہل ظواہر عام لیتے ہیں۔

دلائل احناف: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، دوسری دلیل حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے ابن ماجہ میں "ان المسجد لايحل لحائض ولا جنب" [بے شک مسجد حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں۔]

جوابات: اہل ظواہر اور امام شافعی نے جو حدیثیں پیش کیں ان کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیثیں محلل ہیں، اور ہماری حدیثیں محرم ہیں، اور محرم و محلل میں، جب تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔لہٰذا مسجد کی تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے انہی پر عمل کرنا احتیاطاً ہوگا، یا یہ کہا جائے گا کہ اجازت کی حدیثیں پہلے تھیں پھر منسوخ ہوگئیں۔(مرقاۃ: باب مخالطة الجنب ويباح له)

کس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

﴿۴۲۷﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ

وَلَا جُنُبٌ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۳۰/ ۱، باب فی الجنب یوخر الغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۲۷،نسائی شریف: ۳۰/ ۲، باب فی الجنب اذا لم یتوضأ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۶۱۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس گھر میں تصویر ہوتی ہے، یا کتا ہوتا ہے، یا جنبی ہوتا ہے، اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں۔

تشریح: الملائکہ پر الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد ملائکہ رحمت ہیں، جو ذکر اللہ کی مجالس اور بندوں سے ملاقات کے لئے آتے ہیں، 'حفظہ' (حفاظت کرنے والے فرشتے) مراد نہیں کیونکہ وہ تو ہر آن بندے کے ساتھ لگے رہتے ہیں، قرآن پاک میں ہے، "ومایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید" نیز ملک الموت بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اور تصویر کی ممانعت وحرمت اور تصویر والے گھر کے مندر کے مشابہ ہو جانے کی وجہ سے ملائکہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔

اور کتے کو روایات میں خبیث قرار دیا گیا ہے، اور ملائکہ اشرف خلق اللہ ہیں، اور یا کی کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں، تو کتوں اور ملائکہ کے درمیان اسی طرح تضاد ہے، جس طرح نور وظلمت میں، اور نور وظلمت جمع نہیں ہو سکتے، اسی طرح ملائکہ اور کتے بھی جمع نہیں ہو سکتے۔

اور 'جنب' سے مراد وہ شخص ہے، جو ہمیشہ دیر سے غسل کرتا ہے، اور وہ اس کا عادی ہے، حتیٰ کہ فجر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے، اور اگر کبھی اتفاقاً دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اس کا حکم یہ نہیں۔ (مرقاۃ: باب مخالطة الجنب ویباح له)

تین لوگوں کے قریب فرشتے نہیں آتے

﴿۴۲۸﴾ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ جِيْفَةُ الْكَافِرِ وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۲۰/ ۲، باب فی الخلوق للرجال، کتاب الترجل، حدیث نمبر: ۴۱۸۔

حل لغات: جیفة، ج جِیَفٌ، مردار، المتضمِّخ، اسم فاعل ہے، تضمَّخ، بالطیب وغیرہ تضمُّخا، باب تفعّل سے، خوشبو سے لتھڑنا، لت پت ہونا، بہت خوشبو لگانا۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ فرشتے تین چیزوں کے قریب نہیں ہوتے۔ (۱) کافر کا جسم۔ (۲) وہ شخص جو خلوق (خوشبو) میں لت پت ہو۔ (۳) جنبی مگر یہ کہ اس نے وضو کر لیا ہو۔

تشریح: لاتقربھم: سمع، اور کرم دونوں سے آتا ہے۔

المتضمخ بالخلوق: یہ عورتوں کی خوشبو ہوتی ہے، اس سے شوخ دھبے لگ جاتے ہیں، لہٰذا اس میں ایک تو تشبہ بالنساء ہے، اور دوسرے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ہے۔ (طیبی: ۲/۹۵)

ثلاثة لاتقربھم الملائکة: یعنی تین آدمی ایسے ہیں کہ ملائکہ رحمت جن کے

قریب نہیں آتے، ایک کافر، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، چونکہ وہ نجاست جیسے شراب، خنزیر، خون وغیرہ چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا۔

دوسرے وہ آدمی جس نے خلوق میں اپنے آپ کو لت پت کرلیا ہو۔

خلوق ایک قسم کی خوشبو ہے، جس کو زعفران وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے، اور اس کے رنگ میں سرخی غالب ہوتی ہے، لیکن اس کی ممانعت صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں، اور ملائکہ رحمت اس کے قریب اس لئے نہیں جاتے، چونکہ اس سے عورتوں کے ساتھ تشبہ ورعونت بڑھتی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص سنت کی مخالفت کرے، اگرچہ بظاہر وہ لوگوں میں بھلا اور مکرم دکھائی دے، لیکن حقیقت میں وہ گندہ اور کتے سے بھی زیادہ ذلیل وکمینہ ہے۔

تیسرا شخص جنبی ہے، یہ گویا ایک سخت پھٹکار ہے، اس کے لئے جو بلاوجہ غسل کو مؤخر کرے، تاکہ عادت نہ بن جائے، یہاں وضو سے شرعی وضو بھی مراد ہوسکتا ہے، اور غسل بھی مراد ہوسکتا ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۴۷)

جیفۃ: سے مراد جسم ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، کیونکہ کافر نجاست سے اور خمر خنزیر وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ اس سے مردہ جسم مراد ہے، کیونکہ جیفہ کا اطلاق عام طور پر مردار ہی کے لئے ہوتا ہے، اور وضو سے مراد وضو شرعی ہے، اور یہ روایت تاخیر غسل کے سلسلہ میں بہت سخت وعید ہے، تاکہ تاخیر غسل کی عادت نہ بنالی جائے۔ (مرقاۃ: ۳۳۵/۱، التعلیق الصبیح: ۲۲۷/۱)

ناپاک آدمی قرآن پاک نہ چھوئے

﴿۴۲۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ۔ (رواه مالك والدار قطني)

حوالہ: دار قطنی: ۱/۱۲۲،۱۲۱، باب فی نهی المحدث ان یمس القرآن، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۴۰۱، موطا امام مالک: ۶۹، باب الامر بالوضوء لمن مس القرآن، جامع الصلوة.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابو بکر بن محمد بن حزم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو جو ہدایت نامہ دیا تھا، اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ قرآن مجید کو صرف وہی شخص چھوئے جو پاک ہو۔

تشریح: اس خط میں جہاں دوسری نصیحتیں تھیں ان میں یہ بھی تھی کہ طاہر کے علاوہ کوئی قرآن کو نہ چھوئے۔

عمرو ابن حزم ایک انصاری صحابی ہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نجران کا حاکم و عامل بنایا تھا، اور ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں فرائض، زکاۃ، اور دیات وغیرہ کے مسائل تحریر تھے، یہ روایت اسی خط کا ایک جز ہے۔ (الاصابہ:۲/۵۳۲)

ان لا یمس: اس کو دو طرح پڑھا گیا ہے، (۱) سین کے فتحہ کے ساتھ، نہی ہونے کی بناء پر، (۲) سین کے ضمہ کے ساتھ نفی ہونے کی بناء پر۔

سلام کا جواب دینے کے لئے تیمم

﴿۴۳۰﴾ وَعَنْ نَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اِنْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ فَقَضٰى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ وَكَانَ مِنْ حَدِيْثِهِ يَوْمَئِذٍ اَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِيْ سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ فَلَقِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى اِذَا كَادَ الرَّجُلُ اَنْ يَتَوَارٰى فِي السِّكَّةِ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً اُخْرٰى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۷/ ۱، باب التیمم فی الحضر، کتاب الطهارة، (ابواب الاستحاضة) حدیث نمبر: ۳۳۰۔

حل لغات: سکة، ج سِکَکٌ، راستہ، سڑک، یَرُدُّ، رَدَّ (ن) ردًّا، لوٹانا، یتوارٰی، تواری، (تفاعل) تواریا، عنه چھپنا، پس پردہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کرنے کے لئے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد انہوں نے جو حدیث بیان کی وہ یہ تھی کہ ایک شخص گلیوں میں سے کسی گلی سے گذر رہا تھا کہ اس کی ملاقات حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حال میں ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاخانہ یا پیشاب سے فارغ ہوکر نکلے تھے، چنانچہ اس شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا،

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ وہ شخص گلی میں نظروں سے اوجھل ہونے کے قریب ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیوار پر مارا پھر ان دونوں کو اپنے چہرے پر پھیرا، پھر دوسری مرتبہ ہاتھوں کو مارا اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو پھیرا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو سلام کا فوری جواب دینے میں میرے لئے صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ میں بے وضو تھا۔

تشریح: عن نافع: یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام بھی تھے، اور شاگرد رشید بھی۔

فی حاجۃ: مراد قضائے حاجت یعنی بیت الخلاء ہے، کیونکہ آگے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قضائے حاجت کا ذکر بھی ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ دوسری کوئی ضرورت مراد ہو۔

رجل: مہاجر بن قنفذ مراد ہیں، خرج من غائط، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہوئے تھے۔

فلم یرد علیہ: سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر وضو کے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا، یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حد درجہ احتیاط تھی، ورنہ حقیقت میں ''السلام علیک'' میں اللہ تعالیٰ کا نام مراد نہیں ہوتا بلکہ سلامتی کے معنی مراد ہوتے ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: حدیث نمبر: ۴۲۱ر میں یہ مضمون گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم ہروقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، نیز حدیث نمبر: ۴۲۴ر کے تحت یہ بات بھی گذری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء آ کرصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کوقرآن پاک پڑھاتے تھے، حدیث باب اوراس طرح کی روایت میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا نام بے وضولینا بھی جائز ہے، مگراولیٰ اورافضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام باوضولیا جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بے وضو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے تو وہ رخصت پرعمل ہوتا تھا اور یہ عزیمت پرعمل کی مثال ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینا اگرچہ بے وضو کی حالت میں بھی جائز ہے، مگراولیٰ اورافضل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام باوضولیا جائے۔

ضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بیدیہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلدی سے تیمم فرما کرسلام کرنے والے کا جواب مرحمت فرمایا۔

تیمم کب جائز ہے؟

تیمم چاروجوہ سے کرنا جائز ہے۔

(۱)......لعدم وجدان الماء: یعنی پانی نہ ملنے کی صورت میں۔

(۲)......مرض کی وجہ سے۔ کہ پانی استعمال کرنے سے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہے۔

(۳)......ٹھنڈک کی وجہ سے۔ کہ ٹھنڈک زیادہ ہے پانی گرم کرنے کی بھی کوئی شکل نہیں اور ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہے۔

(۴)......سلام کا جواب دینے کے لئے۔

یعنی اگرکسی نے سلام کرلیا اور جس کوسلام کیا ہے وہ بے وضو ہے اور یہ شخص عزیمت پر

عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام بے وضو لینا نہیں چاہتا، وضو کرنے کی صورت میں تاخیر ہو جانے کے سبب سلام کرنیوالے کے غائب ہو جانے کا خدشہ ہے تو جلدی سے تیمم کر کے سلام کا جواب دیدے۔ اس لئے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے، اس سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے جواب دینے سے قاصر ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنا عذر بیان کر دے تا کہ اس کی طرف سے کوئی بدگمانی تکبر ونخوت وغیرہ کی نہ ہو۔

ذکر اللہ بغیر وضو

﴿۴۳۱﴾ وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ وَقَالَ اِنِّي كَرِهْتُ اَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰى طُهْرٍ۔ (رواه ابوداؤد) وَرَوَى النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ حَتّٰى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۴/ ۱، باب فی الرجل یرد السلام وهو یبول، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱۷۔ نسائی شریف: ۷/ ۱، باب رد السلام بعد الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۳۸۔

ترجمه: حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، پھر ان سے معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، یقیناً میں نے اس

بات کو پسند نہیں کیا کہ وضو کے بغیر اللہ تعالیٰ کا نام لوں۔ (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو "حتی توضأ" تک نقل کیا ہے، اور پھر بیان کیا کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تب ان کے سلام کا جواب دیا۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاکی کی حالت میں کرنا اولیٰ اور افضل ہے، البتہ ناپاکی کی حالت میں ذکر کرنا بھی جائز ہے۔

یبول: مہاجر بن قنفذ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیشاب فرمانے کے بعد سلام کیا ہے، اس وجہ سے کہ مروت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ جو شخص قضائے حاجت میں مشغول ہے اس سے بات بھی نہ کی جائے چہ جائے کہ اس کو سلام کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں اگر کسی نے سلام کیا ہے تو اس نے مکروہ کام کیا اور وہ جواب کا مستحق نہیں ہے، جواب نہ دینے پر معذرت کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے، اس لئے یہاں پر یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد سلام کیا تھا۔

فلم یرد علیه حتی توضأ: حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمانے کے بعد ان کو جواب دیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیمم کر کے جواب دیا تھا، اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کر کے جواب دیا تھا۔

جواب: (۱)......اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔

(۲)......دوسرا جواب یہ ہے کہ توضأ! تطهر کے معنی میں ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے حدث سے پاکی حاصل کرنے کے بعد جواب دیا، ایسی صورت میں تطہر تیمم کو شامل ہو جائے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۴۸)

ثم اعتذر: اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے وہیں یہ مسئلہ بھی نکلا کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے جواب دینے سے قاصر ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ عذر بیان کردے؛ تاکہ اس کی طرف تکبر کی نسبت نہ کی جائے۔

کرهت ان اذكر الله: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ حقیقی ہو یا مجازی، طہارت کے ساتھ کرنا افضل ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

حالت جنابت میں سونا

﴿۴۳۲﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ ثُمَّ يَنْتَبِهُ ثُمَّ يَنَامُ. (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۶/۲۹۸.

ترجمه: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جماع کرتے پھر بیدار ہوتے، پھر سو جاتے۔

تشریح: اس حدیث میں اگرچہ اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماع کرنے کے بعد سونے سے پہلے وضو کیا تھا یا نہیں؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عام طور پر عادت یہی تھی کہ اگر جماع سے فارغ ہو کر غسل کئے بغیر

سونے کا ارادہ ہوتا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرما لیتے تھے، لہٰذا یہاں بھی یہی مراد ہوگا، لیکن کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے وضو اور غسل دونوں کو ترک بھی کیا ہے۔

جنبی کے لئے وضو قبل النوم جمہور علماء ائمہ اربعہ کے یہاں مستحب ہے۔

داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکی کے نزدیک واجب ہے، حدیث باب سے بھی بغیر وضو سونے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہ حدیث وجوب کے قائلین کے خلاف حجت ہے۔ (الدر المنضود: ۱/۳۴۹)

فائدہ

بغیر وضو کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سونا بیان جواز کے لئے تھا، یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو کر کے سوئے تھے، راوی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن میں سونے سے قبل وضو کا تذکرہ ہے کوئی تعارض نہیں۔

غسل سے پہلے ہاتھوں کو سات بار دھونا

﴿۴۳۳﴾ وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنىٰ عَلىٰ يَدِهِ الْيُسْرىٰ سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ أَفْرَغَ فَسَأَلَنِي فَقُلْتُ لَا أَدْرِيْ فَقَالَ لَا أُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَدْرِيْ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلىٰ جِلْدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۳/۱، باب الغسل من الجنابة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۲۴۶۔

ترجمہ: حضرت شعبہؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب جنابت کا غسل کرنے بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر سات بار (پانی) ڈالتے، پھر اپنی شرمگاہ دھوتے، ایک مرتبہ وہ بھول گئے، کہ کتنی بار (پانی) ڈالا ہے، تو مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ میں بھی نہیں جانتا، تو انہوں نے کہا تیری اماں نہ رہے تجھے کس چیز نے یاد کرنے سے روک دیا تھا، پھر وہ وضو کرتے تھے، جیسا کہ نماز کے لئے کیا جاتا ہے، پھر اپنے بدن پر پانی بہاتے، اس کے بعد فرماتے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاکی حاصل کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غسل کرنے کا طریقہ مذکور ہے اور ساتھ میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ غسل بھی یہی تھا، یعنی غسل میں اولاً ہاتھ پر پانی ڈالا جائے، پھر شرمگاہ کو دھویا جائے۔ پھر وضو کیا جائے، پھر غسل کیا جائے۔

فوائد حدیث

(۱)...... اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شاگرد کو اپنے استاذ کے سامنے طالب کو اپنے شیخ کے سامنے نہایت مستعد رہنا چاہئے تاکہ استاد وشیخ کی ہر بات کو اچھی طرح محفوظ رکھ سکے۔

(۲)...... نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شاگرد کی بے توجہی کی بناء پر شیخ اس کو تنبیہ کر سکتا ہے۔

(۳)……حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداء غسل میں ہاتھوں کو سات بار دھویا کرتے، اس میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ کہا جائے کہ ایسا شروع میں تھا، پھر اجازت تثلیث سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۴)……ہو سکتا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کے نسخ کے قائل نہ ہوں۔

(۵)……یا یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں شعبہ ابن دینار راوی ہیں، جو ضعیف ہیں۔

دو جماع کے درمیان غسل کرنا افضل ہے۔

﴿۴۳۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَائِهٖ یَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذِهٖ وَعِنْدَ هٰذِهٖ قَالَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلَا تَجْعَلُهٗ غُسْلًا وَاحِدًا اٰخِرًا قَالَ هٰذَا اَزْکٰی وَاَطْیَبُ وَاَطْهَرُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۶/۸، ابو داؤد شریف: ۳۹/ ۱، باب الوضوء لمن اراد ان یعود، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر: ۲۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک دن اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے ملاقات فرمائی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے یہاں بھی غسل فرمایا اور ان کے یہاں بھی غسل فرمایا، میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہ فرمالیا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ یہ زیادہ عمدہ زیادہ پاکیزگی زیادہ صفائی ستھرائی کا ذریعہ ہے۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد بار جماع کیا جائے خواہ ایک ہی بیوی سے ہو یا چند بیویوں سے ہو، زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ ہر جماع کے بعد غسل کرلیا جائے، ایسا کرنے سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، اور برے اخلاق دور ہوتے ہیں۔

غسلا واحدا: یعنی ایک غسل کافی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

ھذا: یعنی متعدد بار غسل کرنا، ''ازکی واطیب'' علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں تطہر ظاہر کے مناسب ہے، اور تزکیہ باطن کے مناسب ہے۔ ''ازکی'' سے اخلاق ذمیمہ کے زوال کی طرف اشارہ ہے، اور ''اطیب'' سے اچھی خصلتیں پیدا ہونا مراد ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۰)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ہر جنابت کا غسل کرنے سے برے اخلاق مثلاً غصہ وغیرہ دور ہوجاتے ہیں، اور اچھے اخلاق یعنی تقویٰ طہارت حاصل ہوتے ہیں، حدیث نمبر: ۴۲۰ر کے تحت یہ بات گذری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے جماع کے بعد صرف ایک بار غسل فرمایا وہ بیان جواز کے لئے اور امت کی آسانی کے لئے تھا۔ افضل عمل یہی ہے جو اس حدیث پاک میں مذکور ہے۔

عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال

﴿۴۳۵﴾ وَعَنِ الْحَكَمِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طُهُوْرِ الْمَرْاَةِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَزَادَ اَوْ قَالَ بِسُؤْرِهَا وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حواله: ابوداؤد شریف: ۱۱/۱، باب النھی عن ذالک، کتاب الطھارة، حدیث نمبر:۸۲۔ابن ماجہ: ۳۱، باب النھی عن ذالک، کتاب الطھارة، حدیث نمبر:۳۷۳۔ترمذی شریف:۱۴/۱۵/۱، باب ماجاء فی کراھیة فضل طھور المرأة، کتاب الطھارة، حدیث نمبر:۶۴۔

ترجمه: حضرت حکم بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی مرد عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی) ترمذی نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ یا فرمایا کہ یہ عورت کے جھوٹے پانی سے، ترمذی نے یہ بھی کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: یہ نہی تنزیہی ہے، یعنی خلاف اولیٰ ہے، گذشتہ بہت سی احادیث میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنے کی اجازت ہے، دونوں طرح کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ جہاں نہی وارد ہوئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے، یعنی یہ فعل مکروہ ہے، اور مکروہ بھی جواز کا ایک شعبہ ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

او قال بسورها: ترمذی کی روایت کے مطابق راوی نے اپنے شک کا اظہار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس موقع پر فضل کا لفظ استعمال فرمایا یا سور کا، سور کے اصل معنی جھوٹے کے ہیں، لیکن یہاں عورت کا جھوٹا پانی مراد نہیں؛ بلکہ غسل کا یا وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہے۔

مرد وعورت دونوں کا ایک ساتھ غسل کرنے کا طریقہ

﴿۴۳۶﴾ وَعَنْ حُمَيْدِنِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلاً صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهٗ اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعاً۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی) وَزَادَ اَحْمَدُ فِيْ اَوَّلِهٖ نَهٰى اَنْ يَمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِيْ مُغْتَسَلِهٖ۔ (رواہ ابن ماجة عن عبداللّٰہ بن سرجس)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۱/۱، باب النهی عن ذلک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۸۱،نسائی شریف:۴۷/۱، باب ذکر النهی عن الاغتسال بفضل الجنب، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۲۳۸،مسند احمد: ۱۱۱/۴. ابن ماجه: ۳۱، باب النهی عن ذلک، کتاب الطهارة، حدیث نمبر:۳۷۴۔

ترجمه: حضرت حمید بن حمیری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے ملاقات کی، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چار سال تک رہے تھے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت مرد کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے، یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے، حضرت مسدد کی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ دونوں ایک ساتھ چلو لیں۔ (ابوداؤد، نسائی) امام احمدؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ شروع میں زائد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے، یا غسل کرنے کی جگہ پر پیشاب کرے، نیز ابن ماجہ نے اس روایت کو عبداللہ بن سرجس کے

حوالہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا ہے:

(۱)......عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کرے۔

(۲)...... ہر وقت کنگھی اور بناؤ سنگار میں نہ لگے رہنا چاہئے۔

(۳)......غسل خانہ میں پیشاب نہ کرنا چاہئے۔

اس حدیث پاک میں فضل طہور کے استعمال کی ممانعت ہے، لیکن جیسا کہ گذشتہ احادیث کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے، یعنی فضلِ طہور کا استعمال جائز تو ہے، لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔اور بھی دیگر جوابات اوپر گذر چکے۔

اگر مرد وعورت ایک ساتھ ایک برتن میں بھرے پانی سے غسل کررہے ہیں تو دونوں کو ساتھ میں پانی لے کر غسل کرنا چاہئے۔تا کہ ایک کا دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا لازم نہ آئے، یہ افضل طریقہ ہے۔

ہر روز داڑھی یا سر کے بالوں میں کنگھی کرنے سے مردوں کو منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ ہر روز کنگھی کرنا یہ بناؤ سنگار کرنے والوں کا طریقہ ہے، اولیٰ یہ ہے کہ ایک دن ناغہ کرکے کنگھی کی جائے۔

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ایسا کرنے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

اور یہ اس وقت ہے کہ جب کہ پانی وہاں جمع ہوتا ہو اگر پانی جمع نہ ہوتا ہو بلکہ بہہ کر صاف ہوجاتا ہو اور پیشاب کے بعد پانی ڈالکر اس کو بہا کر صاف کردیا جائے پھر یہ حکم نہیں ہے۔تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

تم
الجزء الرابع بحمد اللّٰہ تعالی
و احسانہ و توفیقہ تعالی و بمنہ و کرمہ
ویلیہ الجزء الخامس اولہ باب احکام المیاہ ان شاء
اللّٰہ تعالی ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب
علینا انک انت التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک
سید المرسلین و صلی اللّٰہ تعالی علیہ
وعلی الہ و اصحابہ اجمعین
الی یوم الدین
محمد فاروق غفرلہ